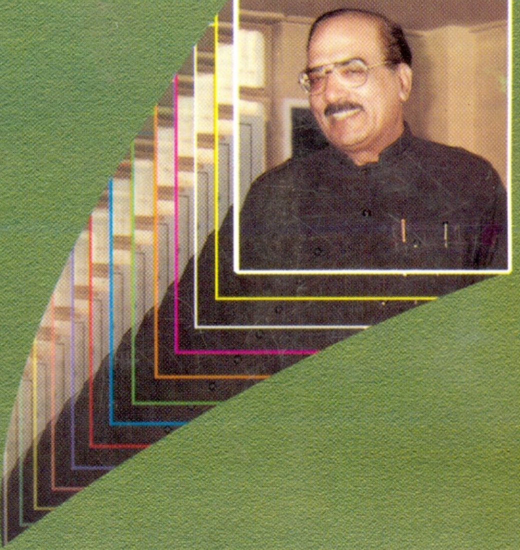

ضیاء الحق قاسمی

مجھے یاد آیا

ضیاء الحق قاسمی

قاسمی پبلی کیشنز

۴۷/ آر سنلے بنگلوز اسکیم ۳۳۔ صفورا گوٹھ کراچی یونیورسٹی روڈ کراچی۔ ۷۵۲۸۰

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب : مجھے یاد آیا (یادداشتیں)

مصنف : ضیاء الحق قاسمی

سن اشاعت : نومبر ۲۰۰۲ء

کمپوزنگ : جہانِ حمد کمپوزنگ سینٹر (محمد سلیمان طاہر۔۴۹۲۲۷۰۱)

تعداد : ایک ہزار

قیمت : ۲۰۰ روپے (۱۰ ڈالر)

سرورق : ابن واثق

پبلشر : قاسمی پبلی کیشنز ۴۷/ آر سٹلے بنگلوز اسکیم ۳۳
صفورا گوٹھ کراچی یونیورسٹی روڈ کراچی۔۷۵۲۸۰
فون : ۸۱۴۴۵۶۵ ۔ ۸۱۴۴۹۸۷
فیکس : ۴۹۰۰۲۱۴
ای میل : ziaqasmizarafat@hotmail.com

ڈسٹری بیوٹرز : ویلکم بک پورٹ لمیٹڈ۔ مین اُردو بازار، کراچی
فون : ۲۶۳۹۵۸۱ ۔ ۲۶۳۳۱۵۱
فیکس : ۲۶۳۸۰۸۶
ای میل : wbp@welbook.com

عالمی طنز و مزاح کانفرنس

مزاح و طنز کا یہ دور بھی کیا خسروانہ ہے
ظرافت کی صدی ہے یہ ظرافت کا زمانہ ہے
یبوست خود بخود ہی ختم ہوجاتی ہے ہنسنے سے
ہمارا کام خوش رہنا ہے اور ہنسنا ہنسانا ہے
مزاح و طنز کا اک اجتماع عالمی ہوگا
ہمیں دنیا کو ہنسنے کا طریقہ اب سکھانا ہے
دسمبر میں یہاں آئیں گے دنیا بھر کے دانشور
شگوفوں کا چمن ہم کو یہاں پھر سے کھلانا ہے
ظرافت کے لکھاری سب یہاں مہمان سب ہوں گے
شگفتہ ان کی تحریروں سے اس گھر کو سجانا ہے
ظرافت صرف ہنسنے اور ہنسانے کو نہیں کہتے
یہی صنف سخن تو عقل و دانش کا خزانہ ہے
دمک اٹھیں گے سب مایوس چہرے پھر دسمبر میں
ظرافت کا ہمیں بھرپور اک ہفتہ منانا ہے

ضیاء الحق قاسمی

"مجھے یاد آیا" ۔ ایک منفرد آپ بیتی

سوانح یہ یادوں کی اِک کہکشاں ہے
وسیع اس کی پرواز کا آسماں ہے

قلمبند حالات سے یہ عیاں ہے
سوانح کئی عہد کی رازداں ہے

حیاتِ ضیاء اس کی روح و رواں ہے
مگر ہو یہ جگ بیتی ایسا گماں ہے

کہانی یہ پھیلی کہاں سے کہاں ہے
کہ آئینہ ء عکسِ عمرِ رواں ہے

لڑی واقعاتِ زمانہ کی ہے یہ
کہ یہ سچے قصوں کا اِک کارواں ہے

ہے خوبی یہی اس میں ہر واقعہ کی
کہ سچا ہے اور ایک عکسِ جہاں ہے

زباں سہل ہے اور اسلوب سادہ
بیاں کا بھی انداز اس کے رواں ہے

یہ سنجیدہ لہجے میں لکھی گئی ہے
مگر کچھ ظرافت بھی اس میں عیاں ہے

ورق اس میں یادوں سے الٹے گئے ہیں
کہ پیشِ نظر چہرہ رفتگاں ہے

مصنف سوانح کا ہے ایسا انساں
جو سچا کھرا ، صاف گو، نکتہ داں ہے

ضیاء قاسمی نامِ نامی ہے اُس کا
صحافی ہے اور شاعر خوش بیاں ہے

چھیاسٹھ برس کی ہے عمر اس کی بیشک
مگر دل ضیاء کا جواں تھا جواں ہے

شعار اس کا دشمن کی بھی خیر خواہی
روایت کا اسلاف کی پاسباں ہے

طریق اس کا ہنسنا ہنسانا ہے ہر دم
کہ ملحوظ خوشنودی دوستاں ہے

گزر جائے کچھ بھی ضیاء قاسمی پر
وہ شاعر کے ہر حال میں نغمہ خواں ہے

خلوص اُس کی ہر بات سے ہے نمایاں
کہ جو آج کل ایک جنس گراں ہے

وہ ہے موم کی طرح پیش غریباں
مقابل وہ شاہوں کے کوہِ گراں ہے

وہ کرتا ہے انسانیت سے محبت
وہ اہلِ ادب کا بڑا قدرداں ہے

ادیبوں کی بے لوث کرتا ہے خدمت — نہیں اس کو احساس سود و زیاں ہے
سبھی لوگ کرتے ہے یوں قدر اسکی — کہ وہ عزم و ہمت کا روشن نشاں ہے
خدا اُسکو رکھے ہمیشہ سلامت — دعا دوستوں کے یہ وردِ زباں ہے
یہ اک منفرد آپ بیتی ہے لیکن — نئے طرزِ تحریر کی ترجماں ہے
سوانح یہ مقبول ہوگی یقیناً — کہ دلچسپ اندازِ حسنِ بیاں ہے

(نجمہ خان)

انتساب

ان **مظلوم** قوموں کے نام جو آج بھی سامراجی قوتوں کے پنجۂ استبداد میں جکڑے ہوئے ہیں۔

(ضیاء الحق قاسمی)

''فانوسِ چرخ تخّل دلربا، مجھے یاد آیا''

۲۰۰۲ء

''داستانِ حیاتِ عروسِ طنّاز''

''بقول طوطیِ ملک ضیاءالحق قاسمی''

۱۴۲۳ھ

قاسمی نے جو لکھے ہیں صفحات — ان میں ہیں عمرِ رواں کے حالات
حال و ماضی کو کیا اس نے رقم! — زیست کے اس نے سمیٹے لمحات
تلخ و شیریں کو بیاں اُس نے کیا — اُس نے لکھی ہے پتے کی ہر بات!
کہیں کھلتے ہیں شگوفے اس میں — کہیں ہوتی ہے غموں کی برسات
لوگ ہر طرح کے دنیا میں ملے — پیکرِ مکر و ریا، نیک صفات
ماہ و سال اس نے گزارے کیسے — زیست کے کس طرح کاٹے دن رات
کیا گزرتی ہے کٹھن راہوں میں — اس نے دانائی کے لکھے ہیں نکات
اس میں موجود ہے ہر اک منظر — ہیں کہیں شہر، کہیں ہیں دیہات
جانے کتنی ہی سیہ راتوں میں — جاگ کر اُس نے گزاری ہے حیات
عکس، تہذیب کا اس میں دیکھو — آپ بیتی ہے یہ آئینہ صفات

بڑھ کے ہاتف نے یہ لکھ دی تاریخ
''گنجِ نایابِ گزشتہ حالات''

۲۰۰۲ء

قاری محمد مسلم غازی

عرض مصنف

عمر کے ٦٦ سال گذارنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اپنی زندگی کے وہ واقعات بند کروں جو میرے ساتھ بیتے یا میری موجودگی میں وقوع پذیر ہوئے۔ یہ خیال ذہن کے کسی گوشے میں موجود تھا مگر مصروفیات کچھ ایسی رہیں کہ اسے ورطہ تحریر میں نہ لا سکا۔ ایسے واقعات کا نقشہ حضرت جوشؔ ملیح آبادی کی کتاب "یادوں کی برات" اور جناب کنور مہندر سنگھ بیدیؔ کی کتاب "یادوں کا جشن" پڑھ کر ذہن میں ابھر تا رہا۔ زندگی کے تمام حالات تو یاد نہیں رہے البتہ کچھ واقعات اب تک اس طرح یاد ہیں جیسے ابھی پیش آئے ہوں۔

میں یہ بات واضح کردوں کہ میری تحریر میں آپ کو کہیں بھی مبالغہ نظر نہیں آئے گا۔ واقعات جس طرح پیش آئے اسی طرح میں نے لکھ دیئے ہیں۔ زیب داستاں کیلئے اس میں رنگ نہیں بھرے گئے۔ واقعات کو کسی ترتیب سے بھی نہیں لکھا گیا۔ جس طرح یاد آتے گئے میں انہیں قلمبند کرتا رہا۔ میری یادداشت کے مطابق یہ واقعات ایسے ہی وقوع پذیر ہوئے تھے جیسے کہ میں نے لکھے ہیں اگر کسی کو کہیں اشتباہ نظر آئے تو برائے مہربانی مجھے مطلع فرمائیں میں ان کا شکر گذار ہوں گا۔ یہ وہ واقعات بھی نہیں ہیں جنکا صرف میری زندگی ہی سے تعلق ہے بلکہ آپ پڑھ کر یہ محسوس کریں گے جیسے یہ آپ کے ساتھ پیش آئے ہوں۔ اس کتاب کے مرتب اور شائع ہونے کے بعد بھی جو جو واقعات مجھے یاد آتے جائیں گے انہیں قلمبند کر کے کتابی شکل میں شائع کرتا رہوں گا۔

میری یہ ہمیشہ سے عادت رہی ہے کہ جس کام کے پیچھے پڑ گیا اُسے مکمل کر کے ہی چھوڑا یہاں میری مراد کسی کے پیچھے پڑنا ہرگز نہیں۔ اس عمر میں آکر سوچا کہ کہیں یہ یونہی نہ گذر جائے یہ کام بھی کر ہی ڈالو سو ہو گیا اور یہ کتاب اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

واقعات اپنے میاں کیجئے کیا کیا اے جوشؔ
ایسے ٹکڑے ہیں بہت سے مرے افسانے

☆☆☆☆

آغاز شاعری

ایک رات موسلا دھار بارش ہوئی سڑکیں جل تھل ہو گئیں۔ میں کھڑکی میں سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ دو شعر ہوئے جو میں نے فوراً نوٹ کر لئے مگر رات بھر بے چینی رہی کہ یہ شعر ہیں بھی کہ نہیں۔ صبح اٹھ کر ایک شاعر سے ذکر کیا تو انہوں نے اس پہلی آمد کو سراہا۔ اشعار یہ تھے۔

جس دن سے مری ان سے ملاقات ہوئی ہے
اس یاد کی پہلی ہی یہ برسات ہوئی ہے
تا صبح شب وصل رہے گی یہی رم جھم
موسم کے فرشتوں سے مری بات ہوئی ہے

☆☆☆☆

عمر میں باسٹھ سال

ایک انٹرویو کے دوران مجھ سے میری عمر پوچھی گئی تو میں نے برجستہ اس قطعے میں جواب دیا۔

مجھ کو اپنا یوم پیدائش زبانی یاد ہے
کوئٹے میں زلزلہ آیا تو میں پیدا ہوا
عمر میری پورے باسٹھ سال کی اب ہو گئی
ہائے میں بھی اُس بتِ کافر پہ کب شیدا ہوا

(کوئٹہ کا زلزلہ ۱۹۳۵ء میں آیا تھا اور یہ قطعہ ۱۹۹۷ء میں کہا)

☆☆☆☆

قاری صاحب سے انتقام

۱۲سال کی عمر میں میرا پھوپھی زاد سید مسعود شاہ اور میں قاری عبدالرحیم صاحب کے پاس قرآن شریف حفظ کرنے جاتے تھے۔ قاری صاحب ہنٹر سے شاگردوں کی پٹائی کرتے تھے۔ اتنا مارتے تھے کہ بعض لڑکے بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ قاری صاحب جب کبھی پینے کیلئے پانی مانگتے تو ہم انتقاماً گلاس میں لعابِ دہن ڈال کر ان کو دیا کرتے۔ اس وقت ہم اسے انتقام کہتے تھے آج کل احتساب کہتے ہیں۔ لعاب پلانے کا اثر یہ ہوا کہ قاری صاحب ۹۹ سال تک زندہ رہے۔

☆☆☆☆

ماسٹر محبوب سبحانی

وزیر آباد ایم ٹی ہائی اسکول کے استاد محبوب سبحانی اپنی کلاس کے تمام شاگردوں کو بہت مارتے تھے۔ ایک روز مجھے اتنا مارا کہ میں برداشت نہ کر سکا۔ آخر میں نے ان کے ہاتھ سے ہنٹر چھین لیا اور ان کے پیچھے بھاگا۔ کلاس روم میں وہ بھاگتے رہے اور میں ان کا پیچھا کرتا رہا۔ تمام لڑکے کورس کی شکل میں تالی پیٹتے رہے۔ اس واقعہ کے بعد ماسٹر صاحب نے مار پیٹ چھوڑ دی اور ہم نے مار کھانا چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆

دبئی کا مشاعرہ

عرب امارات کے عالمی مشاعرہ میں خالد عرفان صاحب کو آخری روز مدعو کیا گیا۔ دعوت نامے میں ان کا نام شامل نہ تھا۔ وہ رات کو دیر سے مشاعرہ گاہ میں پہنچے تو دبئی کے ایک صاحب خالد عرفان کی ایک نظم اپنے نام سے پڑھ کر سنا رہے تھے۔ خالد عرفان کو اچانک ہال میں داخل ہوتے دیکھا تو رک گئے اور معذرت کر کے چلے گئے۔ اس واقع کے بعد ان دونوں کی دوستی ہو گئی۔

سکھوں کا قتل

وزیر آباد میں کئی برس تک رہنے کا اتفاق ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں جب دونوں ممالک کے لوگ ہجرت کر رہے تھے اس شہر میں سکھوں کے ایک گوردوارے (گوروکوٹھا) کو وہاں کے مسلمانوں نے آگ لگادی۔ عمارت کے اندر بے شمار مرد و زن اور بچے قیام پذیر تھے۔ ایک جوان سکھ خاتون ایک ہاتھ میں تلوار اور گود میں اپنا بچہ اٹھائے حملہ آوروں پر جھپٹتی رہی۔ آخر اس نے اپنے بچے کو آگ کے شعلوں میں سے باہر پھینک دیا۔ باہر ایک مسلمان نے اُسے اپنی گود میں لے لیا۔ بچہ ڈرا ہوا تھا اپنی جیب میں سے ایک پھرکی اور ایک سکہ نکال کر کہنے لگا یہ لے لو اور مجھے نہ مارو۔ اتنی دیر میں ایک بد معاش شخص نے یہ بچہ ان صاحب کی گود سے چھین لیا اور گھما کر اُسے آگ میں پھینک دیا۔

☆☆☆☆

مسلمان کا قتل

۱۹۴۷ء میں امر تسر شہر کے دو حصے ہو گئے تھے۔ آدھے شہر میں مسلمان اور باقی شہر میں سکھ اور ہندو۔ ایک روز مسلمانوں کے محلے سے ایک مسلمان غلطی سے سکھوں اور ہندوؤں کے محلے میں چلا گیا۔ انہوں نے اس شخص کی آنکھیں نکال لیں اور کان اور ناک کاٹ کر ایک ٹھیلے پر لٹا کر مسلمانوں کے محلے میں دھکیل دیا اور کہا جاؤ وہ ہے تمہارا پاکستان۔

☆☆☆☆

مسجد چوک پراگداس

امر تسر میں محلوں کی تقسیم کے بعد مسلمانوں کی ایک مسجد جو چوک پراگداس میں تھی سکھوں اور ہندوؤں کے قبضے میں چلی گئی۔ مسلمان جمعہ کی نماز وہاں جا کر پڑھنا چاہتے تھے مگر کوئی اسلحہ

رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ مسلمان وضو کرنے کے لئے اپنے ساتھ مٹی کے لوٹوں میں پانی لے گئے۔ نماز کے بعد سکھوں اور ہندوؤں نے تلواروں اور کرپانوں سے حملہ کر دیا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں نے لوٹے بطور ہتھیار استعمال کئے اور اس کا نام لوٹا گم رکھ دیا گیا۔

☆☆☆☆

لڑکیوں کو کنوئیں میں کودنے کی تربیت

امرتسر کی تقسیم کے بعد میرے والد محترم حضرت مولنا بہاء الحق قاسمی اپنی بیٹیوں کو گھر کے سامنے کی مسجد کے کنوئیں کے پاس لے جا کر بتایا کرتے تھے کہ اگر سکھ کبھی ہمارے محلے پر حملہ آور ہوں تو تم لوگ اس کنوئیں میں کود جانا۔

☆☆☆☆

بچپن کے معمولات

صبح اذان کے وقت ابا جی مجھے جگاتے اور اپنے ساتھ دور ایک محلے کی مسجد میں صبح کی نماز با جماعت ادا کرنے ساتھ لے جاتے۔ نماز کے بعد درسِ قرآن اور پھر درس حدیث میں حاضر رہتے اور سورج طلوع ہونے کے وقت گھر پہنچتے۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں اور سید مسعود شاہ (میرے کزن) پانچ میل دور قرآن شریف حفظ کرنے پیدل جاتے اور شام کو واپس پیدل لوٹتے۔ راستے میں سکھوں کا گولڈن ٹمپل آتا تو ہم وہاں رکتے پانی پیتے اور سکھوں کو پوجا پاٹ کرتے دیکھتے۔ ظہر اور عصر کی نمازیں بھی قاری صاحب ہمیں مسجد خیر الدین میں لے جا کر پڑھاتے یہ مسجد بھی مدرسے سے کافی دور تھی۔ جس روز قاری صاحب بہت پٹائی کرتے اس رات ہم اپنی بہن کے گھر جو قریب ہی تھا رک جاتے۔

☆☆☆☆

صابن سازی اور صابن فروشی

امر تسر دو حصوں میں تقسیم ہوا تو ہمارا صابن کا کارخانہ بہت چل نکلا۔ صابن کی ڈیمانڈ بہت بڑھ گئی۔ اس وقت میری عمر ۱۲ سال تھی۔ میری ضد تھی کہ میں صابن کا اسٹال لگاؤں گا۔ آخر ابا جی کو میری یہ ضد پوری کرنی پڑی اور میں نے صابن بیچا اور خوب بکا۔

☆☆☆☆

کیفی اعظمی اور قتیل شفائی

دہلی کلاتھ ملز دہلی کے سالانہ مشاعرے میں جناب کیفی اعظمی وہیل چیئر پر اپنا کلام سنانے اسٹیج پر آئے۔ انہوں نے کہا حضرات! زندگی میں میں نے جتنے مشاعرے پڑھے زبانی ہی پڑھے آج میں اپنی غزل لکھ کر لایا ہوں۔ لوگ سمجھنے لگے تھے شاید میں پڑھا لکھا نہیں ہوں یہ کہہ کر انہوں نے سامعین کو ایک کاغذ دکھایا۔ قتیل شفائی بھی موجود تھے انہوں نے بہ آواز بلند کہا حضرات! ان کے ہاتھ میں جو کاغذ ہے وہ کورا ہے۔ کیفی صاحب نے برجستہ کہا یہ شخص بھی پڑھا لکھا نہیں لکھے ہوئے کو کورا کہہ رہا ہے۔

☆☆☆☆

سائیکل کی ٹکر

میں اور میرے ایک عزیز رشید ہٹ کرایہ پر سائیکل لے کر چلاتے ایک روز سائیکل کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور سائیکل ٹوٹ پھوٹ گئی۔ سائیکل والے نے بطور سزا ہماری قمیضیں اتروالیں اور ہم اسی حالت میں گھر پہنچے۔ اُسے پیسے لا کر دئے اور قمیضیں واپس لیں۔ اس وقت ہم دونوں ایک ہی عمر کے تھے یعنی ۱۰۔ ۱۱ سال کے

☆☆☆☆

روحی کنجاہی

پاکستان ٹیلی وژن لاہور کے مزاحیہ مشاعرے میں راقم نے نظامت کے دوران جناب روحی کنجاہی کو یہ شعر بر جستہ کہہ کر دعوت کلام دی۔

غزل بھی کہہ رہا ہے یہ ظرافت کی سپر بھی ہے
بظاہر مرد ہے لیکن اِدھر بھی ہے اُدھر بھی ہے

روحی کنجاہی ناراض ہو گئے اور اٹھ کر چلے گئے مگر اپنا کلام سنانے کے بعد۔

☆☆☆☆

بدکردار گائے

راقم، جناب ایس ایم معین قریشی اور جناب قمر علی عباسی' جناب مشتاق احمد یوسفی سے ملنے ان کے گھر گئے۔ انہوں نے بڑی خاطر مدارات کی۔ کھانے کی چیزوں میں کباب بھی تھے۔
راقم نے کہا یوسفی صاحب! کباب بہت مزیدار ہیں۔ یوسفی صاحب نے کہا ہاں یہ گائے کے گوشت کے ہیں۔ راقم نے کہا مگر گائے کا گوشت تو اتنا لذیذ نہیں ہوتا۔ یوسفی صاحب نے کہا گائے اگر بدکردار ہو تو اسکا گوشت بڑا لذیذ ہوتا ہے۔

☆☆☆☆

مشتاق احمد یوسفی کی سڑک

راقم نے جناب مشتاق احمد یوسفی سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ وہ کل آپ کے گھر آرہا تھا مگر سڑک بڑے بڑے پتھروں سے اٹی پڑی تھی واپس چلا گیا۔
یوسفی صاحب نے کہا اس سڑک پر سے ہو کر وہی آسکتا ہے جو شہوت سے مغلوب ہو یا کسی سے اپنی رقم واپس لینی ہو۔

☆☆☆☆

درد اٹھتا ہے بیٹھ جاتا ہوں

لندن میں میں اور جناب بلبل کاشمیری ونڈسر کاسل دیکھنے گئے۔باہر گاڑی پارک کر کے ایک بلندی کی طرف پیدل جانا پڑا۔عارضہ دل کی وجہ سے مجھے بار بار درد اٹھتا میں زمین پر بیٹھ جاتا۔زبان کے نیچے گولی رکھتا افاقہ ہونے پر پھر چل پڑتا۔اس پر بلبل صاحب نے یہ شعر پڑھا۔

درد اٹھتا ہے بیٹھ جاتا ہوں
بیٹھتا ہوں تو درد اٹھتا ہے

راستے میں ایک آدمی کو شراب پیتے دیکھا تو بلبل صاحب نے یہ شعر سنایا۔

جو کی روٹی حلال ہوتی ہے
جو کا پانی حرام ہوتا ہے

☆☆☆☆

مرغا بن کر سیڑھیاں اترنا

امرتسر میں ممتاز کالم نگار جناب نصر اللہ خان کے والد محترم جناب محمد عمر خان ہمیں اسکول میں پڑھاتے تھے۔ سبق یاد نہ ہونے پر وہ مرغا بنا کر سیڑھیاں اترنے کو کہتے تو جان ہلکان ہو جاتی۔ساتھ ساتھ پیٹھ پر ڈنڈے پڑتے۔اس دوران کئی لڑکے اوندھے منہ گر پڑتے اور زخمی ہو جاتے۔

☆☆☆☆

ڈُلا سائیں کی کرامت یا بڑ

لاہوری دروازہ کے اندر ہم ایک تین منزلہ پرانے مکان میں رہائش پذیر تھے۔گراؤنڈ فلور پر بابا عبداللہ (ڈلا سائیں) پیری مریدی کرتے تھے۔وہ چرس بھی پیتے تھے۔نابینا تھے روزانہ صبح و

شام دروازے کے اوپر کے حصے پر دونوں ہاتھ رکھ کر پیر اوپر نیچے کرتے ہوئے ہلکی ورزش کرتے تھے۔

ایک رات ولا سائیں چیخنے لگے اوئے قاسمی! نیچے آجاؤ مکان گرنے والا ہے۔ میں سمجھا شاید بابا نشے کی حالت میں بہک گئے ہیں مگر وہ مسلسل شور کرتے رہے۔ میرے بہنوئی، بہن اور میں بچوں کو گود میں اٹھائے نیچے اتر آئے۔ ہم کچھ دور ہی گئے تھے کہ پورا مکان دھڑام سے نیچے آگرا۔ دوسرے روز میں نے بابا سے پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلا کہ مکان گرنے والا ہے وہ بولے ہم سائیں بابا جو ہوئے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں تھا۔ بابا کئی سالوں سے ورزش کرتے آرہے تھے ان کو دروازے کی اونچائی کا اندازہ تھا۔اُس روز دروازہ کچھ نیچے کی جانب دبتا ہوا محسوس ہوا اور انہوں نے اپنی "کرامت" کا اعلان کر دیا۔

☆☆☆☆

بجلی کے میٹر میں آگ لگ گئی

ہمارے مکان کا بجلی کا میٹر ولا سائیں کی ڈیوڑھی میں لگا ہوا تھا۔اس میں اچانک آگ لگ گئی۔بابا نشے کی حالت میں مجھے پکارتے رہے۔ میں دیر سے نیچے اترا تو باباجی میٹر کی آگ پانی کی بالٹی سے بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ روز بعد باباجی کا انتقال ہو گیا۔ ملتان روڈ پر ان کا مزار بنایا گیا ۔اب یہاں ہر سال انکا عرس منایا جاتا ہے اور ملک بھر کے قوال اس عرس میں شرکت کرتے ہیں۔ مزار پر لکھا ہے بابا ولا سائیں مست قلندر۔

☆☆☆☆

انگلش کموڈ

دبئی کے عالمی مشاعرۂ طنز و مزاح کے سلسلے میں ہم ایک ہاسٹل میں مقیم تھے۔ دلاور فگار اور میں ایک کمرے میں تھے۔ صبح اٹھ کر میں ٹائلیٹ میں گیا تو ا... [illegible]

دیکھا۔ بٹن دبانے پر پانی کی دھار نکلتی اور ہاتھ استعمال کئے بغیر طہارت ہو جاتی۔ میں سمجھا گرمی کا موسم ہے ٹھنڈا پانی ہی ہو گا مگر بٹن دبانے پر اُبلتا ہوا گرم پانی نکلا اور میں تڑپ کر اچھلا۔ باہر آکر دلاور فگار صاحب کو بتایا۔ انہوں نے برجستہ یہ قطعہ کہا۔

ہاسٹل میں ہر سہولت ہے ہمیں حاصل مگر
اک پریشانی بہنگام طہارت بڑھ گئی
گرم پانی سے نہ ہو پایا جو کار اینیما
وہ جو شے آنا تھی نیچے اور اوپر چڑھ گئی

☆☆☆☆

جادو کا اسٹول

دُلا سائیں کے پاس لکڑی کا ایک اسٹول تھا لوگ اس کے پاس آتے اپنا مدعا بیان کرتے۔ بابا اسٹول سے سوالوں کا جواب حاصل کر کے ان کو بتاتے اور سوا روپیہ نذرانہ وصول کرتے۔

ایک روز میری موجودگی میں دو لڑکے آئے اور انہوں نے اپنے بی اے کے امتحان کے نتیجے کے بارے میں پوچھا۔ ان میں سے ایک لڑکا دبلا پتلا تھا اور ایک موٹا تازہ۔ موٹے لڑکے سے کہا تم اسٹول پر ایک انگلی رکھو۔ پھر اسٹول سے مخاطب ہو کر کہا بیٹا یہ بتاؤ کہ یہ لڑکا امتحان میں پاس ہو گا یا فیل۔ اگر پاس ہو گا تو دائیں ٹانگ اوپر کرو اور اگر فیل ہو گا تو بائیں ٹانگ۔ اسٹول نے دائیں ٹانگ اٹھالی۔ بابا نے کہا بیٹا تم پاس ہو جاؤ گے۔ دبلے لڑکے نے اسٹول پر انگلی رکھی۔ بابا نے یہی سوال اسٹول سے پھر کیا مگر اسٹول سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ رزلٹ آیا تو موٹا لڑکا پاس تھا اور دبلے لڑکے کا رزلٹ ہیلڈ اپ تھا۔ یعنی نہ اِدھر نہ اُدھر۔

بابا نے مجھے کئی بار کہا بیٹا قاسمی! یہ فن مجھ سے سیکھ لو ساری زندگی عیش کرو گے مگر میں نے اسے درخورِ اعتنا نہ جانا۔

☆☆☆☆

پڑھا لکھا جانور

عبدالمنان شاہد ایک جیّد عالم دین کا بیٹا ہے۔ خود بھی عالم ہے۔ عربی، اردو، پنجابی، سرائیکی اور فارسی میں شعر کہتا ہے۔ درس قرآن اور درسِ حدیث دیتا ہے۔ لاہور میں اس سے میری دوستی ہو گئی۔ مگر اُس کے کرتوت دیکھ کر یہ دوستی ٹوٹ گئی۔ اُس کو چوری کرنے کی بری عادت تھی۔ کسی دوست کو بھی معاف نہیں کرتا تھا۔ لاہور کی ایک مسجد کے امام صاحب نے اُس کو قرآن شریف کا ایک نایاب قلمی نسخہ دکھایا۔ مولوی صاحب تھوڑی دیر کیلئے مسجد سے اٹھ کر اپنے حجرے میں گئے اور یہ وہ قیمتی نسخہ لے کر وہاں سے رفوچکر ہو گیا۔ مولوی صاحب نے اُس کے خلاف تھانے میں چوری کی رپٹ لکھوادی۔ ایک سال بعد شاہد لاہور آیا مولوی صاحب کو خبر ہوئی اور انہوں نے تھانے والوں کو اُس کی آمد کے بارے میں بتادیا۔ یہ خود ہی تھانے میں پہنچ گیا اور تھانیدار سے کہا مجھے علم ہوا ہے کہ مولوی صاحب نے میرے خلاف آپ کے تھانے میں رپٹ لکھوائی ہے حالانکہ مولوی صاحب نے یہ قرآن شریف کا نسخہ مجھے خود تحفے کے طور پر دیا تھا۔ تھانیدار نے کہا اچھا تو پھر لے آیئے وہ نسخہ۔ شاہد وہاں سے نکلا اور غائب ہو گیا۔ مولوی صاحب اُس کو آج تک نہ پکڑوا سکے۔

قادیانی فرقے کے کچھ لوگوں کو معلوم ہوا کہ شاہد ایک پڑھا لکھا بے اصول آدمی ہے انہوں نے اُسے کچھ رقم ادا کر کے علمائے اہل سنت کے خلاف ایک کتاب لکھوالی۔ جو کسی وجہ سے شائع نہ ہو سکی۔ ایک عرصے کے بعد شاہد حیدر آباد میں میرے پاس آیا اور کہا کہ آج تک آپ نے مجھ پر بہت مہربانیاں کی ہیں مگر میں نے ہمیشہ آپ کو دھوکہ دیا۔ اب اس زندگی سے میں تنگ آچکا ہوں اور نیکی کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میری شادی کرادیں اور کچھ چھوٹا موٹا کاروبار کرادیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو کوئی شکایت نہ ہوگی۔ میں حافظ قرآن ہوں اور قاری ہوں۔ کاروبار کے ساتھ ساتھ لوگوں کو دینی تعلیم بھی دیا کروں گا۔ میں نے اُسے اپنے پاس رکھ لیا اور ایک نیک شریف گھرانے میں اپنی ضمانت پر اس کی منگنی بھی کرادی۔ میرے پاس ایک خالی دکان تھی اُس میں اس کو سٹیٹ ایجنسی کھلوادی۔ منگنی اور دکان

پر میرا خاصہ پیسہ خرچ ہوا۔ دکان کے افتتاح کے دوسرے روز دو تین عرب طلبا ایک کرایہ کا مکان تلاش کرتے ہوئے شاہد کے پاس آئے۔ شاہد نے ان سے پوری گفتگو عربی میں کی۔ وہ لڑکے بہت متاثر ہوئے۔ شاہد ایک خالی مکان پر لے گیا اور باہر ہی سے بتایا کہ یہ مکان کرائے کیلئے خالی ہے۔ انہوں نے کہا اندر سے دکھا دیں تو شاہد نے کہا مالک مکان دفتر گیا ہوا ہے۔ کل صبح آپ کو اندر سے دکھا دیا جائے گا۔ آپ کچھ رقم بیعانہ کے طور پر مجھے دیں جائیں میں مالک مکان سے بات طے کر لونگا۔ وہ لڑکے شاہد کو ایک ہزار روپے دے گئے وہ بہت خوش تھے خاص طور پر شاہد کی عربی دانی پر۔ شاہد ایک ہزار روپے لیکر فرار ہو گیا اور میرے نام ایک رقعہ چھوڑ گیا کہ وہ بری عادتیں ترک نہیں کر سکتا۔ معذرت قبول کریں اور لڑکی والوں سے بھی معذرت۔ عرب لڑکوں سے میں نے ایک سو روپیہ لیا ہے آپ ان کو دے دیں۔ عرب لڑکے آئے تو میں نے ان کو بتایا کہ شاہد چلا گیا ہے یہ ہے آپ کا دیا ہوا سو روپیہ۔ انہوں نے کہا نہیں جناب ہم نے ایک ہزار روپیہ دیا تھا۔ شاہد یہاں بھی فتنہ کھڑا کر گیا۔ بہر حال ان لڑکوں کو کچھ دے دلا کر میں نے خلاصی پائی۔

اس بات کو ۲۰ سال گذر چکے ہیں پھر شاہد نہ ملا۔ سنتے ہیں کہ وہ کبھی ہندوستان چلا جاتا ہے اور کبھی دوسرے ممالک میں۔ اسکا کاروبار جاری وساری ہے۔ دیکھیں کب گرفت میں آتا ہے۔ آج سے پندرہ سال پہلے میں اپنے بچوں کے ساتھ لاہور میں کار پر جا رہا تھا تو راستے میں شاہد نظر آیا مگر ہمیں دیکھ کر اُس نے دوڑ لگا دی اور ہجوم میں غائب ہو گیا۔ اللہ رحم کرے اس پڑھے لکھے جانور پر۔

☆☆☆☆

اٹاری اسٹیشن

ہم بہت سے شعرا ایک مشاعرہ میں شرکت کیلئے لاہور سے سمجھوتہ ٹرین کے ذریعے انبالہ جا رہے تھے۔ اٹاری اسٹیشن پر چیکنگ کیلئے گاڑی رکی۔ ہمارے ڈبے میں ایک برقع پوش خاتون بھی سوار تھی۔ چیکنگ کے دوران اس کے پاس ہزاروں گز قیمتی کپڑا برآمد ہوا۔ مگر

وہ خاتون بالکل پریشان نہ تھی جبکہ ہم سوچ رہے تھے کہ اس عورت کا کیا بنے گا۔ ایک سکھ قلی آیا اور اس عورت کو اشارے سے بلا کر باہر لے گیا۔ پلیٹ فارم سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہوتی مگر وہ عورت اس قلی کے ساتھ اسٹیشن سے باہر سرکاری کوارٹر میں چلی گئی۔ دو گھنٹوں کے بعد وہ عورت جب باہر نکلی تو چار موٹے موٹے کسٹم افسران بھی اس کمرے سے باہر آئے ۔ ہم نے اس عورت سے پوچھا کتنا جرمانہ ہوا تو ہنس کر بولی بس کام ہو گیا۔

☆☆☆☆

گھی میں ملاوٹ

شاہد سے میرا تعارف ان کے ایک عزیز حافظ محمد احمد نے کرایا تھا۔ حافظ صاحب نے مجھ سے کچھ رقم لی اور کہا اس رقم سے گھی کا کاروبار کروں گا اور منافع میں آپ برابر کے شریک ہوں گے۔ ایک عرصہ گذر جانے کے بعد نہ تو حافظ صاحب نے اصل رقم واپس کی اور نہ ہی منافع۔ ان کو تلاش کیا گیا تو وہ ایک مکان میں مل گئے جہاں وہ نقلی گھی بناتے تھے۔ میں نے ان سے کہا یہ حرام مجھے نہیں چاہیے میری رقم واپس کر دیں۔ انہوں نے چند روز کا وعدہ کر لیا مگر دوسرے ہی روز چھاپہ پڑا اور وہ گرفتار کر لئے گئے۔

☆☆☆☆

ہیڈ ماسٹر اور بھنگن

میں دسویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ انسپکٹر صاحب کو انسپکشن کے لئے آنا تھا۔ کچھ لڑکے مل کر کلاس روم سجا رہے تھے۔ شام ہونے والی تھی اچانک ہیڈ ماسٹر آگئے اور کہا ختم کرو اس کام کو۔ کل آکر کرنا۔ ہم کچھ دور ہی گئے تھے کہ شور شرابا ہوا دیکھا کہ اسکول کی بھنگن اور ہیڈ ماسٹر صاحب کو پڑوسیوں نے گھیر رکھا ہے اور ہیڈ ماسٹر صاحب ہاتھ جوڑ کر ان سے معافی مانگ رہے ہیں۔ بھنگن اور ہیڈ ماسٹر کی عمر میں پچاس سال کا فرق تھا۔

☆☆☆☆

راغب مراد آبادی اور پیر فقیر

راغب صاحب پڑھے لکھے آدمی ہیں مگر آئے دن ایک نیا پیر دریافت کر لیتے ہیں اور دوستوں کو فون پر اس پیر کی کرامات سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ مجھ سے بھی انہوں نے کئی پیروں کا ذکر کیا اور ان کی خدمت میں چلنے کو کہا مگر میں ہر بار ٹالتا رہا۔ آج کل بھی وہ ایک نئے پیر کے چکروں میں ہیں۔ پیر صاحب ڈاکٹر ہیں اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ کروڑ پتی ہیں بلکہ ان کا خادم بھی کروڑ پتی ہے۔ راغب صاحب کئی روز سے کہہ رہے تھے کہ پیر صاحب کے پاس چلو میں انکار کرتا رہا مگر وہ مصر رہے۔ میں نے جان چھڑانے کے لئے فون پر ہی پیر صاحب کو بے نقط سنا دیں۔ دو روز بعد راغب صاحب کا فون آیا کہ پیر صاحب کو تمہاری گالیوں کا علم ہو گیا ہے میں نے پوچھا وہ کیسے تو بتانے لگے کہ میں پیر صاحب کی خدمت میں گیا تو پیر صاحب نے بڑے جلال میں کہا کہاں ہے وہ بے دین شاعر جو خود بھی ایک عالم دین کا بیٹا ہے اور فون پر ہمیں گالیاں دیتا رہتا ہے۔ میں نے کہا راغب صاحب یہ کیسا پیر ہے جو یہ تو جانتا ہے کہ گالیاں دینے والا ایک شاعر ہے اور ایک عالم دین کا بیٹا ہے مگر اس کا نام نہیں جانتا۔ راغب صاحب بولے نام میں نے بتا دیا ہے۔ راغب صاحب نے کہا پیر صاحب کہہ رہے تھے کہ میں اس گستاخ شاعر کو جلا کر بھسم کر دونگا۔ میں نے راغب صاحب سے کہا آپ اس پیر سے کہہ دیجئے کہ پہلے وہ مجھے بھسم کر دے پھر میں اس کی کرامات کا قائل ہو نگا۔

چند روز بعد راغب صاحب خود ہی کہنے لگے قاسمی صاحب! وہ پیر تو واقعی فراڈ تھا آپ تو خود ایک پیر نکلے۔ (اس واقعہ کے ایک سال بعد پیر صاحب کا انتقال ہو گیا)

☆☆☆☆

ہندو دیوانہ اور اسکا مزار

ملک تقسیم ہوا تو حیدر آباد (سندھ) کا ایک ہندو خاندان جاتے ہوئے اپنے ایک بیٹے کو چھوڑ گیا جس کے ہوش و حواس قائم نہ تھے۔ وہ سڑکوں پر ایک دھوتی پہنے پھرتا رہتا۔ لوگ

اسے چائے، کھانا دے دیتے تو کھالیتا۔ وہ نہ سنتا تھا نہ بولتا تھا۔ سڑک پر چلتے چلتے اس کو ہارٹ اٹیک ہوا اور دکانداروں نے اسے ایک ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ مگر وہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ ہمارا ایک پڑوسی جو درزی کا کام کرتا تھا اسے اپنی دکان پر لے آیا اور برآمدے میں ایک چارپائی پر لٹا دیا۔ میں نے اس کی خراب حالت دیکھی تو ڈاکٹر کو بلایا۔ ڈاکٹر نے کہا اگر یہ ہسپتال نہ لایا گیا تو مر جائے گا مگر ٹیلر ماسٹر صاحب چاہتے تھے کہ وہ انکی دکان پر ہی مرے۔ سو یہی ہوا اور وہ دیوانہ مر گیا۔ ٹیلر ماسٹر نے کرایے کا تانگہ لیا لاؤڈ اسپیکر لگا کر پورے شہر میں اعلان کیا کہ پیر طریقت عالم بے بدل حضرت علامہ مولٰنا مولوی سید معین اللہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ہیں ان کی نماز جنازہ عصر کی نماز کے بعد ادا کی جائے گی۔ ان کی قبر کیلئے ایک مخیر شخص نے ایک پلاٹ دینے کا اعلان کر دیا۔ جنازے میں ہزاروں لوگ شریک ہوئے بعد میں اس کا مزار بنایا گیا۔ اب ہر سال اس کا عرس منایا جاتا ہے۔ قوالیاں ہوتی ہیں منتیں مانی جاتی ہیں۔ ایک بہت بڑی ریشمی چادر جسے معززین شہر اپنے سر پر اٹھا کر لاتے ہیں۔ مزار پر چڑھائی جاتی ہے۔ کئی برسوں بعد وہ ٹیلر ماسٹر مجھے کراچی میں ملا اس کی شکل و صورت سے عیاں تھا کہ وہ بہت خوش حال ہو گیا ہے۔ میں بھی ایک دفعہ وہ مزار دیکھنے گیا تو وہاں لوگوں کو اپنے حال میں مست دیکھا۔

☆☆☆☆

بلیک میلنگ

کسی زمانے میں میں نے بھی بجلی کے محکمے میں ملازمت کی۔ ایک روز دفتر میں بیٹھا تھا کہ چپڑاسی نے آکر بتایا کہ ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ میں باہر آکر عورت سے ملا۔ عورت نے بڑی بدتمیزی سے کہا تم ہی ہو ضیاء؟ میں نے کہا ضیا میں ہی ہوں مگر تم کون ہو کیا کام ہے مجھ سے۔ اس عورت کا انداز انتہائی جارحانہ تھا وہ بولی تم نے فلاں لڑکی سے خفیہ نکاح کر رکھا ہے اور تم اسے نہ خرچہ دیتے ہو نہ اپنے پاس رکھتے ہو۔ اُسے لیکر جاؤ ورنہ میں تمہارا حشر نشر کردوں گی۔ میں نے اس عورت کو دھتکار دیا وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی اور دوسرے روز وہ نوجوان

لڑکی اور اسکی والدہ کو لیکر آئی ان کے ہاتھ میں ایک جعلی نکاح نامہ بھی تھا۔ ان عورتوں نے آتے ہی ہنگامہ کھڑا کر دیا کچھ لوگوں نے ان کی حمایت بھی کی۔ میں نے ان کو بتایا کہ یہ عورتیں مجھے توبلیک میلر لگتی ہیں۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اس وقت تو وہ عورتیں وہاں سے چلی گئیں مگر کچھ روز بعد وہ میرے والد محترم کے پاس آئیں اور ان کو بتایا کہ آپ کے بیٹے نے ہماری بیٹی سے خفیہ نکاح کیا ہوا ہے۔ میں شام کو جب گھر پہنچا تو لبا جی گھر سے باہر بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے وہ مسجد میں لے گئے وضو کرنے کو کہا اور پھر میرے سر پر قرآن شریف رکھ کر کہا یہ بتاؤ تم نے فلاح لڑکی سے نکاح کیا ہوا ہے یا نہیں۔ میں نے کہا میں ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ دوسرے روز وہ عورتیں ایک پیر صاحب کے پاس پہنچیں جو لبا جی کے دوست تھے۔ پیر صاحب نے لبا جی سے شکایت کی۔ لبا جی نے ان کو بتا دیا کہ یہ واقع بالکل غلط ہے یہ عورتیں فراڈ ہیں۔

ہم لوگ ۱۹۶۵ء میں حیدر آباد شفٹ ہو گئے۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۸۵ء تک لاہور سے ایک شخص کا فون کبھی کبھار آتا رہا جو اپنے آپ کو اس لڑکی کا بھائی بتاتا تھا۔ میں نے اس کو بتایا کہ یہ عورتیں جھوٹ بولتی ہیں یہ مجھے بلیک میل کرنا چاہتی ہیں۔ ۱۹۸۵ء کے بعد پھر کوئی فون نہ آیا۔ میں آج تک اس سوچ میں ہوں کہ ان عورتوں کو اس حرکت سے کیا حاصل ہوا۔

☆☆☆☆

انگریزی کے استاد

وزیر آباد کے جس اسکول میں لبا جی پڑھاتے تھے میں بھی وہیں ایک طالبعلم تھا۔ جناب سی۔ ایس مارکس ہمیں انگریزی پڑھاتے تھے۔ بوڑھے آدمی تھے اور ہر موسم میں چیسٹر پہنے رہتے تھے۔ انکا مخاطب انگریزی سمجھتا ہو یا نہ وہ انگریزی ہی میں بات کرتے تھے۔ لبا جی سے اکثر میری شرارتوں کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ ایک روز مجھے کہنے لگے برسات پر مضمون لکھو۔ میں نے لکھا بارش ہوتی ہے سڑکوں پر پانی جمع ہو جاتا ہے بعد میں کیچڑ میں تبدیل ہو جاتا ہے لوگ پھسلتے ہیں تانگے اور یکے اس کیچڑ میں پھنس جاتے ہیں۔ چیخ کر بولے ارے کمبخت اسے

کہتے ہیں مضمون ؟ یہ کہہ کر ڈنڈا ہاتھ میں لئے میری طرف لپکے۔ میں آگے آگے اور وہ میرے پیچھے پیچھے۔ آخر مجھے بنچ پر گرا کر ڈنڈا اس طرح مارنے لگے جیسے برچھی یا نیزہ مارتے ہیں ۔میں وہاں سے سرک گیا اور ان کا پورا ہاتھ بنچ میں پھنس کر زخمی ہو گیا۔ ابا جی سے جا کر شکایت کی۔ ابا جی نے مجھے ڈانٹا۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ اب شرارت نہیں کروں گا۔ بہت خوش ہوئے اور ایک دفعہ اپنے گھر کی مجھ کو دعوت دی۔ اپنے بیوی بچوں سے میری ملاقات کرائی۔ میری شرارتیں دیکھ کر وہ کہا کرتے تھے قاسمی! میں مرتے وقت وصیت کروں گا کہ میری قبر کے پاس قاسمی کی قبر نہ ہو۔ مگر آخری دنوں میں وہ مجھے بہت چاہنے لگے۔

☆☆☆☆

سورۃ یٰسین

پاک لینڈ سیمنٹ کے عالمی مشاعرے میں ایک سامع لیٹ کر مشاعرہ سنتا رہا۔ صبح ٦ بجے خمار بارہ بنکوی اپنا کلام سنانے آئے۔ راقم نظامت کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ خمار صاحب سے کہا آپ ایسی غزل سنائیں کہ یہ لیٹا ہوا شخص اٹھ کر بیٹھ جائے۔ خمار صاحب نے کہا قاسمی صاحب! آپ غزل کی بات کر رہے ہیں میں تو اس کے لئے سورۃ یٰسین پڑھنے والا ہوں۔

☆☆☆☆

تین بار قل پڑھیے

حکیم محمد سعید صاحب کی کتاب "جاپان کہانی" کی تقریب رونمائی میں جناب کریم بخش خالد نے قل ہو اللہ کی تلاوت کی۔ ایک سامع نے بہ آواز بلند کہا تین بار قل شریف پڑھیے۔

☆☆☆☆

تماشائے اہل کرم

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے مکان پر محفل مشاعرہ کی نظامت کنور مہندر سنگھ بیدی کر رہے تھے۔ راقم نے یہ قطعہ پڑھا۔

جو ہم دیکھتے ہیں یہاں ہر صنم کو
جواباً ہمیں بھی صنم دیکھتے ہیں
ہمیں ان سے لینا لوانا نہیں کچھ
"تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں"

کنور صاحب نے کہا قاسمی صاحب! تیسرے مصرعے میں آپ کچھ جھوٹ بول گئے۔ اس مشاعرے میں امرتا پریتم اور انکے شوہر امروز بھی سامعین میں شامل تھے۔

☆☆☆☆

دلاور فگار اور مرغ مسلم

پاکستان ٹیلی وژن اسلام آباد کے مشاعرۂ طنز و مزاح کے سلسلے میں شعرا ایک ہوٹل میں مقیم تھے۔ دلاور فگار اور میں ایک کمرے میں تھے۔ ہم وہاں تین روز تک رہے۔ میں کھانا ہوٹل سے باہر جاکر ہی کھاتا تھا۔ دلاور فگار کھانا کھاکر بل پر دستخط مجھ سے کرالیتے تھے کیونکہ کمرہ میرے نام پر بک تھا۔ ہم جب چیک آؤٹ ہوئے تو 3775/= روپے کا کھانے کا بل بنا۔ پتہ چلا کہ دلاور فگار صاحب صبح وشام مرغ مسلم ہی تناول فرماتے رہے۔

☆☆☆☆

پاگل کو داد

دبئی کے عالمی مشاعرے میں پاگل عادل آبادی غزل سنا رہے تھے اور مشاعرہ لوٹ رہے تھے۔

جن کے ہاتھوں پہ ہے گھڑی سیکو
وہ نہیں جانتے بجا کیا ہے

راغب مراد آبادی کمپئرنگ کر رہے تھے انہوں نے برجستہ کہا۔

داد پاگل کو تم جو دیتے ہو
عقلمندو تمہیں ہوا کیا ہے

☆☆☆☆

حضرت موسیٰ کا مجسمہ

اوسلو (ناروے) میں میں اپنے احباب کے ساتھ سیر کو نکلا تو نیشنل لائبریری میں حضرت موسےٰ کا مجسمہ نصب ہوا دیکھا۔ فن کار نے ایسا کمال دکھایا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ فن کار نے اس کے نیچے لکھا ہے کہ ایک موسےٰ اللہ نے بنایا اور ایک موسےٰ میں نے بنایا۔ میرا بنایا ہوا موسےٰ اللہ کے بنائے ہوئے موسےٰ سے زیادہ اچھا ہے۔

؎ نقل کفر کفر نہ باشد

☆☆☆☆

بطخ اور اس کے بچے

اوسلو کے نیشنل گارڈن میں جہاں دو سو کے قریب عریاں مجسمے نصب ہیں وہاں ایک تالاب میں ایک بطخ رہتی ہے جو ہر موسم میں بچے دیتی ہے۔ بچے بڑے ہونے پر وہ ان کو پیدل بادشاہ کے محل کی طرف لیکر چلتی ہے مگر راستے میں یہ بچے ٹریفک کی نظر ہو جاتے ہیں۔ اخبارات نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ بطخ کے بچوں کی حفاظت کی جائے۔ اب وہاں کی پولیس بطخ اور اس کے بچوں کو بحفاظت بادشاہ کے محل تک پہنچا کر آتی ہے۔ بچے جب اپنی ماں کی سربراہی میں قافلے کی شکل میں سڑک پر چلتے ہیں تو پولیس ہر چوراہے پر ٹریفک روک کر ان کے گذرنے کا راستہ بناتی ہے

☆☆☆☆

رئیس امروہوی اور جنرل محمد ضیاء الحق

رئیس صاحب کی خدمت میں میں حاضر ہوا کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے مجھے اشارے سے کہا مجھے بتائے بغیر نہ جانا۔ لوگ آتے گئے اور جاتے گئے مگر بات کرنے کا وقت نہ ملا۔ مجھے دوسرے کمرے میں لے گئے اور اپنے قطعات کے مجموعے جو پانچ جلدوں پر مشتمل تھے مجھے دیئے اور کہا یہ بنڈل تمہارے لئے ہے اور دوسرا بنڈل جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کیلئے ہے ان تک پہنچانا تمہارا کام ہے۔ جو بنڈل جنرل صاحب کیلئے تھا اس پر انہوں نے ان کے نام کے ساتھ فضیلت مآب لکھا تھا اور میرے نام کے ساتھ پیارے ضیاء الحق قاسمی۔

☆☆☆☆

رئیس امروہوی کے قتل کی پیشنگوئی

۲۱ دہشت گرد آپ کو گولی کا نشانہ بنا سکتا ہے۔ رئیس صاحب میری یہ بات سن کر پریشان ہو گئے اور فرمایا قاسمی! کیا تمہارا رابطہ اللہ تعالیٰ سے ہے جو تم میرے قتل کی خبر دے رہے ہو۔

میں نے کہا نہیں ایسا نہیں ہے شہر کے حالات اتنے مخدوش ہیں کہ کچھ دہشت گرد چند بڑے لوگوں کو بلا سبب قتل کر کے افرا تفری پھیلانا چاہتے ہیں۔ رئیس صاحب نے کہا میرا شمار تو بڑے لوگوں میں نہیں ہو تا وہ مجھے کیوں قتل کریں گے۔ میں نے کہا آپ یقیناً بڑے آدمی ہیں۔ انہوں نے کہا کمرہ تبدیل کرنا تو مشکل ہے کوئی اور صورت نکالو۔ میں نے کہا ایک چوکیدار کا انتظام کریں۔ کہنے لگے چوکیدار کو تنخواہ کون دیگا میں نے کہا میں دونگا۔ کہنے لگے بکواس کرتے ہو۔ تم نے تو مجھے پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ ٹھیک ایک ماہ بعد کسی بے ضمیر دہشت گرد نے اس معصوم انسان کو اسی جگہ گولی کا نشانہ بنایا جس کی میں نے نشاندہی کی تھی۔

☆☆☆☆

میرا نام مولانا اشرف علی تھانوی نے رکھا

کئی بہنوں کے بعد میں پیدا ہوا تو اباجی نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کو خط لکھا کہ میرے ہاں پہلا بیٹا پیدا ہوا ہے آپ اس کا نام تجویز فرمائیں۔ تو مولانا نے جواب میں لکھا اس بچے کا نام ضیاء الحق رکھیں جو آپ کے نام بہاء الحق کا ہم وزن ہے۔

☆☆☆☆

نہاؤ بے حجابانہ نہاؤ

جناب برگ یوسفی ایک مشاعرے میں اپنی یہ غزل پڑھ رہے تھے۔

نہ آؤ بے حجابانہ نہ آؤ
مری آنکھوں میں بینائی نہیں ہے

میں اس مشاعرے کی کمپیرنگ کر رہا تھا۔ میں نے کہا برگ صاحب میرے دوست ہیں میرا ان کو مشورہ ہے کہ وہ پہلے مصرعے کو یوں بدل لیں۔

نہاؤ بے حجابانہ نہاؤ

برگ صاحب برا مان گئے۔ میں نے ان کو بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے۔

قطر ہوٹل میں ٹیلیفون کا بل

جناب رشید نیاز ہمارے دوست ہیں۔ انہوں نے قطر کے مشاعرے کی دعوت دی۔ ایک ہوٹل میں قیام رہا۔ ہمیں وہاں سے پاکستان فون کرنے کی اجازت تھی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے صرف دو فون کالیں کیں۔ مگر جب ہوٹل چھوڑا تو ہزاروں روپے کا بل بنا کر ہمارے سامنے رکھ دیا گیا۔ ہماری فلائٹ تیار تھی۔ اتنی دیر میں رشید نیاز آ گئے۔ ان کو یہ بات بتائی گئی۔ وہ بیچارے خاموش رہے میں بھی کیا کر سکتا تھا۔

اس کے بعد میں اتنا محتاط ہو گیا کہ بیرونی کال تو کجا مقامی کال سے بھی گریز کرتا ہوں۔

☆☆☆☆

سلیم احمد کے آخری ایام

نسیم حجازی کے تاریخی ناول کی ڈرامائی تشکیل اسد محمد خان اور جناب سلیم احمد (سلیم بھائی) کی کاوشوں کا نتیجہ تھی اس کے پروڈیوسر محسن علی تھے۔ ٹی وی کیلئے اس ڈرامے میں میرا عیسائی گورنر کا کردار تھا۔ ایک روز میں جناب سلیم احمد سے انکے گھر واقع انچولی ملنے گیا تو وہ لحاف اوڑھے تکیے پر کتاب رکھے مطالعہ میں مصروف تھے۔ علیک سلیک کے بعد میں صوفے پر بیٹھ گیا چند ہی منٹ میں سلیم بھائی خراٹے لینے لگے۔ ان کے گھر سے ایک بچی خراٹوں کی آواز سن کر یہ سمجھی کہ کمرے میں دوسرا کوئی نہیں ہو گا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی مجھے بیٹھے دیکھا تو واپس صحن میں یہ کہتے ہوئے بھاگی۔ امی کمرے میں ایک صاحب بیٹھے ہیں اور ابو سو رہے ہیں۔ میں اٹھ کر آ گیا۔ اس کے بعد ریڈیو پاکستان کراچی میں جناب قمر جمیل کے ساتھ ان سے کئی ملاقاتیں رہیں۔ کبھی کمرے میں کبھی کینٹین میں۔ وہ گفتگو بھی کرتے رہتے اور دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو رگڑتے ہوئے ہلتے بھی رہتے۔ بے چینی اور بے قراری ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ یہ دیکھتے ہوئے میں نے ایک روز قمر جمیل صاحب سے کہا مجھے ایسا لگتا ہے کہ سلیم بھائی

زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکتے۔ انہوں نے پوچھا تم نے کس بات سے یہ اندازہ لگایا۔ میں نے کہا ان کی بے چین طبیعت سے۔ آخر وہی ہوا سلیم بھائی چندروز بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔

☆☆☆☆

ماہتابی ...... آفتابی مشاعرہ

کراچی کے ساحل سمندر پر میں نے آفتابی اور ماہتابی مشاعرے منعقد کئے۔ ماہتابی مشاعرے میں بھارت سے شمیم جے پوری بھی شریک تھے۔ چودھویں کی چاندنی رات میں مشاعرہ برپا ہوا۔ سمندر دھاڑ رہا تھا اور شعرا چنگھاڑ رہے تھے۔ سمندر کئی دریاں اور گاؤ تکیے بہا کر لے گیا۔ دو شاعرات بھی ساتھ ہی جا رہی تھیں۔ بڑی مشکل سے بوڑھے سمندر کو سمجھا بجھا کر راضی کیا۔ ایک سامع کی فرمائش تھی کہ شمیم صاحب اپنا فلمی گیت "مجھ کو اس رات کی تنہائی میں آواز نہ دو" ترنم سے سنائیں مگر شمیم صاحب نے ان کی فرمائش پوری نہ کی۔ دلاور فگار صاحب نے مزاحیہ غزل سنائی۔

ضیاء الحق تم ہی نے کر دیا غرقاب ہم سب کو
نہ تم ساحل پہ ہوتے اور نہ کشتی ڈوبتی اپنی
سمندر پر غزل پڑھنے کو شاعر آگئے ہیں اب
سمندر کو دکھانا چاہئیے دریا دلی اپنی

☆☆☆☆

کمر میں چک

میری کمر میں چک آگئی شدید درد تھا جناب خالد عرفان نے اس پر ایک نظم لکھی۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کمر میں چک جو آئی ہے ضیاء کی
یہ چک درد مسلسل ہو گئی ہے
اُٹھایا اس قدر بار ظرافت
کمر بھی زلف کا بل ہو گئی ہے
دواؤں کی تجارت کرتے کرتے
خود ان کی بھی کمر ۔شل ہو گئی ہے

جواب آں غزل کے طور پر چند اشعار میں نے بھی کہے۔

کہا ہے خالد عرفان نے یہ
کمر میری شل ہو گئی ہے
نہیں بھائی نہیں ایسا نہیں ہے
گناہوں سے یہ بوجھل ہو گئی ہے

☆☆☆☆

ضیائے حق

جنرل محمد ضیاء الحق ایک شریف النفس حکمران تھے میں نے سو شعراء سے ان کی تعریف میں نظمیں لکھوا کر کتابی شکل میں "ضیائے حق" کے عنوان سے شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ لیفٹیننٹ جنرل مجیب الرحمٰن جو اس وقت سیکرٹری اطلاعات و نشریات تھے اور راجہ ظفر الحق کو جو وزیر اطلاعات و نشریات تھے کتاب کا مسودہ دکھایا۔ دونوں حضرات نے کہا کہ کتاب ضرور شائع کریں مگر جنرل محمد ضیاء الحق اپنی تعریف پسند نہیں کرتے خیر کتاب شائع ہو گئی۔ میں نے کتاب کا ایک نسخہ جنرل محمد ضیاء الحق کو ارسال کر دیا جس کا کوئی جواب نہ آیا حالانکہ جنرل صاحب کئی بار مجھے ذاتی طور پر خط لکھ چکے تھے۔ کچھ عرصہ بعد اسلام آباد میں اہلِ قلم کانفرنس منعقد ہوئی۔ وہاں جناب غلام اسحٰق خان صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے مجھ سے پوچھا کیا

آپ نے یہ کتاب جنرل صاحب کو بھیجی تھی میں نے کہاہاں بھیجی تھی مگر رسید نہیں ملی۔
غلام اسحٰق خان صاحب نے کہا سامنے جنرل صاحب کھڑے ہیں ان کو آپ خود ایک نسخہ پیش کریں میں نے کہا یہ مناسب نہ ہوگا کیونکہ ایک نسخہ پہلے ہی میں انکو ارسال کر چکا ہوں غلام اسحٰق خان صاحب میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے جنرل صاحب کے پاس لے گئے جنرل صاحب نے کتاب میرے ہاتھ میں دیکھ لی اور مجھ سے کہا قاسمی صاحب! آپ کی کتاب مجھے مل چکی ہے ۔آپ نے یہ اچھا کام نہیں کیا آپ اس کی بجائے میرے رسول کی نعت شائع کرتے تو مجھے خوشی ہوتی میں ایک گنہگار انسان ہوں اور اس تعریف کا مستحق نہیں ہوں۔ یہ سن کر میں سکڑ گیا اور وہیں اُلٹے پاؤں پلٹ گیا۔

☆☆☆☆

قتیل شفائی اور جنرل ضیاء الحق

اہلِ قلم کانفرنس میں جنرل محمد ضیاء الحق افتتاحی تقریر کر رہے تھے قتیل شفائی میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے تھے اور جنرل صاحب کو بے نقط سنا رہے تھے۔ میں نے منع کیا مگر وہ باز نہ آئے کھانے کے پنڈال میں لوگ باری باری جنرل صاحب سے ہاتھ ملا رہے تھے وہاں میں نے دیکھا کہ وہی قتیل شفائی صاحب جو کچھ دیر پہلے جنرل صاحب کو گالیاں دے رہے تھے انکے سامنے جھک کر سلام کر رہے تھے۔ جنرل صاحب نے قتیل صاحب سے پوچھا میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں قتیل صاحب نے کہا میں آپ کو آپ کے دفتر میں ملنا چاہتا ہوں جنرل صاحب نے کہا آج رات کو ہوٹل سے ایوانِ صدر کی گاڑی آکر آپ کو لے جائیگی۔ طفیل ہوشیار پوری کی خواہش پر انکے لئے نو بجے گاڑی آئیگی۔ ضیاء الحق صاحب سے ملکر رات کو جب یہ دونوں حضرات واپس آئے تو طفیل ہوشیاری نے مجھے بتایا کہ ضیاء الحق صاحب نے انکی بیٹی کی شادی کیلئے سونے کے زیورات کے سیٹ دیئے ہیں مگر قتیل صاحب نے کچھ نہ بتایا مگر ضیاء صاحب کے انتقال کے بعد انہوں نے ضیاء صاحب پر کئی الزامات لگائے ان کو بلیک میلر بھی کہا۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہِ راجعوُن!

☆☆☆☆

قتیل شفائی اور میڈم نور جہاں

امریکہ کے ایک ریڈیو اسٹیشن کے اردو پروگرام کے لئے میں قتیل صاحب کا انٹرویو کرنے ان کی قیام گاہ پر گیا۔ ان کے بعد مجھے میڈم نور جہاں کا انٹرویو کرنا تھا۔ قتیل صاحب نے بتایا کہ ان کا سن پیدائش ۱۹۱۹ ہے اور میڈم نور جہاں کا بھی ۱۹۱۹ ہے مگر قتیل صاحب نے مجھ سے کہا کہ یہ بات نور جہاں سے نہ کہیں ورنہ وہ ناراض ہو جائیں گی۔

☆☆☆☆

سالگرہ۔ مشاعرہ۔ کیک

نیو کراچی کے ایک مشاعرے میں راغب مراد آبادی، نجمہ خان، اعجاز رحمانی، دوسرے کئی شعراء اور میں مشاعرہ گاہ میں پہنچے تو اسٹیج پر خواتین اور بچوں کا قبضہ تھا۔ بچیاں ڈھولک بجا رہی تھیں سالگرہ کا کیک ایک تلوار سے کاٹا گیا۔ اسٹیج پر مشاعرہ کی بجائے سالگرہ کا بینر آویزاں تھا۔ ہم دوسرے شامیانے میں بیٹھ گئے۔ عورتوں نے سالگرہ کے گیت گانا شروع کئے۔ ہم نے میزبان سے پوچھا آپ نے تو کہا تھا کہ آج مشاعرہ ہے؟

وہ بولے مشاعرہ بھی ہے سالگرہ کی رسومات ختم ہونے پر مشاعرہ شروع ہوگا۔ یہ تقریب دو گھنٹے بعد ختم ہوگی۔ تمام شعراء پنڈال سے اُٹھ کر واپس چلے گئے اس پر مجھے دلاور فگار کا ایک قطعہ یاد آیا۔

غلط فہمی ہے شاعر کی اگر اس کو یہ دعوی ہے
کہ اہلِ ذوق فنکاروں کا استقبال کرتے ہیں
حقیقت صرف اتنی ہے کہ ہر شاعر کو اہلِ دل
بطور آلۂ تفریح استعمال کرتے ہیں

☆☆☆☆

زبانیں چاٹ جائیں گی

اہلِ قلم کانفرنس اسلام آباد میں احمد فراز میرے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے اور بڑے غور سے تقریریں سن رہے تھے کوئی اردو زبان کے حق میں بولا کوئی سندھی کی وکالت کرنے لگا اور کوئی پشتو کی۔ احمد فراز اپنی سیٹ سے اُٹھے اور بلند آواز کہا یہ زبانیں تمہیں چاٹ جائیں گی۔

☆☆☆☆

ملہوترہ کے کتے

انبالہ کے مشاعرے میں شرکت کیلئے منیر نیازی' تنویر سپرا' ڈاکٹر سعادت سعید اور دوسرے کئی شعراء بذریعہ سمجھوتہ ٹرین رات ۲ بجے انبالہ پہنچے تو منتظمین مشاعرہ میں سے کوئی بھی استقبال کے لئے اسٹیشن پر موجود نہ تھا۔ ہم سب پریشان تھے کہ اتنی رات گئے ہم کہاں جائیں ۔ملہوترہ صاحب کے بارے میں مختلف لوگوں سے پوچھا مگر کوئی نہ بتاسکا ہم نے سب حوالے گنوادئے مگر بات نہ بنی ایک حوالہ اور دیا جو کامیاب رہا۔ ہم نے کہا وہ ملہوترہ صاحب جنہوں نے بڑے بڑے کتے پال رکھے ہیں۔ ایک نوجوان نے کہا مہاراج آپ نے خوامخواہ اتنا وقت ضائع کیا انبالہ کے لوگ ملہوترہ صاحب کو کتوں ہی کے حوالے سے پہچانتے ہیں۔ ہم تانگوں میں سوار ہو کر ۴ بجے ملہوترہ صاحب کے بنگلہ پر پہنچے۔ دروازہ پر کال بیل نہیں تھی۔ بہت آوازیں دیں مگر کون سنتا ہے۔ یہ بھی خوف تھا کہ ملہوترہ صاحب کے بڑے بڑے کتے کہیں ہمارا استقبال نہ کریں۔ ایک نوجوان بڑا جی دار تھا وہ بنگلے کے اندر کود گیا۔ کتے بنگلے کے عقب میں بندھے ہوئے تھے۔ نوجوان نے برآمدے میں لگی کال بیل دبا دی۔ ملہوترہ صاحب باہر آئے۔ معذرت کرنے لگے کہ آپ لوگوں کے آنے کی کوئی اطلاع ہی نہیں تھی۔ اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہنے لگے جناب! میں نے تو زندگی میں صرف دو سے محبت کی ہے شاعروں

سے اور کتوں سے۔اس جملے پر بھی انکو معذرت کرتے سنا گیا۔کتوں کے علاوہ ملھوترہ صاحب کے دو حوالے اور بھی ہیں وہ تاجر ہیں اور شام بہار ٹرسٹ انبالہ کے مشاعرے کے آرگنائزر ہیں مگر انبالہ والے نہ جانے ان حوالوں سے کیوں بے خبر ہیں۔

☆☆☆☆

سی۔ڈی آنند

اٹاری ریلوے اسٹیشن پر کسٹم کے ایک افسر سی۔ڈی آنند سے جو جموں کے رہنے والے ہیں اور مرہٹہ ہیں ملاقات ہوئی۔شعروسخن کے دلدادہ اور شعراء کے چاہنے والے پاکستانی شعراء کی بڑی عزت کرتے ہیں۔انہوں نے اٹاری اسٹیشن پر ہمارا بڑا خیال رکھا۔اٹاری اسٹیشن پر کئی گھنٹوں تک رکنا پڑتا ہے آنند صاحب نے ہمیں کئی دلچسپ واقعات سنائے ایک واقع آپ بھی سنئے۔

آنند صاحب نے بتایا کہ وہ گھر پر نہیں تھے انکے ایک ملنے والے آئے تو ان کی چھوٹی بیٹی نے ان کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔انہوں نے پوچھا بیٹی یہ بتاؤ سی۔ڈی کس کا مخفف ہے تو بچی نے کہا سی فار کیٹ ڈی فار ڈاگ۔

☆☆☆☆

شیر سنگھ اسٹیشن ماسٹر

اٹاری کے اسٹیشن ماسٹر شیر سنگھ صاحب بھی بڑے صاحب ذوق ہیں۔شعراء کی خاطر مدارات کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھار کھتے۔شیر سنگھ ہمیں اپنے کمرے میں لے گئے۔بیسن کی روٹی خالص مکھن اور لسّی سے ہماری تواضع کی۔سکھوں کے لطیفے سنتے بھی ہیں اور سناتے بھی ہیں۔شعری ذوق بڑا اچھا ہے۔ان کو بے شمار اشعار یاد ہیں۔ہمارا ماہنامہ "ظرافت" بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ان کا نام سکھوں والا ہے مگر داڑھی سر کے بال اور پگڑی ہم نے نہیں دیکھی۔

☆☆☆☆

فراڈ پیر

لاہور میں قیام کے دوران لاہوری دروازے کے اندر کے علاقے میں مقیم اپنی ایک رشتہ دار کے ہاں میرا جانا ہوا۔ایک موٹا تازہ شخص ایک کمرے میں بیٹھا دیکھا اس کے گرد محلے کی خواتین کا جھرمٹ تھا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ بہت بڑا پیر ہے۔اس نے میرے سامنے پانی کا ایک گلاس منگوایا اس میں سے ایک گھونٹ پی کر باقی خواتین کو دے دیا کہ دیکھیں میں نے پانی میٹھا بنا دیا ہے میں نے بھی چکھا واقعی شہد کی طرح میٹھا ہو گیا تھا۔عورتیں یہ ''کرامت'' دیکھ کر سبحان اللہ سبحان اللہ کا ورد کرنے لگیں۔میں نے ان سے کہا یہ شخص فراڈ ہے اس نے اپنی انگلی پر لگا سکرین اس پانی میں ملا کر اس کو میٹھا بنایا ہے۔میری یہ بات سن کر وہ ''پیر'' آگ بگولا ہو گیا اور مجھ پر چیخنے لگا کہ تم ملنگوں کی توہین کر رہے ہو ہم تمہیں تباہ و برباد کر دیں گے وہ ہاتھ سے میری طرف جادو پھونکنے کے انداز میں عجب عجب حرکتیں کرنے لگا عورتیں ڈر گئیں کہ یہ ابھی تباہ کر دیگا عورتوں نے ہاتھ جوڑ کر مجھے کہا کہ یہاں سے آپ چلے جائیں یہ بڑے پہنچے ہوئے پیر ہیں کچھ بھی کر سکتے ہیں۔میں نے پیر کی بغل میں دبا ڈنڈا کھینچا اور اس کی کمر پر زوردار طریقے سے رسید کر دیا وہ چیخا اور ایسا بھاگا کہ اس نے پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کیا۔عورتوں نے مجھ سے کہا کہ آپ نے ان کو مار کر اچھا نہیں کیا وہ آپ سے انتقام لیں گے۔اس واقعہ کو ۴۰۔۵۰ برس گزر گئے مگر وہ آج تک کچھ نہ کر سکا۔

☆☆☆☆

موٹر وے اور بوڑھا انگریز

حضرت شاہ اور وحید صاحب ہمارے دوست ہیں اور ایک طویل عرصے سے برطانیہ میں رہتے ہیں انہوں نے برطانیہ آنے کی دعوت دی اور ٹکٹ بھیج دیا۔میں ایروفلوٹ میں ماسکو سے ہوتا ہوا مانچسٹر پہنچا تو حضرت شاہ مجھے ائیرپورٹ پر لینے آئے ہوئے تھے بارش ہو رہی تھی ہم کار

میں بیٹھ کر مانچسٹر سے بریڈ فورڈ کی طرف روانہ ہوئے۔ موٹروے پر گاڑی بھاگ رہی تھی کہ راستے میں ایک پرانی طرز کا مکان نظر آیا۔ حضرت شاہ نے بتایا کہ یہ ایک بوڑھے انگریز کا مکان ہے حکومت نے اس بوڑھے کو بہت بڑی رقم اس کے مکان کے عوض آفر کی مگر وہ نہ مانا مقدمہ چلتا رہا آخر سپریم کورٹ نے بوڑھے کے حق میں فیصلہ دیا اور حکومت کو حکم دیا کہ موٹر وے کا رخ موڑیں اس بوڑھے کو وہ تمام مراعات اور سہولتیں بہم پہنچائی جائیں جو ہر شہری کا حق ہے۔ بوڑھا جیت گیا مکان آج بھی سر بلند کئے کھڑا ہے۔

☆☆☆☆

شیرِ پنجاب ریسٹورینٹ

ہڈرز فیلڈ میں حضرت شاہ کا شیرِ پنجاب ریسٹورینٹ ہے مجھے وہ وہاں لے گئے میں نے کچھ انگریزوں کو مرچوں والے کھانے کھاتے دیکھا۔ حضرت شاہ سے کہا تم نے انگریزوں کو مرچیں کھانے کی خوب لت ڈالی ہے۔ کہنے لگا اس انگریز نے ہمیں دو سو سال تک مرچیں لگائیں میں اس کا انتقام لے رہا ہوں رات حضرت شاہ اور وحید صاحب نے مجھے ایک مکان کے کمرے میں چھوڑ دیا اور کہا کہ ہم آپ کے لئے کھانا وغیرہ لے کر آتے ہیں مگر رات بھر کوئی نہ آیا کھانا کھائے بغیر رات گذری صبح ۱۰ بجے تک بھی کوئی نہ آیا تو بھوک نے تنگ کیا میں چل کر ساتھ والے مکان پر گیا اندر سے ایک پاکستانی عورت نکلی اس سے حضرت شاہ اور وحید صاحب کا پتہ اور فون نمبر پوچھا وہ لوگ اس مکان کے بھی مالک مکان تھے جہاں میں ٹھہرا تھا ۔اس عورت نے مجھے ناشتہ کرایا اور کہا جب تک آپ یہاں ہیں کھانا اور ناشتہ ہم بھیجیں گے ۔وحید صاحب کو فون کیا تو آئے اور معذرت کرنے لگے۔ میں جتنے روز وہاں رہا سخت پریشانی کی حالت میں رہا۔ واپسی پر میں حضرت شاہ کو اپنی چند کتابیں دے آیا تاکہ فروخت کردیں اور مجھے کچھ رقم مل جائے کتابوں کی کل رقم ۴ ہزار روپے بنتی تھی مگر انہوں نے نہ کتابیں واپس کیں اور نہ رقم۔ انہوں نے کئی مشاعروں اور ادبی تقریبات کی نوید سنائی تھی مگر کچھ بھی

نہ ہوا۔ محمد علی صدیقی صاحب پاکستانی ایمبیسی میں اعلی افسر میرے عزیز بھی ہوتے ہیں خود بھی صاحبِ دیوان شاعر ہیں انہوں نے میرے اعزاز میں ایک شعری نشست کا اہتمام کیا اور بیرونِ شہر ا خوبصورت مقام کاوَاینڈ کاف پر پکنک کے لئے گئے۔ کاوَاینڈ کاف دو پہاڑ ہیں جو ز اور گائے کی شکل کے ہیں۔ میں لندن چلا گیا جہاں بلبل کاشمیری اور عبدالرحمٰن بزمی نے میری بڑی پذیرائی کی میں ان کا شکر گزار ہوں۔

☆☆☆☆

ایسی مائیں بھی ہوتی ہیں

یہ بات ۱۹۴۶ کی ہے میں امرتسر سے اپنی بڑی بہن سے ملنے کھیم کرن گیا انکے جیٹھ کا بیٹا عبدالشکور میرا ہم عمر تھا اس کی والدہ نے کہا چکی پر جاؤ اور گندم پسوا کر لے آؤ میں اور شکور دونوں سائیکل پر گئے چکی کے مالک نے گندم کا وزن ۱۰ اسیر لکھا ہم چلے آئے جب دوبارہ واپس آئے تو چکی کا مالک کہیں گیا ہوا تھا۔ شکور کو شرارت سوجھی اور اس نے رجسٹر میں ۱۰ اسیر کی جگہ ۱۵ اسیر لکھ دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد چکی کا مالک آیا تو اس نے آٹا تولا جو بہت کم نکلا وہ پریشان تو ہوا مگر کیا کرتا اس نے آٹا پورا کر کے دیا ہم لیکر گھر پہنچے تو شکور نے اپنی والدہ کو قصہ بتایا اس کی والدہ سخت ناراض ہوئیں اور کہا اب یہ آٹا چکی والے کو واپس کر کے آؤ اور اس سے معافی مانگو۔ شکور نے کہا مجھے جاتے ہوئے شرم آتی ہے کسی اور کو بھیج دیں اسکی والدہ نے کہا نہیں جرم تم نے کیا ہے تم ہی جاؤ گے۔ آخر ہم دونوں گئے اور چکی والے سے معافی مانگی۔

☆☆☆☆

اسپانسر بھاگ گیا

دیال داس کلب حیدر آباد میں میں نے ایک کل پاکستان مشاعرے کا اہتمام کیا ایک سیٹھ صاحب نے کہا شعراء کو جو نقد نذرانہ پیش کرنا ہوگا وہ میں ادا کرونگا اس زمانے میں یہ رقم ۲۰

ہزار روپے بنتی تھی۔میں نے مشاعرے والے دن انکو فون کیا کہ آج مشاعرہ ہے یہ رقم ساتھ لیکر آئیں۔انہوں نے کہاہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے آپ فکر نہ کریں۔رات گزر گئی مگر وہ نہ آئے۔میں رات بھر مشاعرہ گاہ سے نکل کر انکو فون کرتا رہا سیکرٹری جواب میں کہتا رہا وہ ابھی پہنچ رہے ہیں۔آخر رات ۲ بجے میں نے چند دوستوں سے مشاعرہ گاہ ہی میں یہ رقم اکھٹا کی اور شعراء کو پیش کردی۔سیٹھ صاحب اس کے بعد سے آج تک نہ ملے۔

☆☆☆☆

لائوڈ سپیکر اور گھوڑا

لاہور میں ہر سال بہت بڑا جلسہ منعقد ہوتا تھا میں تانگے پر لاوڈ سپیکر پر پورے شہر میں اس جلسے کا اعلان کرتا تھا۔میں تانگے کی اگلی سیٹ پر مائیک ہاتھ میں لئے بولتا۔تانگے کا گھوڑا تبخیر معدہ کا مریض تھا۔میں گھوڑے کی باربار کی حرکت سے تنگ تو تھا مگر کیا کرتا ایک فریضہ میرے سپرد تھا۔گھوڑا جب یہ حرکت کرتا میں مائیک اس کی دم کے پاس لے جاتا اور اس کا پورا والیوم کھول دیتا۔تانگے والا شروع میں تو اس شرارت پر خوش ہوا اور قہقہے لگائے بعد ازاں بولا بابو جی میرا گھوڑا تو گیس کا مریض ہے مگر آپ کو کیا ہوا۔

☆☆☆☆

ثروت حسین

ثروت حسین باکمال شاعر تھے حیدر آباد میں بھی وہ میرے گھر کے قریب رہے اور کراچی میں بھی۔ایک روز سنا کہ ٹرین کے نیچے آکر ان کے دونوں پیر کٹ گئے ہیں مگر وہ روبصحت ہیں ۔میں اور ڈاکٹر جمال ان سے ملنے ان کے گھر گئے ۔وہ خود چل کر ڈرائنگ روم میں آئے ڈاکٹروں نے کٹے ہوئے پیروں پر ربڑ کے بوٹ چڑھادئے تھے۔میں نے پوچھابھائی! یہ حادثہ کیسے ہوا؟ تو کہنے لگے بس اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا ٹرانس کی کیفیت طاری ہوئی پھر مجھے پتہ نہ چلا کہ میں گاڑی سے ٹکرایا یا گاڑی مجھ سے ٹکرائی۔صحتیابی کے بعد وہ کالج بھی جاتے

رہے مگر پھر کچھ عرصے بعد خبر آئی کہ ثروت حسین ریل کے نیچے کٹ کر ٹرانس کیفیت سے چھٹکارا پا گئے

دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

☆☆☆☆

تنویر سپرا کی شاعری

جہلم کے ایک محلے مجاہد آباد کا رہنے والا یہ مزدور شاعر دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے شاعری کی ایک کہکشاں چھوڑ گیا۔ میں اس کی زیارت کے لئے جہلم گیا۔ یہ نحیف ونزار چارپائی پہ بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ بڑی محبت سے ملا اور اپنا شعری مجموعہ "لفظ کھردرے" مجھے دیا۔ وہ پاکستان تمباکو کمپنی میں آئل کین سے مشینوں کو تیل دیتا تھا۔ اس پر اس کا ایک شعر ملاحظہ کیجئے۔

سپرا اس کی آج بھی خوشبو مل مالک لے جاتا ہے
میں لوہے کی ناف سے پیدا جو کستوری کرتا ہوں

ایک شعر تو وہ ایسا کہہ گیا جس کی گونج دنیائے ادب میں سنی جا سکتی ہے۔

اے رات مجھے ماں کی طرح گود میں لے لے
دن بھر کی مشقت سے بدن ٹوٹ رہا ہے

میں نے اُسے خط لکھا کہ پاسپورٹ کی کاپی بھیج دو دوبئی کے عالمی مشاعرے میں چلنا ہے اس نے جواب میں لکھا قاسمی بھائی! میں تو اپنی زندگی کے آخری دن گن رہا ہوں کیسا مشاعرہ کیسا دبئی۔ اس خط کے ایک ہفتہ بعد خبر آئی کہ یہ جاندار شاعر جان ہار گیا چلتے چلتے اس کا یہ شعر بھی دیکھیں

سینے سے لگا کر مجھے اس زور سے بھینچو
شیشے کی طرح چھن سے چٹخ جائے مرا جسم

☆☆☆☆

موٹر سائیکل کی لاٹری

میں جس زمانے میں بجلی کے محکمہ میں ملازمت کرتا تھا میں نے ایک چھوٹی موٹر سائیکل خریدی جس کا نام quickly تھا۔ایک ماہ بعد ایک مکینک کو سروس کے لئے دی۔اس کے شاگرد نے بے دردی سے چلائی اور اس کے گیئر توڑ دیئے۔مرمت تو ہو گئی مگر موٹر سائیکل جی سے اُتر گئی۔بکنا مشکل تھی دوستوں نے مشورہ دیا کہ اس کی لاٹری کا اعلان کرو۔لوگوں نے لاٹری کے ٹکٹ خریدے۔قرعہ اندازی میں اچھرہ کے رہنے والے ایک شخص کا نام نکل آیا۔اس کو موٹر سائیکل دے دی گئی بعد میں پتہ چلا کہ وہ اسی موٹر سائیکل کو چلاتے ہوئے حادثے کا شکار ہو گیا اس خبر سے مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ آج تک اسے نہ بھول سکا۔

☆☆☆☆

واجدہ تبسم سے ملاقات

بمبئی کی ایک تقریب میں محترمہ واجدہ تبسم سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا کہ کل رات کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ۔سو میں، مخمور سعیدی اور امیر قزلباش ان کے گھر پہنچ گئے۔واجدہ تبسم اس وقت غسلخانے میں بیٹھ کر کپڑے دھو رہی تھیں۔ہماری خبر سنتے ہی بھیگے کپڑوں ہی میں وہ ڈرائینگ روم میں آکر ہمیں ملیں اور چند لمحوں کی رخصت چاہی۔ان کے شوہر اور وہ ہمارے ساتھ بیٹھے ہمارے ساتھ باتیں کرتے رہے۔مخمور سعیدی صاحب نے کوٹ کی جیب میں سے بوتل نکالی اور میڈم سے کہا دو گلاس پانی منگوا دیجئے۔میڈم نے کہا بھائی! یہ سلسلہ یہاں نہیں چلے گا۔یہاں اس گھر میں قرآن کی تلاوت ہوتی ہے نمازیں پڑھی جاتیں ہیں ۔مخمور سعیدی صاحب نے معذرت کی اور بوتل واپس جیب میں ڈال لی۔رات بارہ بجے تک ہم باتیں کرتے رہے۔جب ہم اپنی گاڑی میں بیٹھنے لگے تو میڈم نے کوئی دعا پڑھ کر ہم پر پھونکی ۔میں نے پوچھا تو بولیں کہ جب میرا کوئی مہمان رخصت ہونے لگتا ہے تو میں اس کے لئے

عافیت کی دعا کرتی ہوں۔

میڈم نے مجھے اپنی کتابیں بھی دیں اور ان پر لکھا ضیاء الحق قاسمی کے ساتھ گذرے ہوئے چند لمحات زندگی بھر یاد رہیں گے۔

☆☆☆☆

عصمت چغتائی

روزنامہ انقلاب کے مشاعرے میں شرکت کے لئے چند پاکستانی شعراء بمبئی میں تھے خیال آیا کہ محترمہ عصمت چغتائی سے ملاقات کی جائے۔ سو میں اور محترمہ گلنار آفرین ایک ٹیکسی میں انکے علاقے میں پہنچے مگر ان کا گھر ڈھونڈتے ڈھونڈتے دو گھنٹے صرف ہوگئے۔ محترمہ کے فلیٹ میں داخل ہوئے تو وہ ایک تخت پر بیٹھی چھالیہ کاٹ رہی تھیں۔ سامنے انکے شوہر کی ایک بڑی تصویر آویزاں تھی۔ ہم سے مل کر بہت خوش ہوئیں ان کو گلہ تھا کہ لوگ ان کو بھول گئے ہیں۔ اپنی جوانی کے قصے سنانے لگیں۔ انہوں نے بتایا کہ کسی زمانے وہ برقعہ بھی اُوڑھتی تھیں برقع ترک کیا۔ جوانی میں وہ اتنی شوخ وطرار تھیں کہ لڑکے کوئی شرارت کرنے سے پہلے سوچتے تھے۔ ایک لڑکے نے ریلوے پلیٹ فارم پر ان کی چٹکی لی۔ میڈم نے ایک زوردار تھپڑ ایسا رسید کیا کہ وہ قلابازی کھاتا ہوا دور جاگرا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ بچوں کے بارے میں وہ بہت آزاد خیال ہیں۔ ایک روز ان کی نواسی نے کہا ممی! میں اپنے بوائے فرینڈ کو وسکی پلانا چاہتی ہوں پیسے دیں۔ میں نے کہا بیٹی میرے پرس میں سے لے لو مگر کسی ہوٹل میں نہ جانا یہیں ڈرائینگ روم میں بٹھا کر پلا دینا۔

پوری گفتگو میں انہوں نے ایک بات بہت اچھی کی کہ جب تک مسلمانوں کے گھروں میں قرآن پڑھایا جاتا رہے گا اردو زبان ختم نہیں ہوگی۔ اسی ایک بات کو میں نے پھیلا کر "نوائے وقت" میں ان کا انٹرویو شائع کرایا۔ چلتے چلتے میں نے ان سے وعدہ کیا کہ انکو کراچی آنے کی دعوت دی جائے گی مگر زندگی نے ان سے وفا نہ کی۔

☆☆☆☆

ٹیپو سلطان شہید کی تلوار

میں اسکاٹ لینڈ گیا تو ڈاکٹر شفیع کوثر صاحب کے ہاں ٹھہرا۔ میں نے ان سے فرمائش کی کہ ایڈنبرا کے ایک بہت پرانے قلعے میں سلطان ٹیپو شہید کی تلوار محفوظ ہے میں اس کی زیارت کے لئے جانا چاہتا ہوں گلاسکو سے ایڈنبرا ۱۵۰ کلو میٹر ہے ہم وہاں پہنچے تو بارش ہو رہی تھی۔ قلعہ بہت بلندی پر تھا اور بڑا وسیع و عریض۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ کمرہ مل گیا جہاں شیشے کے ایک شوکیس میں اس مجاہد کی تلوار رکھی تھی۔ تلوار تک تو میری رسائی مشکل تھی لہذا میں نے شوکیس کے شیشے ہی سے اس کا بوسہ لیا۔ ایک انگریز جوڑا مجھے دیکھ رہا تھا اس نے پوچھا آپ نے تلوار کا بوسہ کیوں لیا؟ میں نے کہا یہ ہمارے اس مجاہد کی تلوار ہے جس کا قول" تھا گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے" یہ تلوار شہید سلطان نے سرنگا پٹم کے آخری معرکے میں استعمال کی تھی اس کے دستے پر آیاتِ قرآنی کندہ ہیں۔

☆☆☆☆

ض۔ انصاری کے دفتر میں

پاکستانی شعراء کے اعزاز میں بمبئی میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا۔ کیفی اعظمی علی سردار جعفری اور ض۔ انصاری میزبان تھے۔ ض۔ انصاری نے فرمایا اگر آپ حضرات کل ہمارے دفتر میں تشریف لا کر چائے پئیں تو ہمیں خوشی ہوگی انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ آپ حضرات کی خدمت میں مشاعرے کا نذرانہ بھی پیش کیا جائیگا۔ ہم وقت مقررہ پر ان کے دفتر میں پہنچے۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ جب ہم واپس جانے لگے تو ض۔ انصاری نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا آپ کی خدمت میں جو نذرانہ پیش کرنا تھا وہ فنڈز کی کمی کی وجہ سے نہ کر سکے۔ ہم نے کہا جناب! ہم تو صرف آپ سے ملاقات کرنے آئے تھے۔

☆☆☆☆

شنکر دیال شرما

پاکستانی سفارت خانہ دہلی کی جانب سے ۲۳ مارچ کی تقریب میں اس وقت کے نائب صدر جمہوریہ بھارت جناب شنکر دیال شرما بھی مہمانوں میں تھے۔آج کل وہ صدر جمہوریہ ہیں۔پاکستانی سفیر کے ساتھ وہ ایک کمرے میں محو گفتگو تھے۔پاکستانی شعراء ان سے ملاقات کے خواہاں تھے مگر پاکستانی عملے نے اس کی اجازت نہ دی۔میں نے پروٹوکول افسر سے کہا آپ مجھے تو اندر جانے دیجئے۔مجھے شرما صاحب کو اپنی کتابیں پیش کرنی ہیں۔انہوں نے کہا اپنا کیمرہ باہر چھوڑ جایئے اور شرما صاحب سے مل کر جلدی آجایئے۔شرما صاحب بڑے تپاک سے ملے میں ان کو اپنی کتابیں اور رسالہ "ظرافت" پیش کیا دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور طنز و مزاح کی ترویج کی لئے ہماری کاوشوں کو سراہا۔ایسا لگ رہا تھا کہ پاکستانی سفیر صاحب ہماری اس ملاقات پر خوش نہیں ہیں۔اس تقریب میں ہم نے ایک حاجی صاحب دیکھے جو تمام مہمانوں کو اپنی جیب سے الائچیاں نکال کر پیش کر رہے تھے سنا ہے لوگوں نے انکا نام حاجی الائچی رکھ دیا ہے۔

☆☆☆☆

علامہ مشرقی اچھرہ موڑ پر

ماڈل ٹاؤن لاہور کی کوآپریٹو بس سروس ماڈل [illegible] سے میو ہسپتال تک چلتی تھی ہم بھی اسی میں سفر کرتے تھے اس بس میں چند ممتاز شخصیات بھی کبھی [illegible] ہماری ہمسفر ہوتی تھیں۔جیسے جسٹس مشتاق اور جسٹس انوار (بھٹو پھانسی فیم)'نواب مرزا خیر الدین خورشید جاہ'سر تاج عالم ڈی ایس پی (انکے صاحبزادے جی معین الدین انسپکٹر جنرل پولیس کراچی ہوئے)'علامہ عنایت اللہ مشرقی اور دیگر معروف شخصیات۔بس جب اچھرہ موڑ بس سٹاپ پر پہنچتی تو دور سے لائن میں طویل القامت علامہ عنایت اللہ خان مشرقی نظر آتے۔بس کے اندر کھڑے ہونا انکے لئے خاصہ مشکل ہوتا۔میں ہمیشہ ان کو اپنی سیٹ پیش کرتا مگر وہ نہ مانتے۔ایک روز میں نے فیصلہ کر لیا کہ آج علامہ صاحب کو اس بات پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ میری سیٹ پر بیٹھ

جائیں۔ آج وہ مان تو گئے مگر اس شرط پر کہ میں بھی بیٹھار ہوں۔ مجھ سے کہا بیٹا! اپنا تعارف تو کراؤ میں نے کہا میرا نام ضیاء الحق قاسمی ہے مولانا بہاؤالحق قاسمی صاحب کا بیٹا ہوں۔ بہت خوش ہوئے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور پوچھا مولانا کیسے ہیں ان سے میرا اسلام کہنا۔ میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں ایک نسخہ تمہارے لئے اور ایک مولانا کے لئے بھیجوں گا۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ ابا جی امرتسر سے ایک اخبار ضیاالاسلام نکالا کرتے تھے جس میں علامہ کی تحریک کے خلاف مضامین اور خبریں شامل اشاعت ہوتی تھیں اور ابا جی اور علامہ صاحب کے درمیان خاصی کشیدگی رہتی تھی۔

☆☆☆☆

سر تاج عالم اورمستانہ

ماڈل ٹاؤن سے میو ہسپتال کے سفر میں ایک روز ایک دیوانہ بس میں سوار ہو گیا اور سر تاج عالم کی سیٹ پر بیٹھ گیا میلے کچیلے کپڑے 'گندہ جسم دیکھ کر سر تاج عالم نے کہا جاؤ دوسری سیٹ پر جا کر بیٹھو مگر وہ مستانہ نہ مانا۔ سر تاج عالم سے پوچھا میرے ایک سوال کا جواب دیں۔ انہوں نے کہا بولو! پوچھا اگر کوئی مرد استاد بچے کو پڑھائے تو اس کا احترام اور مقام کس کے برابر ہونا چاہیئے۔ انہوں نے کہا والد کے برابر۔ پھر پوچھا اگر کوئی عورت پڑھائے تو۔ سر تاج نے کہا ماں کے برابر۔ دیوانے نے کہا اگر آپ کی بیوی آپ کو پڑھائے تو اس کا درجہ کس کے برابر ہوگا ۔ سر تاج عالم ناراض ہو گئے اور بولے یہ سوال کسی مولوی سے پوچھو۔

☆☆☆☆

تلاوت اور موسیقی

سر تاج عالم صاحب صبح سحری کے وقت اپنے مکان کی چھت پر ستار پر قرآنی آیات پڑھا کرتے تھے ان کی آواز دور دور تک جاتی تھی۔ محلہ کمیٹی کے ارکان نے ان سے جا کر کہا قرآنی آیات کے ساتھ الات موسیقی کا استعمال ہر گز جائز نہیں آپ یہ سلسلہ بند کر دیں۔ انہوں نے سختی سے

جواب دیا آپ ہوتے کون ہیں مجھے روکنے ٹوکنے والے۔ میں ستار پر رحمان کا نام لیتا ہوں شیطان کا تو نہیں۔ میں اللہ کی کبریائی بیان کرتا ہوں۔

☆☆☆☆

داڑھی کے خلاف

ماڈل ٹاؤن کی بس میں ایک خاتون سفر کیا کرتی تھی۔ پڑھی لکھی تھی اس نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی تھی ان کے مذہبی عقائد خاصے ڈانواں ڈول تھے۔ پورے سفر میں وہ تقریر کے ذریعے اپنے عقائد کا پرچار کرتی۔ لوگوں کو ناگوار گذرتا مگر خاتون ہونے کے ناطے درگزر کر دیا جاتا۔

ایک روز وہ داڑھی کے خلاف تقریر کر رہی تھی اس کا خیال تھا کہ داڑھی سے مرد بدصورت لگتا ہے جوانی کے اس زمانے میں میرے بھی داڑھی تھی اور وہ ایسی کہ جو دیکھے دیکھتا رہ جائے۔ میں نے کھڑے ہو کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے میڈم سے کہا میری داڑھی کے بارے میں کیا خیال ہے میڈم کوئی جواب نہ دے سکی۔

☆☆☆☆

اختر الایمان اور ہولی

میں اور جناب اختر الایمان دہلی میں جناب علی صدیقی کے دفتر میں محو گفتگو تھے ہولی کا تہوار تھا چند ہندو اور مسلمان لڑکے لڑکیاں کمرے میں داخل ہوئے انہوں نے علی صدیقی پر رنگ پھینکا مجھ پر ڈالنے لگے تو میں نے کہا میں ایک روز کیلئے پاکستان سے آیا ہوں میرے پاس صرف وہی سوٹ ہے جو میں نے پہن رکھا ہے اسے رنگ دار نہ کیجئے وہ مان گئے۔ اختر الایمان پر رنگ ڈالنے لگے تو وہ بہت سنجیدہ ہو گئے اور کہا مجھ پر مت ڈالئے۔ مگر انہوں نے زبردستی ان کے ماتھے پر ذرا سا رنگ لگا دیا مگر اختر الایمان فوراً اٹھے اور باتھ روم میں جا کر صاف کر دیا۔ میں ان کی اس اصول پرستی پر بہت حیران ہوا۔ میں نے وہیں یہ منظر بھی دیکھا کہ مسلمان اور ہندو

لڑکے لڑکیاں باہر لان میں پانی اور مٹی سے کیچڑ بنا کر اس میں لت پت ہو رہے ہیں۔

☆☆☆☆

مجسموں کا مشاعرہ

دہلی جب بھی جانا ہوا تو ایوان غالب ہی میں قیام رہا برادرم شاہد ماہلی بہت خیال رکھتے تھے ایوان غالب کے میوزیم میں ایسا منظر دیکھا جیسے مشاعرہ ہو رہا ہو۔ لائبریری کی انچارج خاتون نے بتایا یہ شعراء کے مجسمے ہیں اور اپنی اپنی نشستوں پر اس طرح بیٹھے ہیں جیسے مشاعرہ پڑھ رہے ہوں۔ میں نے خاتون سے کہا میرے کیمرے سے ان شعراء کیساتھ میری ایک تصویر بنا دیں میں ایک کاغذ ہاتھ میں لئے مرزا غالب کے پاس اس طرح بیٹھا جیسے میں ان سے اصلاح لے رہا ہوں۔ تصویر بہت اچھی بنی اس "مشاعرے" میں مرزا غالب کے تمام ہمعصر ممتاز شعراء کے مجسمے تھے۔ ایک کونے میں ایک ڈومنی کا مجسمہ رقص کے انداز میں کھڑا تھا میں نے اس کی گردن میں باہیں ڈال کر ایک اور تصویر بنوائی۔ خاتون نے کہا قاسمی صاحب! یہ ڈومنی تصویر میں ڈومنی ہی نظر آئیگی اور آپ یہ اپنی تصویر بیگم کو نہیں دکھا پائیں گے۔

☆☆☆☆

چارسو محدثین کے مزارات

ایوان غالب دہلی کے عقب میں ایک بہت بڑا قبرستان نظر آیا ساتھ ہی ایک مدرسہ، مسجد اور مکانات بنے ہوئے تھے۔ ہم اندر چلے گئے تو مدرسے کے مہتمم صاحب سے ملاقات ہوئی بڑی محبت سے پیش آئے۔ اس قبرستان میں چارسو محدثین کی قبریں موجود ہیں۔ تنویر سپرا نے کہا قبرستان میں اردو کے عظیم شاعر حضرت مومن خان مومن کی قبر بھی ہے۔ ہم ان کی قبر پر فاتحہ خوانی کے بعد کافی دیر تک رکے رہے۔ تنویر سپرا نے کہا کیا ان محدثین کے ساتھ مجھے اپنی قبر کیلئے کچھ جگہ نہیں مل سکتی؟ ہم نے کہا تم ابھی مر کے دکھاؤ ہم مہتمم صاحب سے

سفارش کر کے تمہیں یہیں دفنا کر واپس جائیں گے ۔ شہداء کے مزاروں میں یہاں شاہ اسمعیل شہید کا مزار بھی ہے۔شاہ کی تحریک میں مومن خان مومن نے بھی عملی حصہ لیا تھا۔

☆☆☆☆

سسّی کا شہر بھنبور

نیشنل ہائی وے پر اسٹیل ملز کے قریب بھنبور شہر کے کھنڈرات دیکھنے کا اتفاق ہوا ۔کھدائی کے دوران بھنبور شہر منظر عام پر آیا جو رومانوی کردار سسّی کے نام سے مشہور ہے ۔میں دوستوں کے ساتھ وہاں پہنچا۔کچھ دیر وہاں رکے اور میں بہ آواز بلند یہ پنجابی گیت گاتا رہا۔

تیر الٹیا شہر بھنبور نیں سسّی اے بے خبرے۔

☆☆☆☆

END OF THE WORLD

اوسلو(ناروے)سے کچھ فاصلے پر دنیا کا آخری سرا(End OF THE World سیاحوں کے لئے بڑی دلچسپی کا باعث ہے۔زمین کے ختم ہونے کے بعد پانی اور آسمان کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔سمندر میں گرے ہوئے بڑے بڑے پتھروں پر لوگ پیر رکھتے رکھتے دور اندر تک چلے جاتے ہیں۔ساحلِ سمندر پر ایک نارویجین لڑکی سمندر سے نکالے ہوئے چھوٹے چھوٹے خوبصورت رنگا رنگ پتھر ایک میز پر رکھ کر بیچ رہی تھی۔میں نے اس سے کہا تم اتنی خوبصورت ہو تمہیں پتھر نہیں پھول بیچنے چاہئیں۔اس کو اپنی تعریف کا انداز پسند آیا۔نارویجین زبان بولنے والی یہ لڑکی کچھ کچھ انگریزی بھی جانتی تھی بولی کیا میں آپ کے ساتھ ایک تصویر بنوا سکتی ہوں؟

☆☆☆☆

بینکاک کی حسینہ

میں اور میرے برادر نسبتی بینکاک کے ہوٹل میں چند روز کے لئے قیام پذیر تھے۔ایک روز میں کھانا کھانے کے لئے ڈائیننگ ہال میں گیا کھانے کا آرڈر دیا ابھی شروع ہی کیا تھا کہ بینکاک کی ایک حسینہ میرے پاس آئی اور پوچھا Are you from Pakistan? میں نے کہا! Yes اس نے آؤ دیکھانہ تاؤ انگریزی میں گالیاں دینے لگی۔

you shit pakistani.oyou bloody pakistani.you durty .you bloody. اس نے میز پر لات ماری اور میز الٹ دی برتن ٹوٹ گئے کھانا زمین پر بکھر گیا۔میں نے منیجر کو بلایا۔اس نے بڑی مشکل سے عورت کو قابو میں کیا اور پولیس کے حوالے کر دیا۔منیجر نے مجھ سے معذرت کی اور کہا کہ وہ زیادہ پی گئی تھی۔

☆☆☆☆

وہ سئور کھا گیا

لندن جاتے ہوئے چند گھنٹوں کے لئے ہمارا جہاز ماسکو ائیرپورٹ پر رکا۔چند پاکستانی مسافر ایک میز پر ناشتے کے انتظار میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ایک صاحب داڑھی والے شیروانی پہنے ٹوپی لگائے ہوئے لطیفہ گوئی کے دوران ایک لطیفے پر سخت ناراض ہو گئے کہ آپ لوگ گندے لطیفے کیوں سناتے ہیں۔لطیفہ سنانے والے نے معذرت چاہی۔تھوڑی دیر بعد ناشتہ آگیا تو اس میں تلے ہوئے انڈے کیساتھ سئور کے گوشت کی ٹکیہ بھی تھی۔سب لوگوں نے یہ ناشتہ واپس کر دیا مگر ایک لطیفے پر اعتراض کرنے ولا شخص وہ ناشتہ ہڑپ کر گیا ۔اس کی یہ حرکت میں برداشت نہ کر سکا اور اسے بے نقط سنا دیں۔کہنے لگا میں ۳۲ سال سے لندن میں رہ رہا ہوں۔اس سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہوں۔میں نے کہا تم منافق ہو مسلمانوں والا حلیہ بنا کر تم لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہو۔ایک شخص تو اتنے غصے میں آگیا کہ اس کو مارنے لگا مگر ہم نے سمجھا بجھا کر اسے الگ کر دیا۔

بینکاک میں مدینہ ریسٹورینٹ

بینکاک میں ایک بورڈ پر نظر پڑی تو مدینہ ریسٹورینٹ لکھا تھا۔بڑی خوشی ہوئی کہ اس کافرستان میں ایساپاکیزہ نام۔ہم کھانے کی میز پر جانے سے پہلے کاؤنٹر پر گئے اور پوچھاکہ کیاآپ صرف مسلم فوڈ ہی اپنے گاہکوں کو پیش کرتے ہیں اس نے کہا یقیناً۔ہمیں اطمینان ہوااور کھانے کا آرڈر دے دیا۔دیوار پر ایک فریم آویزاں تھااس پر لکھا تھانصرُمِّن اللہ وفتح قریب۔اس کے نیچے ایک میز پر ایک شخص آبیٹھااور کھانے کا آرڈر دیا۔ہم اپنے کھانے میں مصروف ہوگئے۔کھانے کے بعد میں واش بیسن کی طرف گیاتواس شخص پر نظر پڑی وہ سئو ر کھارہا تھااور شراب کی بوتل اس کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔میں فوراًکاؤنٹر کی جانب لپکااور چیخ کر کہا کہ دیکھووہ شخص کیا کھاپی رہاہے۔کاؤنٹر پر بیٹھے شخص نے کہاکہ یہ سب کچھ ہم نے اسے باہر سے منگاکر دیاہے۔میں نے کہاتم جھوٹے ہو۔اللہ کی نصرت کیسے آئیگی۔جواباًاس نے کہا ہوٹل کامالک پاکستانی ہے میں بھی کراچی کارہنے والاہوں میں تنخواہ دار ملازم ہوں اور جو شخص کھاناکھارہاہےوہ بھی مسلمان ہے مگرمیں مجبور ہوں۔

☆☆☆☆

جسے اللہ رکھے

حیدر آباد میں گفٹ ہاؤس کے نام سے میرا کاروبار تھا۔لسانی بنیادوں پر جلوس نکلناشروع ہوئے تو پہلا جلوس ہماری دکان کی سامنے سے گذراتو میں نے اپنے سیلز مین افتخار سے کہادکان بند کردوجب جلوس ختم ہوتوکھول لینا۔میں اپنے گھر چلاگیادروازے تک پہنچتے ہی گولی چلنے کی آواز آئی میں نے گاڑی وہیں سے واپس کی اور دکان پر آیاتودیکھاکہ افتخار کو پیٹ میں گولی لگی ہوئی تھی اور وہ تڑپ رہاتھا۔ایک اور جاوید نامی لڑکا بھی اسی گولی سے ڈھیر ہوچکا تھا۔افتخار چونکہ ابھی زندہ تھاتو میں اسے اُٹھاکر ہسپتال لے جانے لگاتو پولیس کاٹرک آیااس میں مجسٹریٹ'تھانیدار اور کئی سپاہی بیٹھے ہوئے تھے۔مجسٹریٹ کے حکم پر تھانیدار نے مجھے ہینڈز

اپ کرادیا اور ساتھ ہی گولی مارنے کا حکم دے دیا۔ یہ سن کر میرا پورا جسم سن ہو گیا پیر ایک ایک من کے ہو گئے۔ اسی ٹرک پر میرا ایک دوست طالب ارائیں سب انسپکٹر بھی تھا اس نے گولی مارنے والے سپاہی سے بندوق چھین لی اور مجھے کہا کہ آپ فوراً یہاں سے بھاگ کر جان بچائیں۔ جسم میرا بے جان ہو چکا تھا بھاگنے کی سکت نہ تھی۔ آخر طالب نے مجھے آکر جھنجھوڑا تو کچھ ہوش آیا۔ میں نے گاڑی وہیں چھوڑ دی اور دکانوں کے پیچھے جا کر پناہ لی۔

☆☆☆☆

پہلا ہارٹ اٹیک

اہل قلم کانفرنس میں شرکت کے لئے کراچی سے اسلام آباد کا سفر کرنا پڑا۔ ایک دن کیلئے اپنے برادر خورد عطاء الحق قاسمی کے ہاں رکا۔ ڈاکٹر سعادت سعید اگئے ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر دوستوں سے ملنے گئے شام کے وقت طبیعت بوجھل ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب سے کہا مجھے عطا کے ہاں چھوڑ دیں۔ رات نو بجے پھر طبیعت بگڑی میں سمجھا دوپہر میں نہاری کھائی تھی شاید اس لئے طبیعت خراب ہو رہی ہے سیون اپ پی لی مگر طبیعت بحال نہ ہوئی۔ عطاء مجھے زید النہیان ہسپتال لے گئے انہوں نے مجھے اتفاق ہسپتال بھیج دیا۔ وہاں تک پہنچتے ہی میں بیہوش ہو گیا۔ بیس روز تک اسی ہسپتال میں رہا۔ بیس روز تک سگریٹ نہ پی سکا طبیعت بے چین تھی۔ جب دیکھا کہ اسٹاف لنچ پر گیا ہوا ہے میں بستر سے اُٹھا لفٹ تک پہنچا۔ لفٹ خراب تھی۔ تیسری منزل سے سیڑھی کے ذریعے نیچے آیا۔ دو فرلانگ دور پیدل چل کر سگرٹ کی دوکان پر پہنچا۔ ایک سگریٹ وہیں کھڑے کھڑے پی لیا۔ اور دوسرا سگریٹ پیتے پیتے ہسپتال کی طرف واپس چل پڑا۔ تین منزلیں پیدل چڑھا۔ بستر پر لیٹتے ہی گھنٹی بجائی۔ ڈاکٹر اور نرسیں آگئیں۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب! اس وقت میری طبیعت بہت خراب ہے انہوں نے مکمل چیک اپ کیا اور آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔ میں نے کہا میری طبیعت بگڑ رہی ہے جلدی کوئی دوائی دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا قاسمی صاحب! ہماری ٹیسٹ رپورٹوں کے مطابق اس وقت آپ کی طبیعت جتنی اچھی ہے پچھلے بیس دنوں میں نہیں تھی۔ اس پر میں نے ان کو بتایا کہ

میں تین منزلیں اُترا چڑھا ہوں۔ چار فرلانگ پیدل چل کر آیا ہوں اور دو سگریٹ پئے ہیں۔ وہ آپ کی تھیوری تھی اور یہ میرا پریکٹیکل ہے۔ ڈاکٹر سر پیٹ کے رہ گئے اور کہنے لگے آپ ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں

☆☆☆☆

دس سال بعد اوپن ہارٹ سرجری

عارضۂ دل کا علاج تو مستقل ہوتا رہا مگر ۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

دس سال کے اندر چار آرٹریز بند ہو چکی تھیں۔ میں آپریشن سے بچتا رہا مگر اس کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ مجھے آپریشن تھیٹر میں اینیتھیزیا دیا گیا تو سرجن رحمان صاحب نے مجھ سے کہا قاسمی صاحب! کوئی شعر سنائیے میں نے انور مسعود کا یہ قطعہ سنا دیا۔

دل کی بیماری کے اک ماہر سے پوچھا میں نے کل
روگ کیوں لگتا ہے یہ انسان ہی کی جان کو
ڈاکٹر صاحب نے فرمایا توقف کے بغیر
"دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو"

آپریشن کے بعد مجھے ہوش آجانے پر ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ میں نے تین مصرعے ہوش میں سنائے اور ایک مصرعہ بیہوشی میں۔ نویں روز میں گھر آگیا اور ایک ہفتے میں جہاز کے ذریعے پی ٹی وی کی دعوت پر اسلام آباد چلا گیا۔ اور مشاعرے میں قطات بائی پاس سے متعلق ہی قطعات پڑھے۔ ایک قطعہ یہ بھی تھا۔

اطبّا نے بتایا ہے جناب قاسمی کو یہ
ہوئی ہیں آپ کے دل کی کم از کم چار ویسل بند
نکالیں ٹانگ سے اور جوڑ دی ہیں دل کے پہلو میں
لگا ہے خوب کیا کمخواب میں یہ ٹاٹ کا پیوند

☆☆☆☆

سینما کا روشن پہلو

علامہ خالد محمود کی تقریر کا عنوان تھا "سینما کے روشن پہلو"
وہ اسٹیج پر مائیک کے سامنے آئے اور کہا خواتین و حضرات!
جو چیز اندھیرے میں دکھائی جائے اس کا روشن پہلو کیا ہو سکتا ہے؟

☆☆☆☆

اِنّما الاعمال بالنیّاتِ

ایک جلسے میں علامہ خالد محمود کی تقریر کا عنوان تھا "اِنّما الاعمال بالنیّاتِ" ان کی تقریر کے دوران ایک شخص نے لکھ کر پوچھا علامہ صاحب! ایک حدیث یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص نیت کے بغیر از راہ مذاق اپنی بیوی سے کہدے میں نے تمہیں طلاق دی تو طلاق ہو جاتی ہے جبکہ حدیث جو آپ نے پڑھی ہے اس کا مطلب ہے کہ عمل نیت سے ہوتا ہے۔
علامہ صاحب نے کہا شوہر کا بیوی کو طلاق دینا علم نہیں معاملہ ہے کیونکہ دو اشخاص کے درمیان ہے حدیث المعاملات بالنیات نہیں ہے بلکہ الاعمال بالنیات ہے۔
ان کے جواب سے لوگ حیران بھی ہوئے اور پریشان بھی۔

☆☆☆☆

سیما غزل کے ہاں دعوت

سیما غزل ماہنامہ "دوشیزہ" کی ایڈیٹر ہیں انہوں نے میرے دو بھانجوں زاہد، معین اور مجھے اپنے گھر کھانے کی دعوت دی۔ ہم وہاں رات نو بجے پہنچے۔ کھانے میں کچھ دیر تھی ہم باتیں کر رہے تھے کہ اچانک باہر گلی میں گولیاں چلنے کی آواز آئی اور ایک جوان عورت اپنا بچہ گود میں اُٹھائے چیختی ہوئی ڈرائننگ روم میں آگئی۔ وہ شور مچا رہی تھی میرے شوہر کو بچا لو۔ گلی

میں کھیلتے ہوئے چار کم عمر لڑکے بھی گولیوں سے بچنے کے لئے کمرے میں آگئے۔اس خوف سے کہ کوئی گولی کمرے میں نہ آجائے ہم نے دروازہ بند کرلیا۔چند ہی لمحوں میں کوئی دروازہ توڑنے لگا۔ ہم نے دروازہ کھول دیا تو کچھ لوگ جن کے ہاتھوں میں کلاشنکوف تھیں اندر گھس آئے اور ہم سب کو ہینڈز اپ کرادیا۔ ہم سب پریشان تھے کہ آخر قصہ کیا ہے۔انہوں نے آتے ہی فون کا تار کاٹ دیا اور تمام کمروں کی تلاشی لی۔میں نے پوچھا بھائی ایہ تو بتائیں کہ آپ ہیں کون اور کہانی کیا ہے۔انہوں نے بتایا کہ وہ پولیس کی لوگ ہیں اور ایک مفرور کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔یہ عورت اس کی بیوی ہے یہ کار سے اُتر کر اندر آئی ہے اور اس کا شوہر بھی اندر آتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔پولیس ہم پر بندوقیں تانے کھڑی رہی اور پوچھتی رہی کہ بتاؤ وہ مفرور کہاں ہے۔ ہم نے بتایا کہ ہم تو یہاں کھانا کھانے آئے ہیں ہم بالکل بے خبر ہیں اس کی بیوی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا میرا شوہر میرے ساتھ تھا پولیس نے جب گولی چلائی تو میں اپنے بچے کو لئے اندر آگئی اس کا پتہ نہیں کہ وہ کہاں گیا۔ان دنوں میں نے اپنا بائی پاس نہیں کروایا ہوا تھا مجھے ٹینشن سے سینے میں شدید درد اُٹھا مگر پولیس والوں کو میری حالت دیکھ کر بھی کوئی خیال نہ آیا سیما غزل کے شوہر نے پولیس سے کہا یہ دل کے مریض ہیں ان پر بندوق نہ تانو۔وہ سب کو پولیس تھانے لے گئے۔بعد میں اہل محلہ نے آکر میری دیکھ بھال کی شناخت کے بعد ان سب کو چھوڑ دیا گیا اور ہم رات تین بجے واپس اپنے گھر پہنچے۔

☆☆☆☆

رات تین بجے ڈاکو آگئے

مجھے لاہور کے مشاعرے میں شرکت کے لئے صبح ۶ بجے کی فلائٹ سے جانا تھا۔ساڑھے چار بجے گھڑی کا الارم لگایا۔میں اپنے کمرے میں اکیلا سو رہا تھا۔بچے اور بیگم دوسرے کمرے میں تھے۔ساڑھے تین بجے چار یا پانچ کلاشنکوفوں سے مسلّح ڈاکو سیفٹی وائرز کاٹ کر دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے۔اس شور شرابے سے تمام بچے اپنے اپنے کمرے میں جاگ گئے۔مگر میری

آنکھ نہ کھلی بچے اور بیگم یہ سمجھے شاید میں لاہور جانے کیلئے اُٹھا ہوں لہٰذا وہ پھر لیٹ گئے۔ڈاکو میرے کمرے میں آن گھسے مجھے جگایا اور کہا جو کچھ گھر میں ہے روپیہ پیسہ اور زیور نکال دو۔دس منٹ میں وہ جو کچھ لے سکتے تھے لے لیا۔میرے کمرے سے باہر نکلے تو میرے بڑے بیٹے سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔بیٹا بری طرح زخمی ہوا۔میں نے پولیس کو فون کیا مگر وہ وقت پر نہ آئی اخبارات میں بڑی بڑی خبریں لگیں۔احباب نے ہمدردی کا اظہار کیا میں نے سب کو خالد عرفان کا یہ شعر سنا کر تسلی دی۔

میں سامعین پہ جھپٹا ہوں وہ خزانے پر
کسی نے ملک کسی نے مشاعرہ لوٹا

دوستوں نے کہا آپ ایک کتا کیوں نہیں رکھتے اس پر میں نے انکو اپنا ایک قطعہ سنایا۔

گھر کی رکھوالی کی ہم میں استطاعت ہی نہیں
ہم نے اخراجات گرچہ کر لئے ہیں کم سے کم
اپنے ہمسایوں کے کتے بھونکتے ہیں رات میں
اپنے گھر میں بھونک لیتے ہیں سبھی مل جل کے ہم

☆☆☆☆

کاروبار کا آغاز

میں ۱۹۶۵ء میں لاہور سے حیدر آباد (سندھ) آگیا۔کاروبار شروع کرنا چاہتا تھا مگر اتنی رقم نہ تھی کہ یہ خواہس پوری ہوتی۔ایک روز میں نے ایک دوکان دیکھی جس پر تالہ پڑا تھا اور گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا۔میں نے ساتھ والی دوکان کے مالک سے پوچھا کہ یہ دوکان کب سے اور کیوں بند ہے۔اس نے بتایا کہ اس کے مالک ایک صاحب مظہر الدین ہیں جنھوں نے موٹر پارٹس کا کاروبار شروع کرنے کے لئے اس میں الماریاں اور شوکیس بنوائے تھے۔مگر انہی دنوں ان پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ اپنے گھر میں صاحب فراش ہیں۔میں مظہر صاحب سے جا کر ملا۔انہوں نے بڑی فراخدلی سے میرا استقبال کیا اور بتایا کہ کاروبار کرنے کا ارادہ نہیں۔اگر

آپ دکان لینا چاہیں تو لے لیں۔ میں نے کہا میرے پاس تو رقم نہیں ہے اور آپ مجھے جانتے بھی نہیں۔ انہوں نے اندر سے دوکان کی چابی منگوائی اور مجھے دیتے ہوئے کہا آپ کام شروع کریں اللہ برکت دیگا تو پھر مجھے بھی کچھ نہ کچھ مل ہی جائے گا۔ میں نے کہا کچھ رقم طے کر لیجئے جواب ملا بعد میں دیکھا جائے گا۔ میرے پاس اس وقت صرف ڈھائی ہزار روپے تھے میں ہول سیل مارکیٹ میں گیا اور کچھ روزمرہ کی چیزیں خرید لایا۔ دکان کے باہر کا بورڈ ایک کمپنی نے بنوا دیا۔ دکان خالی خالی نظر آرہی تھی مگر گاہک آنا شروع ہو گئے ہر گاہک خالی ہاتھ واپس جاتا۔ ایک روز ایک صاحب آئے اور کہا کہ آپ کی دکان خالی کیوں ہے میں نے کہا ابھی آغاز ہے آہستہ آہستہ بھر لیں گے۔ انہوں نے اپنا کارڈ مجھے دیا اور کہا کل آپ میرے بینک آئیں۔ نہ کوئی ضمانت نہ کوئی تعارف۔ اللہ تعالی مجھ پر اپنی عنایتوں کے دروازے کھولتا چلا گیا اور پھر ایسا کاروبار چلا کہ لوگ میری مثالیں دینے لگے۔ ترقی کے تمام راستے کھلتے چلے گئے۔ کاروبار عروج پر تھا کہ مجھے سیاست کا شوق چڑھ آیا۔ کاروبار میں دلچسپی کم ہونے لگی۔ پھر کبھی جیل اور کبھی حوالات کاروبار ختم ہوتا چلا گیا۔ آخر میں نے ایک دوست کے ہاتھ سب کچھ فروخت کر دیا۔

☆☆☆☆

ماسٹر صاحب نہاتے نہیں تھے

میٹرک میں قاضی صاحب ہمارے ریاضی کے استاد تھے وہ نہاتے نہیں تھے انگریزی کے استاد انعام صاحب نے قاضی صاحب سے کہا آپ یہ صابن لے کر غسل خانے میں جائیں اور نہا نہا کر ایک صابن ختم کر دیں تو میں آپ کو ایک سو روپے دونگا۔ مگر قاضی صاحب نے انعام صاحب کی یہ آفر منظور نہ کی اور شاید مرتے دم تک وہ پانی سے گریزاں رہے۔

☆☆☆☆

شیر خان

شیر خان ہمارا ملازم تھا۔ کبھی بخار آجاتا تو وہ ڈاکٹر کے پاس نہ جاتا تھا بلکہ شہر سے باہر ایک نہر میں جا کر گھنٹوں بیٹھا رہتا تو اس کا بخار اُتر جاتا۔ آج سائنس نے بھی یہ بات ثابت کر دی ہے کہ بخار کے مریض کو نہلاؤ لوگ سمجھتے تھے کہ بخار میں نہانے سے سرسام ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆

بلب کا موجد

بچپن میں ہمارے گھر میں پہلی بار بجلی کا بلب روشن ہوا تو میں نے اپنے والد محترم سے پوچھا۔بلب کس کی ایجاد ہے تو معلوم ہوا کہ ایک امریکن مسٹر ایڈیسن نے بلب ایجاد کیا ہے۔بڑے ہوئے تو امریکہ جانا ہوا۔نیویارک کے قریب ایڈیسن سٹی گیا۔ایڈیسن کی لیبارٹری دیکھی اور اس کا مکان بھی۔میں نے کہا ایڈیسن! تو نے دنیا کو روشنی عطاء کی میں تمہیں خراجِ تحسین پیش کرنے آیا ہوں مگر واپڈا کا فاتحہ بھی پڑھونگا جس نے ہم سے وہ روشنی چھین لی۔

☆☆☆☆

FREQUENCY

بچپن ہی میں اپنے گھر کے سامنے سے انگریزی فوجیوں کے ٹرک گذرتے دیکھتا تھا اور اپنے ابا جی سے پوچھا کرتا تھا کہ ان فوجیوں کا شہر میں کیا کام ہے۔اس زمانے میں پلوں پر یہ الفاظ لکھے ہوتے تھے۔**No parade**

بزرگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ ہدایت نامہ فوجیوں کے لئے ہے۔کہ وہ پل پر سے پریڈ کرتے ہوئے نہ گذریں۔اگر دونوں پاؤں کی چاپ کی **Frequency** آپس میں مل گئی تو

پل کے اُڑ جانے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کسی موسیقار کی سروں کی Frequency آپس میں مل جائے تو آج بھی پتھر ٹوٹ سکتے ہیں برف پگھل سکتی ہے۔

☆☆☆☆

مقناطیسی سڑک

کینیڈا کے شہر ٹورنٹو جانا ہوا تو پتہ چلا کہ یہاں شہر سے باہر بہت دور ایک ایسی سڑک ہے جو مقناطیسی ہے۔ ہم سب اہل خانہ کار پر اس جگہ کے لئے روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر اس سڑک کے آخر میں کار کو نیوٹرل کر دیا بریک لگایا تو کار رک گئی مگر چند لمحوں کے بعد کار پیچھے کی طرف چلتی گئی اور وہاں پہنچ گئی جہاں سے ہم چلے تھے یوں لگتا تھا جیسے ہماری کار کو کوئی طاقت پیچھے کی جانب کھینچ رہی ہے۔اس سڑک کے بارے میں وہاں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔

☆☆☆☆

فوجی عدالت سے سزا

ملک میں مارشل لا نافذ تھا اور میں بھر پور طریقے سے سیاست میں ملوث تھا۔ایک رات فوج نے مجھے میرے گھر سے جگا کر گرفتار کر لیا۔ صبح تک ایک تھانے میں رکھا اور دن میں ایک فوجی عدالت میں پیش کر دیا۔عدالت نے مجھے سیاسی جلوسوں کا اہتمام کرنے کے جرم میں دو سال قید کی سزا سنائی۔ میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر ایک زیرِ زمین فوجی سیل میں لے جا کر بند کر دیا گیا۔شدید گرمی اور تیز روشنی کی وجہ سے میری طبیعت خراب ہونے لگی۔ میں نے پہریدار سے کہا کہ میجر صاحب کو اطلاع کرو۔ میجر صاحب آگئے تو میں نے ان سے گذارش کی کہ گرمی اور روشنی کی شدت کے علاوہ یہاں کہ تنہائی مجھے پریشان کر رہی ہے مجھے ایسی جگہ لے جا کر قید کر دیں جہاں دوسرے اور قیدی بھی ہوں۔ میجر صاحب نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا البتہ ہم ایک اور قیدی آپ کے کمرے میں بھیج سکتے ہیں۔ یہ قیدی ایک بھارتی فوجی کرنل تھا

جو جاسوسی کے الزام میں بند تھا۔ میں نے پوری رات اس سے باتیں کرنے کی کوشش کی مگر اس نے میری کسی بات کا جواب نہ دیا۔ وہ کرنل ہندو تھا اور بڑا سہا ہوا جیسے اُسے موت کا انتظار ہو۔ اس کے آنے سے اور اس کی مکمل خاموشی نے مجھے مزید پریشان کر دیا۔ صبح مجھے دوسرے حصے میں بھیج دیا گیا۔ جہاں اور بہت سے سیاسی کارکن تھے۔

☆☆☆☆

حمایت علی شاعر ٹرین سے گر گئے

میں سلیم کوثر اور حمایت علی شاعرؔ کراچی سے بہاولپور بذریعہ ٹرین جا رہے تھے۔ ہم چائے پینے کے لئے ایک اسٹیشن پر اُترے۔ گاڑی چلدی تو حمایت بھائی دوڑ کر گاڑی میں سوار ہونے کی کوشش کرتے رہے وہ دوبار گرے۔ گاڑی تیز ہوتی گئی۔ آخر سلیم کوثر نے زنجیر کھینچ کر گاڑی رکوادی۔ حمایت علی بھائی کے خاصی چوٹیں آئیں۔

☆☆☆☆

حیدر آباد دکن میں پذیرائی

ممتاز مزاح نگار جناب مجتبیٰ حسین اور ڈاکٹر مصطفیٰ کمال مدیر ماہنامہ ''شگوفہ'' کی دعوت پر میں حیدر آباد دکن گیا تو وہاں کے تمام احباب نے میری بڑی پذیرائی کی۔ انجمنِ ترقی اردو دکن کے زیرِ اہتمام میرے اعزاز میں ایک ادبی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ ادب سے تعلق رکھنے والی تمام شخصیات نے اس میں شرکت کی۔ میں نے اپنی تقریر میں وہاں کے مزاح گو شعرا کی خدمت میں گذارش کی کہ وہ اپنے تخلّصمیں جدت پیدا کریں جھانپڑ۔ بمبو۔ بماٹ کھمبا۔ والد۔ ابا جیسے تخلص بدل لئے جائیں تو اچھا ہے اس مخلصانہ مشورے کو کسی نے قبول نہ کیا بلکہ دوسرے روز معلوم ہوا کہ تمام شعرا اس بات پر ناراض ہو گئے۔

☆☆☆☆

خواجہ حمیدالدین شاہد اپنی ضد پر اڑ گئے

خواجہ حمیدالدین شاہد صاحب نے کراچی میں ایک پاک و ہند طنزیہ و مزاحیہ کانفرنس اور مشاعرے کا اہتمام کیا جس میں حیدر آباد دکن کے مزاح گو شعرا بھی مدعو تھے۔ حیدر آباد دکن میں چونکہ ادوستوں نے میری بڑی پزیرائی کی تھی لہذا میں نے خواجہ صاحب سے گذارش کی کہ میں بھی ان کے اعزاز میں چند تقریبات کا اہتمام کرنا چاہتا ہوں مگر خواجہ صاحب نہ مانے اور فرمایا کہ یہ میرے مہمان ہیں اور میری اجازت کے بغیر یہ کسی دعوت میں نہیں جاسکتے ۔خواجہ صاحب کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ میں نے کچھ احباب سے سفارش کرائی اور وہ پھر بھی راضی نہ ہوئے ان احباب نے مجھ سے کہا آپ تقریب کا اہتمام کرلیں ہم خواجہ صاحب کو بھی منالیں گے اور شعرا کو بھی لے آئیں گے۔ لہذا میں نے ایک بڑی تقریب کا اہتمام کرڈالا۔ خواجہ صاحب کو پتہ چلا تو سخت ناراض ہوئے اور کہا جو شاعر اس تقریب میں جائے گا میں اس کا بائیکاٹ کردوں گا۔ اس کے باوجود وہ تمام شعرا میری تقریب میں آئے اس طرح یہ معاملہ طے ہو گیا۔

☆☆☆☆

حیدر آباد دکن میں سرور ڈنڈا کا مشاعرہ

حیدر آباد دکن میں میرے قیام کے دوران دکنی زبان کے شاعر سرور ڈنڈا کی یاد میں منعقد ہونے والے سالانہ مشاعرے کے منتظمین میرے ہوٹل میں مجھے مشاعرے کی دعوت دینے آئے ۔ میں روزنامہ "سیاست" کے مدیر اعلی جناب عابد علی خان کا مہمان تھا انہوں نے منتظمین مشاعرہ سے نذرانہ کے بارے میں پوچھا اور ایک رقم طے پائی۔ بہت بڑا مشاعرہ تھا ہم نے پڑھا مگر نذرانہ ندارد۔ مدیر اعلی اس حرکت پر بہت ناراض ہوئے اور منتظمین کو بلا کر نذرانہ ادا کروایا۔

☆☆☆☆

بینک بیلنس صرف نو روپے

کاروبار ختم کرنے کے بعد کئی سال تک مالی مشکلات کا سامنا رہا۔ پندرہ برس میں تمام جمع پونجی ختم ہو چکی تھی۔ ایک روز میں نے اپنے بیٹے سے کہا بینک میں صرف نو روپے رہ گئے ہیں یہ چیک لے جاؤ اور کیش کرالاؤ۔ بینک کے کیشئر نے بتایا کہ آپ کا بیلنس ۹۰۰ روپے ہے آپ صرف نو روپے کیوں نکلوانا چاہتے ہیں میرا بیٹا واپس آ گیا اور مجھے یہ بات بتائی میں نے کہا تم منیجر کے پاس میرا رقعہ لے کر جاؤ۔ میں نے رقعہ میں لکھا ۹۰۰ روپے کی رقم میری نہیں ہے آپ اپنا ریکارڈ چیک کر لیں۔ دوسرے روز منیجر صاحب نے بتایا کہ ہم نے اطمینان کر لیا ہے وہ رقم آپ ہی کی ہے۔ مجھے یوں لگا جیسے اللہ تعالی نے کسی فرشتے کے ذریعے یہ رقم میرے اکاؤنٹ میں جمع کرادی ہے۔ وہی مشکل کشا ہے۔

☆☆☆☆

ماسکو ائیر پورٹ پر کتے اور پاگل عورت

ماسکو ائیر پورٹ بہت بڑا اور خوبصورت ہے مگر بازاری کتے اندر آکر اسطرح پھرتے ہیں جیسے انہیں روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ ہو۔ وہاں ایک پاگل عورت کو بھی دیکھا جو اپنے خاندان کیساتھ پاکستان جارہی تھی۔ وہ اپنی ایک بہن کو مارنے کے لئے لپکتی اور باقی گھر والے بیچ بچاؤ کرواتے۔ اس پاگل نے ایک ہنگامہ کھڑا کر رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوکا کولا کی ایک ٹوٹی ہوئی بوتل تھی جس سے وہ بار بار حملہ آور ہوتی۔ جہاز میں بھی سوار ہوتے وقت یہ بوتل اس کے ہاتھ میں تھی اور جہاز کے اندر جا کر بھی وہ اس لڑکی پر حملہ آور ہوتی رہی۔ میں نے جہاز کے عملے سے کہا اس پاگل کو قابو کرے۔ ورنہ یہ کچھ نہ کچھ کر بیٹھے گی۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے بوتل لی اور دوائی دے کر سلا دیا۔

☆☆☆☆

محاذ جنگ ۱۹۶۵ء

میں اور میرے بہنوئی امین پیرزادہ حیدر آباد (سندھ) سے لاہور گئے تاکہ لاہور کے بارڈر پر جا کر محاذ جنگ کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ شالامار باغ سے ہم نے ایک تانگہ کرائے پر لیا اور کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے بڑی مشکل سے باٹا پور جلو پہنچے۔ ہر طرف جانوروں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ بی آر بی نہر کے اس پار سے ہندوستانی فوج کے گولے آگ برسا رہے تھے ہم نے ایک درخت کے نیچے تانگہ روک دیا۔ گھوڑا بموں کی آواز سے بدکنے لگا اسے قابو میں رکھنا مشکل ہو گیا۔ اتنی دیر میں وہاں سے تین چار پاکستانی فوجی وہاں سے گذرے انہوں نے ہم سے پوچھا کہ آپ یہاں تک کیوں اور کیسے پہنچے اس گفتگو کے دوران بھی ہمارے سروں پر سے بم کے گولے گذرتے رہے۔ ہر طرف تباہی و بربادی کا منظر تھا ہندوستان دعوی کر چکا تھا کہ اس کی فوجیں شام تک لاہور میں داخل ہو جائیں گی مگر اللہ تعالی نے ہماری فوج کو ڈٹے رہنے کی ہمت عطا کی اور ہم سرخرو رہے۔ ہم جب اس مقام سے واپس لوٹے تو ہم سراپا گرد و غبار میں اٹے ہوئے تھے۔

☆☆☆☆

کاروبار میں نقصان

میڈیسن کا کاروبار ختم کرنے کے بعد میں نے لوہے (سریا) کا بزنس شروع کیا۔ کراچی سے حیدر آباد یہ سریا ٹرکوں کے ذریعے پہنچتا۔ یہ نیا کاروبار بظاہر بہت اچھا چلا مگر آہستہ آہستہ پتہ چلا کہ کہیں غلط طریقے سے اخراج کے سبب ہم نقصان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ ٹرک ڈرائیور اور کلینر راستے میں سپر ہائی وے پر دو تین بنڈل سریا کے سڑک پر گرا دیتے تھے جسے ان کے آدمی وہاں سے اُٹھا لیتے تھے۔ حیدر آباد پہنچ کر کانٹے کے محرر رشوت دیکر پورا وزن لکھوا لیا جاتا۔ اور ہمیں وزن کی پرچی دیدی جاتی۔ انہی دنوں میں بارشوں کا زور

تھا آہستہ آہستہ سریا کو زنگ لگنے لگا اس پر غضب یہ ہوا کہ سریا کی قیمت کئی ہزار روپے کے حساب سے گرنے لگی۔ اسطرح مجھے لاکھوں کا نقصان اُٹھانا پڑا اور یہ کاروبار لوہے کے چنے ثابت ہوا۔

☆☆☆☆

وہ پانی پلاتے پلاتے شاعر بن گیا

پاک لینڈ سیمنٹ فیکٹری کے عالمی مشاعروں میں کمپنی کا ایک ملازم شعرا اور مہمانوں کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اسٹیج پر شعرا کی دیکھ بھال بھی اسی کے ذمے تھی۔ یہ مشاعرے دس سال تک ہوتے رہے اور میں ہی ان مشاعروں کی نظامت کے فرائض انجام دیا کرتا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ خبر ملی کہ وہ شخص شاعر بن گیا ہے۔ ایک دو مشاعروں میں اسے سننے کا اتفاق ہوا۔ کئی اشعار اس نے بے وزن پڑھے۔ شعر اس کے نہ تھے مگر لکھ کر وہی لایا تھا۔

☆☆☆☆

دو لڑکیوں نے مجھے اپنا خون دیا

میرا بائی پاس آپریشن جب ہو چکا تو ڈاکٹر نے میرے عزیز و اقارب سے کہا آپ لوگ جا سکتے ہیں۔ آپ کا مریض ٹھیک ہے۔ میری بیگم وہیں رہیں۔ اچانک ایک ڈاکٹر نے آکر کہا کہ مریض کے اندر بلیڈنگ شروع ہو گئی ہے دوبارہ اوپن کریں گے اور اس کے بعد اسے خون دینا پڑے گا۔ دو گجراتی سپیکنگ لڑکیاں ہسپتال میں کسی مریض کو دیکھنے آئی ہوئی تھیں انہوں نے بلڈ ڈونیشن کی آفر کی۔ بلڈ گروپ مل گیا اور مجھے خون چڑھا دیا گیا۔ ہمارے ایک دوست نے ازراہ مذاق ڈاکٹر صاحب سے پوچھا یہ خون چڑھنے کے بعد قاسمی صاحب کہیں گجراتی زبان تو بولنا شروع نہیں کر دیں گے۔

☆☆☆☆

مشاعرے میں ایک ٹُن شاعر

سندھ سوشل سیکوریٹی کے ایک طنزیہ ومزاحیہ مشاعرے میں ایک شاعر کو اپنا کلام سنانے کی فرمائش کی گئی جسے میں نہیں جانتا تھا وہ اسٹیج پر آیا وہ نشے میں ٹن تھا۔اسی حالت میں وہ چالیس بے وزن اشعار سنا گیا۔اسی پر میں نے دلاور فگار کا یہ قطعہ پڑھا۔

کسی محفل میں اک شاعر نے نوے شعر فرمائے
ردیف وقافیہ یہ تھا دعا کردے دوا کردے
کہیں مقطع نہ پا کر ایک سامع نے یہ فرمایا
الٰہ العالمیں اس قید سے مجھ کو رہا کردے

وہ متشاعر سمجھا کہ میں نے داد دی ہے اور پھر سے پڑھنے دعوت دی ہے وہ واپس مائیک کی طرف پلٹا تو میں نے کہا حضور! آپ سے نہیں کہا گیا۔

☆☆☆☆

بمبئی میں یوسف ناظم سے ملاقات

میں روزنامہ ”انقلاب“ کی پچاسویں سالگرہ کے سلسلے میں منعقد ہونے والے مشاعرے میں شرکت کے لئے بمبئی گیا تو ممتاز مزاح نگار جناب یوسف ناظم مجھے میری اقامت گاہ پر ملنے کے لئے تشریف لائے۔یوسف ناظم صاحب انتہائی خاموش طبع واقع ہوئے ہیں مگر جب کوئی لطیفہ سناتے ہیں تو محفل زعفران زار ہو جاتی ہے۔انہوں نے ایک لطیفہ مجھے بھی سنایا۔

ایک مولوی صاحب نے ایک کتاب لکھی جس کا عنوان تھا”استنجے کرنے کے چالیس طریقے“مولوی صاحب نے ایک پبلشر سے پوچھا اگر یہ کتاب شائع کی جائے تو کیا فروخت بھی ہوگی؟ پبلشر نے کہا یقیناً بکے گی بشر طیکہ باتصویر ہو۔

☆☆☆☆

دبئی کا ایک دغا باز

دبئی کے عالمی مشاعرے میں راغب مراد آبادی صاحب اور میں شرکت کے بعد باہر نکلے تو ایک صاحب نے ہمیں روکا اور کہا کہ آپ اگر شاپنگ کرنا چاہیں تو میں کل گاڑی لے کر آؤں گا آپ تیار رہیں وہ پوری شاپنگ کے دوران ہمارے ساتھ رہا اور واپس ہمیں ہماری رہائش گاہ پر چھوڑا۔ وہ کہتا تھا میں آپ کا فین ہوں۔ ہم نے سامان چیک کیا تو اس میں سے کئی قیمتی چیزیں غائب تھیں جو اس نے گاڑی سے لفٹ تک اور اوپر آنے تک راستے میں نکال لی تھیں۔

☆☆☆☆

سید عطاء اللہ شاہ بخاری

امیر شریعت سیدّ عطاء اللہ شاہ بخاری امر تسر میں ہمارے پڑوسی تھے یا ہم ان کے پڑوسی تھے وہ ہمارے دادا جان مفتی غلام مصطفےٰ قاسمی صاحب کے شاگرد تھے اور ہمارے ابا جی مولانا بہاؤالحق قاسمی صاحب کے ہم مکتب اور دوست تھے ہم ان کو چچا جان کہا کرتے تھے۔ گرمیوں میں شاہ صاحب قالین پر قمیض اتارے لیٹے ہوتے تو میں اور ان کے صاحبزادے عطاء المحسن ان کے پیٹ پر چڑھ کر کودا کرتے تھے۔ یہ مجھ جیسے ناکارہ انسان کے بچپن کا بہت بڑا اعزاز تھا۔ شاہ صاحب کو کبوتر پالنے کا بھی شوق تھا ہم چھت پر جا کر ان کے ساتھ ساتھ کبوتروں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔

☆☆☆☆

چور پر چاقو کا وار

حیدر آباد (سندھ) میں قیام کے دوران میرا معمول یہ تھا کہ روزانہ رات کو بچوں کیساتھ گاڑی میں بیٹھ کر شہر سے باہر ایک ریسٹورینٹ میں آئسکریم کھانے جاتا۔ ایک روز ہم اپنے ایک گود کے بچے کو اپنی امی (ساس) کے حوالے کر کے باہر سے تالہ لگا کر چلے گئے۔ کوئی چور تالہ دیکھ

کر سمجھا کہ شاید اہل خانہ گھر پر نہیں ہیں وہ اندر کود آیا اندر کے دروازے پر بھی تالہ تھا اس نے تالہ توڑا۔ امی جان نے آواز سن کر باورچی خانہ سے چاقو اُٹھایا اور باہر نکل آئیں چور دیوار سے کودنے کی کوشش کر رہا تھا۔ امی نے اس کو چاقو مار دیا جو اس کے جسم پر نہ لگا البتہ اس کے کرتے کی جیب پھاڑتا ہوا نکل گیا اور سگریٹ' ماچس اور کچھ پیسے زمین پر گر گئے اور وہ بچ نکلا۔ امی کی عمر ۸۸ سال تھی اور وہ بنوٹ کی ماہر تھیں۔ اللہ ان کی مغفرت کرے۔

☆☆☆☆

اردو کے ہوتے ہوئے ہم عجمی نہ کہلاتے

جناب حسین ناصر کے مکان پر ایک محفل مشاعرہ کی نظامت کرتے ہوئے میں نے کہا عرب خود کو صاحب فصاحت وبلاغت کہتے ہیں اور باقی دنیا کو عجمی قرار دیتے ہیں یعنی گونگا۔ میں نے اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ اگر اس زمانے میں اردو کا رواج ہوتا تو عرب ہم پر عجمی ہونے کی تہمت نہ لگاتے۔ میرے اس جملے کو حاضرین محفل نے بہت سراہا۔

☆☆☆☆

سیلز مین شپ

میڈیسن کے کاروبار کے دنوں میں ایک گاہک کسی بات پر مجھ سے ناراض ہو گیا اور اس نے کہا کہ آئندہ آپ کے ساتھ کوئی کاروباری لین دین نہ کروں گا میں نے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو یہ میری بدقسمتی ہو گی۔ ہم دونوں غصے میں تھے۔ وہ چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور کہا قاسمی صاحب میں آپ سے معذرت کرنے آیا ہوں آپ نے اپنے غصے پر قابو پالیا اور میں نہ پا سکا۔

☆☆☆☆

مقروض نے چھرا نکال لیا

کاروبار کے زمانے میں ایک شخص میرا مقروض تھا۔ دو سال گذر گئے مگر قرض اتارنے پر تیار نہ ہوتا تھا۔ بہت کوششیں کر لیں مگر بے سود۔ ایک روز میں خود اس کے مکان پر گیا اس سے گذارش کی کہ اگر آپ یک مشت ادا نہیں کر سکتے تو اقساط میں کر دیجئے۔ یہ سن کر وہ شخص اندر گیا۔ میں سمجھا کہ وہ رقم لینے گیا ہے۔ مگر وہ ہاتھ میں چھرا لئے میری طرف لپکا۔ میں سخت خوفزدہ ہو گیا اور فوراً کہا اچھا بھائی! اگر تم میری رقم نہیں لوٹا سکتے تو نہ سہی۔ یہ کہہ کر میں وہاں سے بھاگ نکلا۔

☆☆☆☆

شادی بلا تکلف

میں نے اپنی شادی کے موقع پر تمام افراد خانہ سے کہہ دیا تھا کہ میں نہ سہرا باندھوں گا۔ نہ باجے بجیں گے اور نہ ہی میں گھوڑے پر بیٹھوں گا اور بارات ٹھیک ۸ بجے صبح لاہور سے گجرات کے لئے روانہ ہو جائے گی اور ایسا ہی ہوا اور کئی لوگ پیچھے رہ گئے اور بعد میں گجرات پہنچے۔

☆☆☆☆

ناروے میں مشاعرہ

ناروے میں ہمارے دوست جمشید مسرور نے میرے اور ڈاکٹر حسن رضوی صاحب کے اعزاز میں ایک ریسٹورینٹ میں محفل شعری کا اہتمام کیا۔ ریسٹورینٹ کے دوسرے حصے میں ایک نارویجین خاتون مے نوشی میں مصروف ہمیں سن رہی تھی میرے ہر شعر پر قہقہہ پڑتا تو وہ حیران ہوتی کہ ایسی کون سی بات کہہ دی گئی جس پر لوگ بے اختیار ہو کر قہقہے لگا رہے ہیں اس عورت نے جمشید مسرور سے میرے لئے کہا کہ ان کو مجھ سے ملواؤ۔ تقریب کے اختتام پر وہ میرے پاس آئی اور نارویجین زبان میں گفتگو کرتی رہی اور جمشید مسرور ترجمہ کرتے رہے۔ اس

نے دوسرے دن کے لئے مجھے کھانے کی دعوت دی میں نے کہا کہ میرے ساتھ میرے یہ دوست بھی ہوں گے۔اس نے کہا نہیں آپ اکیلے آئیں۔دوسرے روز میں اس کی دعوت میں نہ گیا اور جمشید سے کہا کہ وہ میری طرف سے معذرت کر لے۔

☆☆☆☆

کسی کو سزا دینا بہت مشکل ہے

قرآن شریف حفظ کرنے کے دوران بچپن میں میں نے اساتذہ سے بہت مار کھائی اس کا اثر یہ ہوا کہ مجھے ہر قسم کے تشدد سے نفرت ہو گئی۔میں نے اپنے کسی بچے کو کبھی ہلکا سا تھپڑ بھی نہیں مارا۔البتہ ان لوگوں کی خوب پٹائی کی جو اپنی بے گناہ بیویوں پر ظلم کرتے ہیں یا وہ لوگ جو سڑک پر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلا استعمال کرتے ہیں۔

☆☆☆☆

بندر نے مجھ پر حملہ کر دیا

انبالہ کے مشاعرے میں شرکت کے بعد میں، طفیل ہوشیار پوری، خالد اقبال یاسر اور کچھ دوسرے شعرا شملہ کے مشاعرے میں شریک ہونے کے لئے وہاں پہنچے۔انبالہ میں سخت گرمی اور شملہ میں سخت سردی تھی۔ایک بازار میں سے گذرتے ہوئے میری نظر ایک بڑے بندر پر پڑی جو ایک دیوار پر بیٹھا تھا۔میں نے ایک کیلا اس کی طرف بڑھایا تو وہ خوش ہونے کی بجائے مجھ پر جھپٹ پڑا۔دکانداروں نے مجھے اس کے چنگل سے بچایا پھر اس کے بعد میں کسی بندر کے قریب سے بھی نہ گذرا۔

☆☆☆☆

میں چلتی ٹرین سے گر پڑا

حیدر آباد سے کراچی آتے ہوئے ڈرگ روڈ ریلوے اسٹیشن پر گاڑی کی سپیڈ خاصی کم ہو گئی دنوں میری رہائش ڈرگ روڈ کے علاقے میں تھی۔ گاڑی کی رفتار کم ہوتے ہی میں نے چھلانگ لگا دی مگر ایک شخص نے میرا کرتہ تھام لیا اور کہا کہ مت اتریں مگر میں چھلانگ لگا چکا تھا۔ اگر وہ شخص میرا کرتہ فوراً نہ چھوڑ تا تو نہ جانے میرا کیا حشر ہوتا۔ میں پتھروں پر گرا۔ مگر فوراً اُٹھ بیٹھا تاکہ شرمندگی نہ ہو۔ مگر تھوڑی دور چل کر گیا تھا کہ پورے جسم میں شدید درد ہونے لگا میرا بایاں بازو چھ ماہ تک بے کار رہا۔

☆☆☆☆

سارہ شگفتہ ٹرین کے نیچے آکر کٹ گئی

جناب قمر جمیل کے مکان پر روزانہ ادبی نشستیں ہوتی رہتی تھیں ان میں میں بھی اکثر شریک ہوتا اور رات دیر تک گفتگو جاری رہتی۔ ان نشستوں میں ممتاز شاعرہ سارہ شگفتہ بھی شامل گفتگو ہوتیں۔ ایک روز خبر آئی کہ سارہ ریلوے لائن عبور کرتے ہوئے زیست کی سرحد عبور کر گئیں۔ شکیب جلالی اور ثروت حسین کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ ممتاز شاعر جناب ثاقب انجان کی بیگم بھی ناظم آباد میں لوکل ٹرین کی زد میں آگئیں۔ جناب حمایت علی شاعر اور میں بھی ریلوے کے حادثے میں زخمی ہوئے۔

شکیب جلالی ثروت حسین سارہ شگفتہ نہ جانے کس نشے میں رہتے تھے کیا وہ آخری وقت میں بھی ایسی ہی حالت میں تھے؟

میریٹ ہوٹل کا یورینال

ناروے کے شہر اوسلو کے میریٹ ہوٹل میں جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے ویٹر سے پوچھا واش روم کہاں ہے تو وہ مجھے وہاں تک لے گیا۔ واش روم کا شیشے کا یورینال ایک شیشے کی دیوار کے

ساتھ اس طرح جوڑا گیا تھا کہ نیچے پورا شہر نظر آتا تھا۔یورینال استعمال کرتے وقت ایسا لگتا تھا جیسے شہر کے سب لوگ ہماری یہ حرکت دیکھ رہے ہیں۔کتنے شرارتی ہیں یہ ناروے کے لوگ۔

☆☆☆☆

تنویر سپرا کی حالت غیر ہوگئی

راجندر ملھوترہ کی دعوت پر شام بہار ٹرسٹ کے مشاعرے میں ہمارے ساتھ تنویر سپرا بھی تھے بہت لاغر اور کمزور ہو چکے تھے مگر ہمارے اصرار پر وہ ہمارے ساتھ چل پڑے۔رات کے کھانے کے بعد کسی شخص نے ان کو ایک گھونٹ شراب یہ کہہ کر پلادی کہ یہ ہاضم ہے۔سپرا کیلئے ایک گھونٹ تو کیا چند قطرے بھی زہر تھے۔ان کی حالت خراب ہوگئی۔ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔بہر حال مشاعرے سے پہلے ان کی طبیعت بحال ہوگئی۔

☆☆☆☆

تنویر سپرا انبالہ کے مشاعرے میں

شام بہار ٹرسٹ انبالہ کے سالانہ مشاعرے میں تنویر سپرا بھی شریک تھے۔پاکستان اور ہندوستان کے شعرا کی آپس میں کسی علمی موضوع پر بحث شروع ہوگئی جو بڑھتے بڑھتے تلخی کی صورت اختیار کر گئی۔اس صورت حال کے پیدا ہونے سے مشاعرہ بگڑ بھی سکتا تھا۔عین اس موقع پر تنویر سپرا اٹھ کر مائیک پر آئے اور یہ شعر پڑھا۔

ہمارے درمیاں بے سود دیوار کدورت ہے
تجھے میری ضرورت ہے مجھے تیری ضرورت ہے

یہ سنتے ہی شعرا کی بحث ختم ہوگئی اور محفل مشاعرہ خیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

☆☆☆☆

بیکری کے کاروبار میں نقصان

حیدرآباد (سندھ) میں قیام کے دوران میڈیسن کے کاروبار کے ساتھ ساتھ میں نے ایک عمدہ بیکری کا بھی آغاز کیا اور اپنے برادر خورد عطاء الحق قاسمی صاحب کو خط لکھا کہ آپ بھی یہاں آکر میرے ساتھ نئے کاروبار میں شریک ہو جائیں۔ ہم نے عہد کیا کہ بیکری کی ہر آئٹم ہم خالص مکھن اور انڈوں سے تیار کیا کریں گے لہذا یہ کاروبار بھی شاندار طریقے سے ترقی کرنے لگا مگر بہت کم عرصے میں عطاء صاحب کا جی بھر گیا اور انہوں نے کہا بھائی جان! یہ میرے بس کی بات نہیں۔ آپ سنبھال لیں اسے اور مجھے واپس اپنی دنیا میں لوٹ جانے دیں۔ ان کے جانے کے بعد میں اکیلا یہ کاروبار نہ سنبھال سکا لہذا اسے اونے پونے داموں فرخت کر دیا۔

☆☆☆☆

اور منگنی ٹوٹ گئی

لاہور میں قیام کے دوران ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جو پامسٹری کا ماہر تھا۔ میں نے اسے اپنا ہاتھ دکھایا اگرچہ مجھے ان باتوں پر بالکل یقین نہیں ہے۔ بقول حضرت علامہ اقبال

ستارہ کیا تری تقدیر کی خبر دے گا
جو خود فراخئی افلاک میں ہے خوار و زبوں

اس شخص نے بڑے غور و خوض کے بعد مجھے بتایا کہ آپ کی منگنی ٹوٹ جائے گی۔ میں نے کہا میری منگنی ہو چکی ہے اور اسی ہفتہ میں میری شادی ہونے والی ہے اور دعوت نامے بھی چھپ چکے ہیں بلکہ بہت سارے تقسیم بھی ہو چکے ہیں۔ اس نے کہا آپ کے ہاتھ کی لکیریں غلط نہیں بتا سکتیں۔ لہذا وہی ہوا جو اس نے کہا تھا۔ شادی سے دو روز پہلے خاندانی اختلاف کے سبب وہ منگنی ٹوٹ گئی۔

☆☆☆☆

میڈم نور جہاں نے مشورہ دیا گانا سیکھو

لاہور میں میڈم نور جہاں کا انٹرویو کرنے میں کراچی سے ان کے مکان واقع گلبرگ پہنچا۔انٹرویو کے دوران میڈم نور جہاں نے مجھ سے کہا قاسمی صاحب! آپ کی آواز بہت اچھی ہے آپ ضرور گانا سیکھیں اور آپ بہت جلد اس میں مہارت پیدا کرلیں گے۔جب آپ گانا سیکھ لیں تو مجھے ضرور مطلع کریں۔کراچی آکر میں نے گانا سیکھنے کے لئے ایک استاد جی سے رابطہ کیا۔ہارمونیم خریدا۔سب رسم ورواج ادا کئے۔استاد جی نے پہلا سبق دیا یعنی گلے کی ورزش۔کئی کئی گھنٹوں تک میں آ۔آ۔آ۔آ کی تکرار کرتا رہا مگر اسے جاری نہ رکھ سکا آخر استاد جی سے معذرت کرلی۔

☆☆☆☆

مسجد میں اذان دیتا رہا

مجھے جوانی کے دنوں میں مسجد میں جاکر اذان دینے کا بڑا شوق تھا میری آواز بہت اچھی اور لہجہ مصری تھا۔میں جب کبھی اذان دیتا تو وہ لوگ بھی گھروں سے نکل کر مسجد میں نماز پڑھنے آجاتے جو نماز کے عادی نہ تھے۔سڑک پر چلتے ہوئے لوگ رک کر اذان سنتے اور بعض لوگ اپنے گھروں سے لکھ کر پیغام بھیجتے کہ آپ ہی ہمیشہ اذان دیا کریں۔

☆☆☆☆

مولوی ہماری نرس لے اڑا

حیدر آباد میں میرا ایک ہسپتال اور زچہ خانہ بھی تھا جسے ایک میل اور فیمیل ڈاکٹر اور چند نرسیں دیگر عملے کے ساتھ چلاتے تھے۔میں شام کے وقت اپنے اکاؤنٹینٹ سے حساب کتاب دیکھنے یا عملہ سے ملنے کبھی کبھار ہسپتال جایا کرتا تھا۔ایک مولوی صاحب جن کی عمر ۶۰ سال کے قریب تھی اور جن کا نام میں ظاہر نہیں کرنا چاہتا مجھ سے ملنے کے لئے کبھی کبھی ہسپتال آتے

تھے۔ وہ ہماری ایک نوجوان نرس پر عاشق ہو گئے اور چند روز بعد پتہ چلا کہ وہ اسے لے اڑے میں حیران ہوں کہ اُس ساٹھ سالہ بوڑھے نے بائیس سالہ خوبرو نرس کو کیسے ورغلایا۔

☆☆☆☆

خواتین مجھ سے علاج کراتی تھیں

میرے ہسپتال میں ڈاکٹروں کی موجودگی کے باوجود اکثر خواتین اصرار کرتی تھیں کہ ڈاکٹر ضیاء سے ہی علاج کرانا ہے۔ میں ان کو بتاتا کہ بی بی! میں ڈاکٹر نہیں ہوں مگر وہ اپنی ضد پر اڑی رہتیں۔ میرے سوالات کچھ یوں ہوتے تھے۔

سوال۔۔بی بی آپ کے سر میں درد ہوتا ہے؟

کمر میں بھی درد ہوتا ہے؟......

پنڈلیوں میں ہوتا ہے؟......

چکر آتے ہیں؟

طبیعت متلاتی ہے؟......

نیند نہیں آتی؟......

گھر کا کام کاج کرنے کو دل نہیں چاہتا؟

آخری سوال میرا یہ ہوتا بی بی! آپ کے شوہر کیا کرتے ہیں اور صبح کتنے بجے گھر سے نکلتے ہیں اور واپس کتنے بجے آتے ہیں؟ کسی مریضہ پر اپنی مسیحائی کی دھاک بٹھانے کے لئے یہ سوالات بہت کام کر جاتے ہیں

وہ بتاتیں کہ صبح ۸ بجے جا کر رات ۱۰ بجے آتے ہیں

پھر میرا سوال یہ ہوتا کہ بی بی! آپ نے کبھی اپنے شوہر سے پوچھا کہ وہ رات میں دیر سے کیوں آتے ہیں۔ بس میرا یہ سوال پوچھنا غضب ہو جاتا اور وہ "مریضہ" آنسوؤں سے رونے لگتی اور کہتی ڈاکٹر صاحب مجھے اصل بیماری یہی ہے۔

☆☆☆☆

صہبا اختر کا انٹرویو

ممتاز شاعر جناب صہبا اختر جس زمانے میں کورنگی میں رہائش پذیر تھے میں ان کے انٹرویو کے لئے ان کے گھر پہنچا تو وہ میرے منتظر تھے۔ انٹرویو کے دوران میں نے ان سے پوچھا آپ اگر پڑھے لکھے نہ ہوتے اور شاعر بھی نہ ہوتے تو قومی نغمے کیسے لکھتے اور پاکستان سے اپنی محبت کا اظہار کیسے کرتے۔ انہوں نے کہا اگر ایسا ہوتا تو میں کورنگی کی گلیوں اور بازاروں میں پاکستانی پرچم تھامے اِدھر سے اُدھر اور بآواز بلند پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتا۔

☆☆☆☆

صہبا اختر کا عجز و انکسار

میں کسی بات پر جناب صہبا اختر سے ناراض ہو گیا انہوں نے مجھے کئی بار فون کیا مگر مجھ سے بات نہ ہو پائی۔ ایک روز وہ میرے مکان پر تشریف لائے اور دروازے پر ہی کھڑے رہے اور ہاتھ جوڑ کر مجھے کہا قاسمی! تم مجھے معاف کر دو مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور کہا صہبا صاحب! مجھے آپ گنہگار نہ کریں۔ آپ بہت بڑے آدمی ہیں آپ ہمارے محسن ہیں کہا صہبا صاحب! آپ نے ایسی کون سی غلطی کر دی جو مجھ جیسے ناکارہ شخص سے معافی مانگ رہے ہیں۔ صہبا اختر شاعر بھی عظیم تھے اور انسان بھی۔

☆☆☆☆

صہبا اختر نے سگریٹ پی لی

صہبا اختر بستر علالت پر تھے تو ہم سب دوست ان کو دیکھنے جایا کرتے تھے۔ وہ بے حس و حرکت بستر پر لیٹے رہتے۔ ایک روز مجھے سگریٹ پیتا دیکھ کر اشارے سے کہا ایک کش مجھے بھی لگوا دو۔ میں نے ذرا دیر کر دی تو انہوں نے پھر اشارہ کیا۔ میں نے کہا صرف ایک کش کی اجازت ہو گی۔ میں نے ان کے ہونٹوں کے بیچ سگریٹ رکھ دی تو وہ کش پہ کش لگانے لگے اس دوران

بھالی کمرے میں داخل ہوئیں تو میں نے سگریٹ نکال لی مگر بھالی نے دیکھ لیا اور مجھے ڈانٹا کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ صہبا اختر کا علاج کرنے والے ڈاکٹر بھی کمرے میں موجود تھے انہوں نے مجھ سے کہا مریض بستر مرگ پر ہے اس کی یہ آخری خواہش پوری کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

☆☆☆☆

صہبا اختر کی وصیّت

صہبا اختر کے اس دنیا میں آخری ایام تھے ہم بہت سے دوست ان کے پاس بیٹھے تھے اور ان کو تسلی دے رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد شفایاب کر دے گا مگر انہوں نے کہا نہیں میں اب اس دنیا میں چند روز کا مہمان ہوں۔ آپ سب لوگ گواہ رہیں کہ میں نے حتی المقدور اپنے وطن کی خدمت کی ہے۔ اس کی محبت میں نغمے لکھے ہیں اس کی شان میں قصیدے پڑھے ہیں اللہ تعالیٰ میری اس خدمت کو قبول فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس وطن کی خدمت کے لئے سلامت رکھے۔ یہ کہہ کر صہبا اختر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور ہم سب کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں۔ ان لمحات کی ویڈیو بھی تیار کی گئی۔

☆☆☆☆

صہبا اختر کی شان بے نیازی

اکادمی ادبیات پاکستان کی اہل قلم کانفرنس میں شرکت کے لئے پورے پاکستان سے شعرا و ادبا اسلام آباد میں موجود تھے۔ ان کے اعزاز میں رات کا کھانا صدر مملکت کی طرف سے ایوان صدر میں تھا۔ رات نو بجے صدر صاحب کو مہمانوں سے ملاقات کرنا تھی مگر وہ بر وقت نہ آسکے۔ صہبا اختر نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا آؤ چلتے ہیں۔ میں نے عرض کی ہمارا یہاں سے جانا مناسب نہیں۔ کہنے لگے میں تو انتظار میں دوسروں کیساتھ لائن میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہم دونوں

دور جا کر لان میں گھاس پر بیٹھ گئے۔ اسی دوران سر کاری بینڈ نے صہبا اختر کے لکھے ہوئے قومی نغمہ کی دھنیں بجانا شروع کیں تو خوشی کے مارے صہبا اختر کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔

☆☆☆☆

سیّد مودودی ہمارے گھر آئے

عالمی شہرت یافتہ مدبّر اور عالم دین مولانا ابو الاعلیٰ مودودی ماڈل ٹاؤن لاہور کسی کام کے سلسلے میں تشریف لائے تو راستے میں ہمارا مکان پڑتا تھا انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میں باہر نکلا سلام کیا۔ انہوں نے پوچھا مولانا بہاء الحق قاسمی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ میں نے عرض کیا وہ کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ فرمایا اچھا ایک گلاس پانی پلا دو۔ میں نے کہا اندر تشریف لائیں تو فرمایا میں ذرا جلدی میں ہوں بس پانی لے آؤ۔ مولانا کو پانی پلانے کا شرف میں نے حاصل کر لیا۔

☆☆☆☆

مولانا مودودیؒ نے شادی میں شرکت کی

ہمارے گھر میں شادی کی ایک تقریب ہونے والی تھی اباجی نے مولانا مودودی صاحب کو ان کے مکان پر جاکر دعوت دی۔ مودودی صاحب نے فرمایا۔ دو بجے آپ کے ہاں تقریب کا وقت ہے اور مجھے ۴ بجے سعودی عرب کے لئے فلائی کرنا ہے۔ میں ضرور آؤں گا مگر چند منٹ کے لئے۔ مولانا وعدہ کے مطابق تشریف لائے۔ مہمانوں کے ساتھ گفتگو کی اور ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ دیگر معززین کے علاوہ جناب شورش کاشمیری بھی اس محفل میں موجود تھے۔

☆☆☆☆

ایک اخبار کو ایک کروڑ روپے ہرجانہ کانوٹس

کراچی کا ایک اخبار بے بنیاد خبریں اور سکینڈل شائع کرتا تھا لوگوں کی توہین کرتا تھا۔اس کا دعوی تھا کہ اس کی اشاعت تمام اخبارات سے زیادہ ہے حالانکہ اس کی روزانہ اشاعت ۱۵......۲۰ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔اس کا یہ دعوی اخبار کی لوح کے اوپر نمایاں طور پر لکھا ہوتا تھا۔میں نے حکومت کی توجہ خط کے ذریعے اس کی طرف دلائی۔اس پر عملدرآمد تو نہ ہوا البتہ حکومت کے کارندوں نے میرا خط اس اخبار کے ایڈیٹر کے حوالے کردیا۔اس نے اپنے وکیل کے ذریعے مجھے ۵۰ لاکھ روپے ہرجانے کا نوٹس بھیج دیا۔جواباً میرے وکیل نے لکھا کہ میرا کلائینٹ تمہارے کلائینٹ سے زیادہ شہرت یافتہ اور عزت دار ہے تم نے اس سے ۵۰ لاکھ روپے کا مطالبہ کرکے بلیک میل کیا ہے لہذا تم ایک کروڑ روپے جمع کراؤ۔اس کے بعد وہ اخبار خاموش ہوگیا اور "سب سے زیادہ اشاعت" کی سرخی بھی ہٹادی۔

☆☆☆☆

عطاء الحق قاسمی "نوائے وقت" سے روزنامہ "جنگ" میں

میرے برادر خورد جناب عطاء الحق قاسمی ۳۵ سال تک نوائے وقت میں کالم لکھتے رہے اور پھر انہوں نے روزنامہ "جنگ" جوائن کرلیا۔میں نے اس پر ایک قطعہ لکھا۔

صحافی دوست سے پوچھا کہاں رہتے ہو یارِ من
بتایا حال ہی میں وہ چوبرجی سے مزنگ آمد
کہا میں نے "نوائے وقت" ہی میں کام کرتے ہو
جواب آیا نہیں آخر میں تنگ آمد بجنگ آمد

☆☆☆☆

اباجی نے مجھے ٹرین میں سگرٹ کی اجازت دی

میں، میرے اباجی اور مولانا کوثر نیازی ٹرین کے ذریعے ایک جلسے میں شرکت کے لئے گئے ۔اباجی نے مجھ سے کہا میں یہ جانتا ہوں کہ تم سگرٹ پیتے ہو مگر یہ سمجھ لو کہ میں تمہیں سگرٹ پینے کے لئے کسی پلیٹ فارم پر اُترنے کی اجازت نہ دوں گا۔ہاں البتہ تم واش روم میں جا کر یہ شوق پورا کر سکتے ہو۔میں انکار کرتا رہا اور وہ اصرار کرتے رہے اور مولانا کوثر نیازی ہنستے رہے۔

☆☆☆☆

مولانا کوثر نیازی ایک فراخدل انسان

مولانا کوثر نیازی نے جب پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی تو میں نے ایک اخبار میں ان کے بارے میں ایک بڑا سخت کالم لکھا۔ہمارے مشترکہ دوست اسد جعفری نے اس کالم کا تراشہ مولانا کو بھیج دیا۔کچھ عرصہ کے بعد میں اور خالد عرفان ایک مشاعرے میں شرکت کے لئے اسلام آباد گئے تو خالد عرفان کی دیرینہ خواہش تھی کہ مولانا سے ملاقات کی جائے۔ہم دونوں ان کی رہائش گاہ پر گئے اس وقت مولانا مرکزی وزیر تھے۔میں ڈرتا ڈرتا اندر داخل ہوا مولانا نے آکر دروازے پر ہمارا استقبال کیا۔ہمیں ڈرائینگ روم میں لے گئے۔بڑی پر تکلف چائے سے ہماری تواضع کی۔خالد عرفان نے مولانا کا منظوم خاکہ پڑھ کر انہیں سنایا وہ خاکہ کیا تھا مولانا کو غصہ دلانے کی ایک کوشش تھی مگر مولانا مسکراتے رہے انہوں نے میرے کالم کا بھی ذکر نہ کیا۔جب ہم جانے لگے تو وہ کار تک ہمیں چھوڑنے آئے۔میں مولانا کی وسعت قلبی سے بڑا متاثر ہوا۔

☆☆☆☆

کنور مہندر سنگھ بیدی کو ران پسند آئی

جناب کنور مہندر سنگھ بیدی کراچی تشریف لائے تو میں نے ان کے اعزاز میں ایک محفل مشاعرہ بر مکان میاں فضل احمد کا اہتمام کیا۔ جناب مشفق خواجہ بھی اس میں شریک ہوئے۔ مہمانوں کے لئے سالم اسٹیم روسٹ' بکرے کی رانیں منگوائی تھیں جو بیدی صاحب کو پسند آئیں اور وہ ہندوستان واپس جاتے ہوئے دو رانیں ساتھ بھی لے گئے۔ اس کے بعد جب بھی ان سے ملاقات ہوئی انہوں نے رانوں کا ذکر ضرور کیا۔

☆☆☆☆

میں' راغب مراد آبادی اور شاگرد

دبئی کی مشاعرے سے فراغت کے بعد ایک گھریلو نشست میں میں نے نوائے وقت کے لئے صاحب خانہ کا انٹرویو کیا۔ میں نے پوچھا شاعری میں آپ کے استاد کون ہیں تو انہوں نے کہا میرا کوئی استاد نہیں۔ میں نے کہا آپ کے استاد تو راغب مراد آبادی ہیں (راغب صاحب ہمارے ساتھ بیٹھے تھے)۔ میزبان نے کہا نہیں ہر گز نہیں۔ میں نے راغب صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا حضرت! کیا فرمائیں گے۔ اس سلسلے میں راغب صاحب نے بر ملا کہا یقیناً یہ میرے شاگرد ہیں اور مجھ ہی سے اصلاح لیتے ہیں۔ اس پر میزبان چپ رہے۔

☆☆☆☆

استاد اور شاگرد میں معاہدہ

ہندوستان سے ایک استاد صاحب نے مجھے اُس لکھے ہوئے معاہدہ کی فوٹو کاپی ارسال کی اور استاد اور ''شاگرد'' کے مابین ہوا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ میں تمہیں جتنی بھی غزلیں لکھ کر دوں گا اس کا تم مجھے معاوضہ ادا کرو گے اور جب تم پاکستان کوئی مشاعرہ پڑھنے جاؤ گے تو وہاں جو نذرانہ ملے اس میں سے آدھی رقم تم مجھے دو گے۔ استاد صاحب نے مجھے لکھا کہ میں اس

معاہدہ کو اپنے رسالہ "ظرافت" میں شائع کردوں سو میں نے ایسا ہی کیا۔

☆☆☆☆

برطانیہ کا ویزا

برطانیہ کے معروف شاعر جناب صابر رضا کی دعوت پر برطانیہ جانے کے لئے ویزا کی درخواست میں نے جمع کرائی۔ ایک انگریز میرے انٹرویو کے دوران اُلٹ پُلٹ سوالات کرتا رہا اُس نے مجھے زچ کیا۔ کہنے لگا آپ لوگ مشاعرے کا بہانہ بنا کر برطانیہ چلے جاتے ہیں اور پھر واپس نہیں آتے۔ مجھے غصہ آگیا۔ میں نے کہا We pakistani live here and die here. معلوم نہیں اُسے میرا غصہ پسند آیا یا یہ جملہ۔ وہ مسکرایا اور مجھے ویزا دے دیا۔

☆☆☆☆

فیض احمد فیؔ کا سفر آخرت

ماڈل ٹاؤن لاہور میں میری رہائش اے بلاک میں تھی اور فیض احمد فیض ایچ بلاک میں رہتے تھے۔ ماڈل ٹاؤن ہی سے ان کا جنازہ اُٹھا۔ شاعر' ادیب' صحافی' دانشور' علماء' طلبا' سیاستدان' فلم اور ٹی وی کے اداکار غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگ ان کے گھر پر جمع تھے۔ استاد دامنؔ ان دنوں بہت بیمار تھے ان کو وہیل چیئر پر لایا گیا انہوں نے میت کے اطراف روتے روتے چکر لگایا۔ نقاہت کا عالم یہ تھا کہ وہ بول بھی نہیں سکتے تھے مگر فیضؔ صاحب سے تعلق خاطر اور بے پناہ محبت انہیں وہاں کھینچ لائی۔ میں نے استاد دامن کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر ایک دوست سے کہا اب ان کا زندہ رہنا مشکل ہے اور واقعی ہی کچھ عرصے کے بعد وہ انتقال کر گئے۔ میں نے فیض صاحب کے جنازے کے قریب کھڑے ہو کر ایک نظم کہی تھی جس کا ایک شعر یاد ہے۔

اس آفتاب ہنر کو دیکھو سمندروں میں اتر رہا ہے
فضا کی خوشبو بتا رہی ہے چمن وفا کا بکھر رہا ہے

فیض صاحب کے انتقال کے بعد بہت عرصہ میں نے ایک قطعہ کہا تھا جس میں ان کا ذکر ہے۔

فیض احمد فیض سے فرمائشیں ہونے لگیں
وہ سناتے جارہے تھے شعر کیا کیا بے بدل
ایک سامع نے کہا میری بھی فرمائش ہے ایک
اب سنائیں آپ وہ مہدی حسن والی غزل

☆☆☆☆

ابا جی کی ریڈیو میں دلچسپی

ابا جی نے ایک روز عطاء الحق قاسمی سے کہا ایک چھوٹا سا ریڈیو لادو تا کہ میں بی بی سی وغیرہ سے خبریں سنتا رہوں۔ خبریں سننا ان کا معمول بن گیا خبروں کے بعد گانے نشر ہوتے تو وہ ریڈیو بند کر دیتے۔ آہستہ آہستہ یہ ہونے لگا کہ وہ گانے کے وقت ریڈیو بجنے دیتے اور خود آنکھیں بند کر کے لیٹے رہتے پھر یہ ہوا کہ وہ گانے کے وقت آنکھیں بھی کھلی رکھتے اور ساتھ ساتھ اپنی انگلیاں بھی ہلاتے رہتے۔ ایک روز میں نے ان کی انگلیاں پکڑ لیں اور کہا ابا جی یہ کیا ہو رہا ہے تو وہ ہنس پڑے اور کہا بہت بد معاش ہو تم۔

☆☆☆☆

اردوئے معلّٰے یا اردوئے محلّہ

جناب جمیل الدین عالی کی رہائش گاہ پر جناب سلیم احمد' جناب عطاء الحق قاسمی اور میں مصروف گفتگو تھے۔ عالی جی نے عطاء الحق قاسمی سے کہا یار! تم پنجابیوں نے بیڑا غرق کر دیا ہے تم اپنے کالموں' ڈراموں اور دوسری تحریوں میں بے شمار پنجابی کے الفاظ استعمال کرنے لگے ہو۔ قاسمی نے کہا عالی جی! ہم اردو کو پنجابی خون پلا رہے ہیں اردو کو قربانیوں کی ضرورت ہے اور ویسے بھی آپ کی اردوئے معلّٰے ہے اور ہماری اردوئے محلّہ۔

☆☆☆☆

سلیمان اور ہنومان

میرے بہنوئی سیّد سلیمان شاہ بخاری کے ہاں پہلا بیٹا پیدا ہوا تو اس کا نام تجویز کرنے کا مرحلہ پیش آیا۔ شرط یہ تھی کہ نام ایسا ہو جو سلیمان کا ہم وزن ہو۔ تمام اہل خانہ سوچ بچار میں مصروف تھے۔ میری عمر اس وقت بارہ سال تھی۔ میں نے کہا میرے ذہن میں ایک نام آیا ہے ۔ سب حیران ہوئے اور کہا بتاؤ وہ کیا نام ہے۔ میں نے کہا ہنومان۔ سب ہنس دیئے مگر میرے بہنوئی ناراض ہو گئے۔

☆☆☆☆

پرویز یا تارا سنگھ

میرے بڑے بہنوئی محمد امین پیرزادہ کے ہاں پہلا بیٹا ہوا تو اس کا نام پرویز رکھا گیا۔ ابا جی نے اسے پسند نہ کیا اور کہا پرویز ایک آتش پرست بادشاہ تھا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پھاڑ دیا تھا۔ تم لوگوں نے اگر بچے کا نام کسی کافر کے نام پر ہی رکھنا ہے تو اپنے ملک میں سے کسی کو ڈھونڈو۔ ہمارے ہاں ایک بہت مشہور لیڈر رہے اس کا نام تارا سنگھ ہے۔

☆☆☆☆

شاہد اور خرم کا حادثہ

میرے بھانجے جاوید پیرزادہ کے پڑوس میں ایک عورت روزانہ ان پر الزام لگاتی تھی کہ آپ لوگ میرے صحن میں کوڑا پھینک دیتے ہیں اور مجھے گالیاں بھی دیتے ہیں۔ اُسے بہت سمجھایا کہ آنٹی! ایسا ہرگز نہیں ہوتا آپ کو غلط فہمی ہے۔ ایک روز ہمارے بھانجے کی بیگم اور اوپر کے حصے کی ایک کرایہ دار خاتون نے مشورہ کیا کہ آنٹی کے گھر جا کر ان کی غلط فہمی دور کی جائے ۔ دونوں نے آنٹی کو بلایا وہ اپنے دروازے سے باہر آئیں اور کہا دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔ کیا کرنے

آئی ہو تم میرے دروازے پر۔ اُسے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ بگڑتی چلی گئیں۔ جاوید نے اپنے ایک بھانجے خرم اور بھائی شاہد سے کہا جاؤ اور دونوں کو بلا لاؤ۔ شاہد حیدر آباد سے آیا ہوا تھا اور خرم ملیر کینٹ سے۔ دونون کی عمر ۱۸...... ۱۸ سال تھی۔ بات جب بہت بگڑ گئی تو آنٹی کا ایک بیٹا جو ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے اندر گیا پستول لایا اور دونوں پر فائر کر دیا۔ خرم تو وہیں مر گیا اور شاہد زخمی ہوا۔ اسے ہسپتال لے گئے۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ اس کی اسپائنل کارڈ متاثر ہوئی ہے لہذا وہ مفلوج ہو چکا ہے۔ شاہد مفلوج ہو کر امریکہ چلا گیا۔ ایک روز وہ اپنی آٹو میٹک کار چلاتے ہوئے جا رہا تھا کہ اچانک کہیں سے ایک گولی آئی اور اس کا جبڑا اپھاڑتی ہوئی نکل گئی۔ اس نے پولیس کو موبائل پر اطلاع دی اور اُسے ہسپتال لے جایا گیا۔ شاہد کی آواز بہت اچھی ہے اور وہ بہت اچھا گاتا ہے۔ ڈاکٹروں نے خدشہ ظاہر کیا کہ اس کے بعد شاہد گا نہ گا سکے گا۔ شاہد اور تمام خاندان کے لئے یہ دوسرا صدمہ ناقابل برداشت تھا کیونکہ شاہد کی زندگی کا واحد سہارا یہ آواز ہی تو تھی مگر ڈاکٹروں کی بھرپور کوشش اور اللہ تعالی کے کرم سے شاہد ٹھیک ہو گیا اور اس کی آواز لوٹ آئی۔

☆☆☆☆

میرا نواسہ عمیر پیرزادہ بھی مفلوج ہو گیا

میرا نواسہ عمیر پیرزادہ ۱۸ سال کی عمر میں سومنگ پول میں سر کے بل چھلانگ لگاتے ہوئے زخمی ہو گیا اور پانی سے باہر نہ آسکا۔ اس کے دوستوں نے اس کو بے ہوشی کی حالت میں باہر نکالا اور ہسپتال لے گئے۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ تالاب کے فرش کے ساتھ اس کا سر ٹکرانے سے اس کی اسپائنل کارڈ مجروح ہو چکی ہے اور اب یہ کبھی چل پھر نہ سکے گا۔ اب وہ خوبصورت عمیر کئی برسوں سے بے حس و حرکت صاحب فراش ہے۔ ہمارے خاندان کا یہ دوسرا بلکہ تیسرا حادثہ بڑا ہی جان لیوا ہے۔ دیکھتے ہیں اللہ تعالی اس بچے پر کب رحم کرتا ہے۔

☆☆☆☆

جیل میں اباجی کی خدمت کیلئے ایک ڈاکو

سیاسی اور مذہبی تقریروں کی پاداش میں اباجی کئی بار پس دیوار زنداں بھی گئے۔ جیل میں اے یا بی کلاس دی جاتی۔ ستمام سہولتیں میسّر ہوتیں اس کے علاوہ ایک خدمت گار بھی ملتا۔ انگریزوں کے دور میں جیل میں ان کو جو مشقتی ملا وہ ایک ڈاکو تھا اور ۲۰ سال کی سزا کاٹ رہا تھا۔ اس نے اباجی کو بتایا کہ اس کو ایک ڈاکے میں بہت بڑی رقم ملی پولیس نے بہت تشدد کیا مگر کچھ نہ اگلوا سکی۔ اس نے کہا مولانا صاحب! وہ رقم میرے گھر پر رکھی ہے سزا پوری ہونے پر گھر جا کر عیش کی زندگی گزاروں گا جب تک آپ کی خدمت کرتا رہوں گا۔ وہ رقم جب ختم ہو جائے گی تو پھر ایک ڈاکہ ڈالوں گا اور آپ جیسے بزرگوں کی خدمت کے لئے پھر جیل میں آؤں گا تو مولانا! بتایئے میرا کیا بگڑا۔

☆☆☆☆

معروف شاعر سہیل کو میں نے پولیس سے چھڑوایا

کراچی کے ایک مشاعرے میں معروف نوجوان شاعر جناب سہیل شراب پی کر آگئے اور غل غپاڑہ شروع کر دیا۔ منتظمین مشاعرہ نے پولیس کو اطلاع دی وہ اسے اپنے ساتھ تھانے لے جانے لگی تو میں نے تھانیدار سے کہا تھانیدار جی! آپ قسم کھا کر بتائیں کہ آپ شراب نہیں پیتے۔ اس نے کہا ہاں میں پیتا ہوں۔ میں نے کہا تو پھر آپ کو کون پکڑے اور سزا دے۔ میں نے کہا آپ کا سارا زور ایک شاعر پر ہی چلتا ہے۔ تھانیدار ہنس پڑا اور سہیل کو چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆

جب سے عینک لگی نظر والی

ممتاز مزاح گو شاعر سرفراز شاہد کا ایک شعر ہے۔

جب سے عینک لگی ہے نظر والی
زہر لگنے لگی ہے گھر والی

سرفراز شاہد صاحب کی بیگم ایک کالج میں پڑھاتی ہیں۔ دوسری پروفیسرز نے کہا آپ کے شوہر ٹی وی پر یہ کیسے خراب شعر پڑھتے ہیں آپ ان کو منع نہیں کرتیں۔ میں نے بھابھی سے کہا اگر سرفراز یہ شعر پڑھنے سے باز نہ آئیں تو اس شعر کو خود یوں پڑھ کر سنایا کریں۔

جب سے چشمہ لگا نظر والا
زہر لگنے لگا ہے گھر والا

☆☆☆☆

راغب مراد آبادی کی فی البدیہہ رباعیاں

نیشنل ہائی وے اسکول کی ادبی تقریب میں حضرت راغب مراد آبادی نے فی البدیہہ رباعیاں سنائیں تو میں نے بھی برجستہ ایک قطعہ کہہ دیا۔

فی البدیہہ کہنے میں ان کا کوئی ثانی ہی نہیں
س قدر برجستگی سے کرتے ہیں وہ قیل و قال
حضرت راغبؔ کے بارے، میں کہا اک شخص نے
دیکھنا تم فی البدیہہ حضرت کا ہوگا انتقال

ضمیر جعفری اور پیٹھے کی مٹھائی

گورنر سندھ لیفٹیننٹ جنرل (ر) معین الدین حیدر جناب عطاء الحق قاسمی کا سفر نامہ پڑھ رہے تھے اس میں لکھا تھا کہ سیّد ضمیر جعفری کو پیٹھے کی مٹھائی بہت پسند ہے۔ انہوں نے فوراً دو کلو

پیٹھے کی مٹھائی منگوائی اور خود ملیر کینٹ جا کر ان کو پیش کی۔ ضمیر صاحب خوش بھی ہوئے اور حیران بھی۔

☆☆☆☆

ایک والد کی اپنے بیٹے سے بے تکلفی

ذوالفقار (ذلفی) ہمارا دوست تھا ایک روز اس کے والد کو کسی نے بتایا کہ آپ کا بیٹا کسی لڑکی کے ساتھ انار کلی میں گھوم رہا تھا۔ شام کو گھر پہنچنے پر والد نے پوچھا بیٹا! آج کہاں کہاں گئے۔ ذلفی نے جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ والد نے کہا بیٹا! آج تم جس لڑکی کے ساتھ انار کلی میں چکر لگا رہے تھے وہ کون تھی۔ ذلفی خاموش رہا۔ والد نے کہا بیٹا! اُسے تم کسی اچھے سے ریسٹورینٹ میں لے جا کر کچھ کھلاتے پلاتے تو اُسے پتہ چلتا کہ یہ کسی رئیس زادے کا بیٹا ہے تم نے تو میری ناک کٹوا دی۔

☆☆☆☆

کار میں ہارٹ اٹیک

میں گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا ایم اے جناح روڈ پر جا رہا تھا کہ مجھے سینے میں شدید درد اُٹھا۔ میں گاڑی چلاتا رہا اور میڈیکل اسٹور کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھتا گیا۔ ایک میڈیکل اسٹور کے سامنے میں رکا اور کیمسٹ کو کار میں بیٹھے بیٹھے اشارے سے کہا کہ زبان کے نیچے رکھنے والی گولی لے کر آؤ۔ وہ بھاگا بھاگا پاس آیا اور کہا یہ دوا تو میرے پاس نہیں ہے۔ اتنی دیر میں ایک ٹریفک کانسٹیبل میرے پاس آیا اور کہا یہاں پارکنگ نہیں ہے گاڑی ہٹاؤ۔ کیمسٹ نے کہا انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے درد کم ہوتے ہی ہٹالیں گے مگر وہ چیخ چیخ کر کہتا رہا جلدی گاڑی ہٹاؤ۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسی درد کی حالت میں ہسپتال پہنچا۔ ایمرجنسی کے ڈاکٹر نے بتایا کہ آپ کو ہسپتال میں داخل ہونا پڑے گا۔ کچھ روز بعد میں گھر آیا تو ڈی آئی جی ٹریفک کو فون پر

سپاہی کی بد تمیزی کی اطلاع دی۔انہوں نے کہا قاسمی صاحب! آپ تھوڑی دیر کے لئے میرے دفتر میں تشریف لائیں میں چاہتا ہوں کہ آپ کی موجودگی میں اس کی بیلٹ اتاری جائے۔میں نے کہا نہیں۔آپ اسے تنبیہ کر دیں تاکہ وہ آئندہ محتاط رہے۔اس طرح کے کئی چھوٹے موٹے ہارٹ اٹیک مجھے کار چلاتے ہوئے ہی ہوئے۔بعض اوقات تو ایسا ہوا کہ کار وہیں روک دی اور ٹیکسی اشارے سے بلا کر اس کی مدد سے ہسپتال پہنچا۔

☆☆☆☆

رستم زماں گاما پہلوان

رستم زماں گاما پہلوان میو ہسپتال لاہور کے البرٹ وکٹر وارڈ میں زیر علاج تھے۔میں ان کو دیکھنے ہسپتال پہنچا اس بیماری نے ان کو بہت لاغر کر دیا تھا۔میں نے ان سے پوچھا پہلوان جی! یہ بتایئے کہ اس حالت میں آپ میں کتنی طاقت ہے بولے بیٹا! طاقت واقت کہاں۔اب تو جانے کی تیاری ہے۔میرے اصرار پر انہوں نے بتایا کہ آج صبح ایک نوجوان ڈاکٹر میرے پاس آیا اور کہا پہلوان جی! ذرا کھڑے ہو جائیں میں نے کہا ڈاکٹر صاحب! مجھ میں اتنی ہمت کہاں ۔ڈاکٹر نے کہا میرے کندھے کا سہارا لے کر کھڑے ہو جائیں میں نے ڈاکٹر کے کندھے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ نیچے بیٹھ گیا۔رستم زماں سے یہ میری پہلی اور آخری ملاقات تھی۔

☆☆☆☆

بس ڈرائیور سو گیا

صدر ایوب خان کے زمانے میں حیدر آباد سے کراچی سپر ہائی وے تعمیر ہوئی۔سڑک اتنی ہموار اور کشادہ تھی کہ تیز رفتار بسیں ڈیڑھ سو کلو میٹر کا فاصلہ ایک گھنٹے میں طے کر لیتی تھیں۔ایک روز میں اور میرے دوست زیدی صاحب ایک بس میں کراچی کے لئے روانہ ہوئے۔صبح ۶ بجے کا وقت تھا ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔بس کراچی کی جانب رواں دواں تھی۔بس کا سفر کرتے ہوئے مسلسل میں ڈرائیور کی حرکات و سکنات دیکھتا رہتا ہوں۔میں اس

وقت بھی ڈرائیور کو غور سے دیکھ رہا تھا ڈرائیور سو چکا تھا۔ میں نے زیدی صاحب سے کہا دیکھئے وہ سو گیا ہے۔ میں اور زیدی صاحب دونوں بیک وقت چیخے۔ دوسرے مسافروں نے بھی شور کیا۔ سامنے سے ایک ٹرالر آ رہا تھا۔ ڈرائیور نے آنکھیں کھولیں اور اس طرح ہم ایک بہت بڑے حادثے سے بچ گئے۔ ہم نے بس کو روک لیا اور سب نیچے اُتر آئے۔ ڈرائیور نے کہا اب میں نہیں سوؤں گا مجھے معاف کر دیں۔ ہم نے کنڈکٹر کو ڈرائیور کے ساتھ بٹھایا اور کہا کہ تم دونوں سگریٹ پیتے رہو اور باتیں بھی کرتے جاؤ۔ آپ کو شاید یقین نہیں آئے گا کہ ڈرائیور کچھ دیر بعد پھر سو گیا اور بس سڑک سے اُتر کر کچے میں چلی گئی۔ کچھ مسافر اس بوڑھے ڈرائیور کو مارنے لگے تو میں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ آخر بس کراچی پہنچی۔ میں سیدھا ٹرانسپورٹ کے ہیڈ آفس میں جا کر چیئر مین صاحب سے ملا ان کو پورا واقعہ سنایا انہوں نے وعدہ کیا کہ اس ڈرائیور کے خلاف ایکشن لیا جائے گا مگر بعد میں پتہ چلا کہ چیئر مین صاحب نے اس بات کا نوٹس ہی نہیں لیا۔

☆☆☆☆

افتخار عارف کا شعر یوسفی صاحب کی پیروڈی

محترم مشتاق احمد یوسفی نے راقم الحروف کو فون کیا اور فرمایا کہ آج صبح افتخار عارف کے ایک شعر کی پیروڈی کی ہے ذرا وہ سن لو۔

افتخار عارف کا شعر

مٹی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے
وہ قرض اتارے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

یوسفی صاحب......

پانی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے
وہ غسل اتارے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

☆☆☆☆

انور شعور کے شعر کی پیروڈی

ممتاز شاعر انور شعور نے اپنے ایک شعر کی پیروڈی مجھے سنائی تاکہ "ظرافت" میں شائع کی جائے۔ میں نے پوچھا یہ پیروڈی کس نے کی ہے تو وہ ہنس دیئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ شعر بھی انہی کا ہے اور پیروڈی بھی انہی کی۔

اچھا خاصہ بیٹھے بیٹھے گم ہو جاتا ہوں
اب میں اکثر میں نہیں رہتا تم ہو جاتا ہوں

پیروڈی۔

اچھا خاصہ بیٹھے بیٹھے ٹن ہو جاتا ہوں
اب میں اکثر میں نہیں رہتا ان ہو جاتا ہوں

☆☆☆☆

میرا داماد ڈاکوئوں سے بھڑ گیا

میری بیٹی 'نواسہ اور داماد مبین پیرزادہ امریکہ گئے تو ایک بازار میں سے گذرتے ہوئے پانچ لٹیروں نے انہیں گھیر لیا اور ان کی کمر پر بندھی بیلٹ جس میں ۵ ہزار ڈالر تھے چھین کر فرار ہو گئے۔ مبین اس ڈاکو کے پیچھے بھاگا جس کے پاس وہ بیلٹ تھی۔ اس نے اسے بھاگتے ہوئے کک مار کر نیچے گرادیا اور بیلٹ واپس چھین لی۔ ڈاکو پھر اس کے پیچھے بھاگے اتنے میں سامنے سے پولیس آگئی اور ڈاکو بھاگ گئے۔

☆☆☆☆

بحرین کسٹم نے کتابیں روک لیں

بحرین کے مشاعرے میں راقم الحروف 'سلیم کوثر اور ریحانہ روحی شرکت کے لئے پہنچے تو بحرین کسٹم نے میری کتاب کے چند نسخے روک لئے اور کہا ہمارا محکمہ تعلیم اس کتاب کو چیک

کر کے این۔او۔ سی دیگا تو آپ کو کتاب واپس کر دی جائے گی۔ دو روز بعد کتاب مل گئی جو دو سال تک مشاعرے کے آرگنائزر کے پاس پڑی رہی ان تمام نسخوں کی قیمت ۴ ہزار روپے پاکستانی بنتی ہے۔

☆☆☆☆

ڈاکٹر بشیر بدر کی امریکہ میں بد مستیاں

امریکہ کے عالمی مشاعروں میں شرکت کے لئے پاک و ہند کے کئی شعرا پہنچے۔ امریکہ کے ۱۴ شہروں میں مشاعرے منعقد ہوئے۔ ڈاکٹر بشیر بدر ہمارے ساتھ تھے۔ ہر مشاعرے کے آرگنائزر سے کہتے کہ وہ مشاعرے کا نذرانہ الگ وصول کریں گے اور نظامت کا معاوضہ بھی لیں گے وہ زبردستی مشاعروں کی نظامت سنبھالتے رہے۔ جس گھر میں جاتے صاحب خانہ کے بک شیلف میں اپنے مجموعے تلاش کرتے۔ صاحب خانہ سے یہ نسخے عاریتاً مانگ لیتے اور مشاعروں میں جاکر ۲۰ ڈالر فی نسخہ بیچ دیتے۔ دوستوں میں بیٹھ کر گندی گفتگو کرتے یہاں تک کہ اپنی بیگم کے بارے میں بھی بہت خراب باتیں سناتے۔ وہ اپنی بیماری کا تذکرہ کر کے لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹ کر پیسے مانگتے۔ ہر مشاعرے میں اپنی ۱۲...... ۱۲ غزلیں سناتے اور دوسرے شعرا سے اختصار کی اپیل کرتے۔ وہ میزبانوں کو بتاتے کہ ان کی لئے پرہیز کا کھانا یعنی دال اور چاول بنائیں اور باقی شعرا کے لئے بھی یہی کچھ ہو۔ وہ منتظمین سے شعرا کی شکائتیں کرتے اور کوشش کرتے کہ ان کا نام فہرست میں شامل نہ ہو۔ وہ ہندوستان میں نفسیاتی ہسپتال میں زیر علاج تھے کہ ان کو امریکہ کا دعوت نامہ ملا اور وہ بیماری کی حالت میں امریکہ پہنچ گئے۔ کراچی میں بھی ان کی حرکات ایسی ہی رہیں۔ منتظمین سے اپنی بیٹی کا ائیر ٹکٹ مانگتے۔ جو معاوضہ مقرر ہوتا اس سے زیادہ زبردستی وصول کرتے۔ ہندوستان میں یہ اکثر اپنی موت کی خبر اخباروں میں شائع کراتے رہتے ہیں اور پھر تردید کی خبر بھی شائع کراتے ہیں۔

☆☆☆☆

دبئی کے مشاعرے میں دلکش آفریدی کی وارداتیں

ہندوستان کے مزاح گو شاعر دلکش آفریدی جو اچھل کود کے ساتھ مشاعرہ پڑھتے ہیں دبئی کے مشاعرے میں آئے تو لوگوں پر یہ تاثر ڈالا کہ وہ ایک روحانی شخصیت ہیں وہ لوگوں کو تعویز لکھ کر دیتے رہے اور نذرانہ مانگتے رہے۔ان کے پاس یتیم خانے کی رسیدیں بھی تھیں جس کے لئے وہ چندہ بھی جمع کرتے رہے۔ خواتین کو ان کی گھریلو ناچاکی کی خبر دے کر ان کا زائچہ بنا کر بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے رہے۔ ہوٹل کی خاتون منیجر جو ان کے دام میں تقریباً پھنس چکی تھی میں نے رہائی دلائی۔ وہ کچھ شیلڈز اور سرٹیفکیٹ اپنے ساتھ بنوا کر لائے تھے اور شعرا میں تقسیم کرنا چاہتے تھے تا کہ اس کا معاوضہ وصول کر سکیں مگر کوئی شاعر ان کے چکر میں نہ آیا۔

☆☆☆☆

میں انگریز کے مکان میں گھس گیا

امریکہ کے شہر سنسناٹی کے مشاعرے میں شرکت کیلئے جانا ہوا تو منتظمین ایک مکان میں سب شعرا کو لے گئے اور پھر قریب قریب کے مکانوں میں شعرا کو الگ الگ قیام کے لئے بھیج دیا گیا ۔میں بھی چند قدم کے فاصلے پر واقع ایک مکان میں اپنا سامان لے گیا۔ شام کو خیال آیا کہ جس مکان میں ہم اترے تھے اس کے صاحب خانہ سے جا کر ملاقات کی جائے۔ وہاں سب مکان ایک جیسے ہی تھے سب کے عقب میں گیراج تھا۔ میں ایک گیراج کے اندر چلا گیا اور ایک دروازے پر لگی کال بیل کا بٹن دبادیا وہ کال بیل کا بٹن نہ تھا بلکہ آٹو میٹک شٹر کا بٹن تھا جس سے گیراج کا شٹر بند اور کھلتا تھا۔ بٹن دباتے ہی شٹر نیچے گرنا شروع ہوا تو اندر سے کتے کے بھو نکنے کی آواز آئی۔ شٹر نیچے کی طرف آرہا تھا اور میں بھاگ کر اس کے نیچے سے نکل کر اپنی قیام گاہ میں

واپس آ گیا۔بعد میں پتہ چلا کہ یہ گھر کسی انگریز کا تھا۔اگر میں گیراج کے اندر بند ہو جاتا تو وہ انگریز اور اس کا کتا مجھے پھاڑ دیتے۔

☆☆☆☆

احسان فراموش کلرک

کراچی یونیورسٹی کے ایک کلرک نے مجھ سے کہا کہ اس کی بہن اندرون سندھ ایک گاؤں میں سرکاری ملازم ہے۔اس کی شادی ہونے والی ہے۔ہم نے بہت کوشش کی کہ شادی سے پہلے کراچی اس کا تبادلہ ہو جائے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ قاسمی صاحب!اگر ہماری بہن کا تبادلہ کراچی نہ ہوا تو اس کی شادی نہ ہو گی آپ کوشش کر کے ہمارا یہ کام کروا دیں۔میں نے اس سلسلے میں چیف سیکرٹری سندھ سے ملاقات کی اور ان سے گذارش کی کہ یہ نیک کام جلد از جلد ہو جائے ۔انہوں نے اسی وقت اس لڑکی کے تبادلہ کے احکامات جاری کر دیئے۔وہ لڑکی کراچی آ گئی اور اس کی شادی ہو گئی۔ایک روز مجھے یونیورسٹی کے اندر گاڑی لے جانے کا پاس بنوانا تھا میں اسی کلرک کے پاس گیا تو اس نے میری درخواست میں کیڑے نکالنے شروع کر دیئے اور پاس نہ بنایا میں اس کام کے لئے پی۔اے کے پاس چلا گیا اور اسی وقت میرا کارڈ بن گیا مجھے اس کلرک کی احسان فراموشی پر بہت دکھ ہوا۔

☆☆☆☆

جسٹس منیر اور جسٹس کیانی کی عدالت

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے کئی رہنما گرفتار ہوئے ان پر جسٹس منیر اور جسٹس کیانی کی عدالت میں مقدمہ چلا۔امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری جب کمرۂ عدالت میں داخل ہوئے تو سینکڑوں حاضرین نے ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگائے۔جسٹس صاحبان نے خاموش ہو جانے کا حکم دیا مگر لوگ چپ نہ ہوئے۔آخر شاہ صاحب کے ایک اشارے سے سامعین اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔عدالت نے پوچھا آپ غلام احمد قادیانی کو کافر سمجھتے ہیں

۔شاہ صاحب نے کھڑے ہو کر جواب دیا کہ میں مرزا کو کافر سمجھتا ہوں۔اس پر عدالت میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور عدالت ان کو خاموش کرانے میں ناکام رہی۔اس عدالت کی کاروائی مہینوں چلتی رہی اور میں باقاعدہ عدالت میں بیٹھ کر یہ کاروائی سنتا رہا۔

☆☆☆☆

مولانا مظہر علی اظہر بھی عدالت میں پیش ہوئے

متذکرہ بالا عدالت عالیہ میں مجلس احرار اسلام کے لیڈر مولانا مظہر علی اظہر بھی پیش ہوئے ۔عدالت نے ان سے پوچھا! آپ نے کبھی قائداعظم کو کافرِ اعظم کہا تھا تو انہوں نے کہا ہاں میں نے کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں کیونکہ انہوں نے کورٹ شپ کی تھی اور عدالت کو بیان دیا تھا کہ ان کا اور انکی ہونے والی بیوی کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔میرے بیان پر اگر وہ تردید کر دیتے تو میں ہاتھ جوڑ کر ان سے معافی مانگتا مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔کمرۂ عدالت میں ایسا ہنگامہ برپا ہوا کہ لوگوں نے کھڑکیوں کے شیشے اور کرسیاں توڑ دیں۔دوسرے روز اخبارات نے مولانا کے خلاف اداریے اور کالم لکھے۔

☆☆☆☆

علامہ کفایت حسین عدالت میں

شیعہ راہنما علامہ حافظ کفایت حسین بھی عدالت میں پیش ہوئے عدالت نے ان سے پوچھا کہ بعض شیعہ حضرات قرآن پاک کو مکمل کتاب نہیں مانتے اس بارے میں آپ کیا کہیں گے ۔علامہ نے عدالت کو جواب دیا کہ میں قرآن پاک کو مکمل کتاب سمجھتا ہوں۔

☆☆☆☆

نماز استسقا کی قبولیت

امر تسر کے سکتری باغ میں میرے والد گرامی عیدین کی امامت کرتے تھے دوبار ایسا ہوا کہ شہر کے لوگ اس باغ میں جمع ہوئے اور نماز استسقا پڑھی۔ نماز کے بعد دعا کے دوران ہی بارش شروع ہو گئی اور ہم گھر تک پہنچتے پہنچتے بھیگ چکے تھے۔

☆☆☆☆

جمیل اختر خان اور سحر انصاری

ممتاز شاعر رضی اختر شوقؔ کے شعری مجموعے کی تقریب رونمائی میں سحر انصاریؔ اور میں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے جمیل اختر خان صاحب آگے والی سیٹ پر تھے اور مڑ مڑ کر سحر انصاری سے باتیں کر رہے تھے۔ سحر انصاریؔ نے ان سے کہا بھائی گردن تھک جائے گی پیچھے آجاؤ۔ میں نے کہا انہیں مڑنا نہیں پڑ رہا بلکہ انہوں نے شیروانی الٹی پہن رکھی ہے۔ دونوں نے اس جملے کو انجوائے کیا۔

☆☆☆☆

عبیر ابو ذری ایک مزاح گو شاعر

بابا عبیر ابو ذری پنجابی اور اردو کے مزاح گو شاعر تھے پی ٹی وی کے ایک مزاحیہ مشاعرے سے پہلے میں نے ان سے پوچھا آپ کی عمر کیا ہے تو انہوں نے کہا ۹۲ سال (ان کی عمر ۸۰ سال سے زیادہ نہ تھی) میرے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ انکے دائیں گھٹنے میں درد رہتا ہے ڈاکٹر کو دکھایا تو اس نے کہا بابا جی ۹۲ سال کی عمر میں درد ہوتا ہے۔ بابا جی نے ڈاکٹر صاحب سے کہا میرا بائیاں گھٹنا بھی ۹۲ سال کا ہے۔

☆☆☆☆

پولیس کے مشاعرہ میں پولیس کے خلاف نظم

کراچی پولیس نے ایک کل پاکستان مشاعرہ طنز و مزاح کا اہتمام ہوٹل پرل کانٹی نینٹل میں کیا ۔مشاعرے کی صدارت آئی جی سندھ جی معین الدین نے کی۔ مشاعرے میں تمام پولیس افسران موجود تھے۔بابا عبیر ابوزری نے پنجابی کی ایک نظم ان کے سامنے پڑھ ڈالی۔

پولس نوں ایویں آکھاں چور تے فیدہ کی
بُوتھی ہو جائے ہوردی ہور تے فیدہ کی
پچھوں کردا پھراں ٹکور تے فیدہ کی

(پولیس کے چور کہنے کا کیا فائدہ۔بعد میں میرا منہ سوج جائے گا سکائی کرنی پڑے گی)

آئی جی صاحب اور دیگر افسران نے اس کا بہت برا مانا اور مجھ سے کہا کہ یہ آپ کی ذمہ داری تھی کہ سوچ سمجھ کر شعرا کو بلاتے۔

☆☆☆☆

مشاعرے میں ایک قادیانی ناراض ہو گیا

یوم تکبیر کے سلسلے میں ہاؤس بلڈنگ فائینینس کارپوریشن کی جانب سے جناب صدیق الفاروق مینیجنگ ڈائریکٹر نے ہوٹل پرل کانٹی نینٹل میں ایک کل پاکستان مشاعرے کا اہتمام کیا میں نے نظامت کے دوران ایک واقعہ سنایا تو ایچ بی ایف سی کے ایک ڈائریکٹر جو قادیانی تھے مجھ سے ناراض ہو گئے اور مشاعرے سے واک آوٹ کر گئے۔واقعہ یہ تھا۔

مولانا ظفر علی خان سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں ایک اخبار نکالنا چاہتا ہوں آپ کا کیا مشورہ ہے مولانا نے اسے منع کیا کہ یہ کام نہ کرو اخبار نکالنا اتنا مشکل ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت چل پڑی مگر ان کا اخبار ”الفضل“ نہ چل سکا۔

☆☆☆☆

اے صدر مجھے ماں کی طرح گود میں لے لے

امریکہ کے شہر لانگ آئی لینڈ میں شب قہقہہ کا اہتمام کیا گیا صدارت میری تھی اور مہمان خصوصی خالد عرفان تھے۔ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبد نظامت کے دوران خالد عرفان کو مہمان خصوصی کہنا بھول گئے خالد نے میری طرف مخاطب ہو کہ کہا۔

اے صدر مجھے ماں کی طرح گود میں لے لے
مہمان خصوصی . کا بدن ٹوٹ رہا ہے

☆☆☆☆

امریکہ میں ناظم مشاعرہ بھاگ گیا

امریکہ کے سان فرانسکو کے وڈ سائڈ جنگل میں بڑے بڑے رؤسا اپنے محلات بنا کر رہتے ہیں ۔قریشی صاحب کا محل ۱۲ ایکڑ پر مشتمل ہے۔انہوں نے ایک مشاعرے کا اہتمام کیا ۔مشاعرے کے اختتام پر وہ ۴۵ کمروں کے عظیم الشان مکان میں گم ہو گئے تاکہ شعرا کو معاوضہ نہ دینا پڑے حالانکہ ان سے معاوضہ طے پا گیا تھا۔انہوں نے کھانا بھی بازار سے منگوایا اور اسے بھی ادائیگی بھی نہ کی۔ڈاکٹر بشیر بدر نے کہا آپ لوگ جائیں میں ان سے پیمنٹ لے لوں گا۔اگلے روز صبح ہماری دوسرے شہر کی فلائٹ تھی ہم ڈاکٹر بشیر بدر کو لینے آئے تو قریشی صاحب پھر بھی سامنے نہ آئے۔بشیر بدر وہاں سے ایک ہزار ڈالر وصول کر چکے تھے۔

☆☆☆☆

شادی کے لئے دھوکہ

ہمارے ایک بذرگ دوست نے ہم سے کہا کہ ان کی بیٹی کے لئے ایک رشتہ آیا ہے آپ اگر لڑکے کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر سکیں تو آسانی سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے ۔اس لڑکے کا دعوی تھا کہ وہ اپنے محکمہ میں انجینئر اور کنوارہ ہے۔میں نے اس محکمہ کے بتزل

منیجر سے فون پر کہا آپ اس لڑکے کے بارے میں کچھ بتائیں تو انہوں نے مکمل معلومات حاصل کیں اور مجھے بتایا کہ وہ شخص انجینئر نہیں لائین مین ہے شادی شدہ ہے اور ۷ بچوں کا باپ ہے۔ ہمارے بذرگ دوست یہ سن کر سکتے میں آگئے وہ حیران تھے کہ لوگ اتنا جھوٹ کیوں بولتے ہیں۔

☆☆☆☆

ڈاکٹر انعام احسن حریف۔ زندہ درگور

ڈاکٹر انعام احسن حریف اچھے مزاح گو شاعر تھے انتہائی خوبصورت شخصیت کے مالک مگر ہکلاتے تھے۔ آنکھوں کے معالج تھے اپنے زمانے کے مزاحیہ مشاعروں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔ میری رہائش حیدر آباد میں تھی اور ان کی کراچی میں۔ "ظرافت" میں ان کا کلام شائع کرنے کے لئے ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ کراچی آکر ان کے احباب ،شعرا اور عزیزواقارب سے ان کا پتہ پوچھا مگر سب گول کر گئے۔ یہ صورت احوال دیکھ کر ہماری جستجو اور بڑھی۔ ۵ سال بعد ہم کراچی شفٹ ہو گئے۔ ایک روز طارق روڈ پی ای سی ایچ ایس پر واقع ایک مکینک سے ہم اپنی گاڑی ٹھیک کرانے گئے تو سامنے والے مکان پر ڈاکٹر صاحب کی نیم پلیٹ نظر آئی۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ ڈاکٹر علالت کے باعث کہیں اور شفٹ ہو گئے ہیں۔ ان کی بیگم اور بیٹی یہاں ہیں۔ ہم نے ان کو کئی خطوط لکھے کہ ڈاکٹر صاحب اگر بیمار ہیں تو ان کا کلام ہی ہمیں دے دیجئے مگر کوئی جواب نہ آیا۔ ایک روز پتہ چلا کہ کہ ڈاکٹر صاحب واپس اسی مکان میں آگئے ہیں مگر بول چال کے لائق نہیں ہیں۔ ان کی بیگم صاحبہ نے میری ان سے ملاقات کرادی مگر وہ پوری طرح ہوش میں نہ تھے میں نے بیگم صاحبہ سے گلہ کیا کہ آپ نے کبھی میرے خط کا جواب بھی نہ دیا کہنے لگیں کہ اتنا وقت ہی کہاں ملتا ہے چند روز بعد ڈاکٹر صاحب انتقال کر گئے۔ اِنَّالِلہِ واِنَّااِلَیہِ راجعون!

☆☆☆☆

بھارت کے مسلمان کی حب الوطنی

دہلی کے عالمی مشاعرے میں شرکت کے لئے بھارت جانا ہوا تو دہلی کی بادشاہی مسجد کی سیڑھیوں کے سامنے ایک مسلمان سگرٹ فروش سے جا کر کہا مجھ سے ۵۵۵ برانڈ کے سگرٹ لے لو اور پاکستانی گولڈ لیف سگرٹ دے دو۔حالانکہ ۵۵۵ مہنگا تھا اور گولڈ لیف سستا۔دکاندار نے پوچھا کہ گولڈ لیف ہی کیوں میں نے کہا یہ پاکستان میں بنتا ہے اور مجھے سوٹ کرتا ہے۔یہ سن کر وہ غصے میں آگیا اور کہنے لگا آپ پاکستانیوں کی یہ عادت سی بن گئی ہے کہ اپنے ملک کی مصنوعات کی تعریف کرتے ہیں اور دوسروں کی تنقیص۔میں نے کہا میں نے تو کسی کی برائی نہیں کی۔مگر اس کا پارہ چڑھتا ہی چلا گیا جیسے میں نے اس کی کوئی خاص رگ دبادی ہو۔بس اگر میں وہاں سے کھسک نہ لیتا تو شاید وہ میری پٹائی کرتا۔

☆☆☆☆

بھارت کے شعرا کی وطن دوستی

دہلی کے عالمی مشاعرے میں سیدّ ضمیر جعفری نے اپنے صدارتی خطبے میں کہیں کشمیر کا ذکر کر دیا اور یہ ذکر صرف حوالے کے طور پر تھا کسی مناقشے کی شکل میں نہیں۔اسی تقریر کے دوران بھارت کے دس بارہ مسلمان شعرا مشاعرہ گاہ سے احتجاجاً اُٹھ کر چلے گئے اور بھارت کے سفیر بھی ان کے ساتھ ہی نکل گئے۔دوسرے روز پاکستانی سفیر نے تمام شعرا کے اعزاز میں لنچ کا اہتمام کیا تھا مگر ان شعرا نے اس دعوت کا بھی بائیکاٹ کیا۔یہ حب الوطنی ہے یا شاہ سے زیادہ شاہ سے وفاداری۔

☆☆☆☆

انبالہ کے مشاعرے میں ناظمین کی بد عہدی

راجندر ملہوترہ کی دعوت پر انبالہ کے مشاعرے میں شرکت کے لئے بھارت جانا ہوا۔ پاکستانی شعرا کی تعداد ۸......۱۰ تھی۔ مشاعرے کے اختتام پر ملہوترہ صاحب ہماری رہائش گاہ پر دو روز تک نہیں آئے ہمیں تشویش ہوئی کیونکہ ہمیں دہلی کے مشاعرے میں شرکت کے لئے جانا تھا۔ وہ ایک روز آئے مگر باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ شعرا کو نذرانہ نہیں دیں گے۔ میں نے اپنے شعرا سے یہ بات کرلی تھی کہ اگر ایسا ہوا تو آگے ہو کر یہ لڑائی میں لڑوں گا آپ صرف اخلاقاً میرے ساتھ رہیں گے۔ ملہوترہ صاحب نے سب کو نذرانہ دیا مگر نہ ہونے کے برابر۔ میں نے سب شعرا سے لفافے واپس لے کر ملہوترہ صاحب کو دے دئے کہ یہ ہماری طرف سے آپ کے شام بہار ٹرسٹ کے لئے چندہ ہے۔ ملہوترہ صاحب نے وہ لفافے بھی رکھ لئے۔ مگر بعد میں ہمارے تمام شعرا ان سے جا کر ملے اور کہا آپ کی محبت ہی کافی ہے آپ مشاعرے میں بلا لیتے ہیں کیا یہ کم ہے۔ ان شعرائے اسی رقم پر قناعت کرلی مگر میں نے طے شدہ پورا نذرانہ اور کرایہ وصول کیا۔

☆☆☆☆

رات کے وقت درختوں میں سے آوازیں

۱۹۴۸ئمیں ہمارا قیام راولپنڈی میں بھی ہوا۔ ایک شام کو ہم سب دوست مل کر ایک پارک میں گئے کئی گھنٹے وہاں گذرے۔ خوب غل غپاڑہ کیا۔ جب رات ہو گئی تو ایک درخت میں سے آواز آئی تم یہاں سے جاؤ گے نہیں۔ ہم نے زیادہ توجہ نہ دی تو آواز تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی اور ہم سب کے نام لے لے کے چلے جانے کو کہتی رہی۔ ہم اتنا ڈر گئے کہ وہاں سے بھاگے اور گھر آکر دم لیا۔

☆☆☆☆

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی خطابت

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے دوران بڑے بڑے جلوس اور جلسے لاہور میں منعقد ہوتے تھے میں شاہ صاحب کی تقریر سننے کے لئے سب سے پہلے پہنچ کر اسٹیج کے قریب بیٹھ جاتا تھا۔شاہ صاحب کے ہاتھ میں کلہاڑی ہوتی تھی جس کے دو منہ ہوتے۔ سر پر چوڑی ٹوپی جس پر ختم نبوت کا بیج لگا ہوتا۔اسٹیج پر میز رکھ کر اس پر بیٹھ کر وہ تقریر کرتے تھے یہ تقریر عشاء کی نماز سے لیکر صبح کی اذان تک ہوتی۔ لاہور کے لکشمی چوک میں ختم نبوت کے جلسے میں انہوں نے تقریر کے دوران خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا خواجہ صاحب! یہ میری ٹوپی کسی بادشاہ کے سامنے نہیں جھکی آج میں یہ آپ کے قدموں میں رکھ کر درخواست کرتا ہوں کہ میرے سائیں (رسول اللہ ﷺ) کی عزت بچالیں میں آپ کے سئور پالا کروں گا میں آپ کے کتوں کو نہلایا کروں گا میں ان کو دودھ پلایا کروں گا۔ خواجہ میرے سائیں کی عزت بچالے۔ شاہ صاحب کی تقریر کے دوزان یہ جملے سن کر لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

پاکستان بننے سے پہلے شاہ صاحب نے ایک جلسے میں قائداعظم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا اے قائد! میں نے پاکستان کا نقشہ دیکھا ہے جو دو حصوں مشرقی اور مغربی پاکستان پر مشتمل ہوگا۔ بیچ میں ایک ہزار کا فاصلہ ہے یہ ہندو بنیا ہم دونوں کو نہیں ملنے دے گا۔ تھوڑی سی تگ ودواور کی جائے تو یہ نقشہ تبدیل ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆

مولنا مودودی کی تقریر کے دوران فائرنگ

صدر ایوب خان کے زمانے میں جماعت اسلامی کو موچی دروازے کی بجائے بھاٹی دروازے کے باہر کے ایک باغ میں جلسہ کرنے کی اجازت ملی۔ لاؤڈ اسپیکر کی ممانعت کردی گئی تھی۔ لہذا مولنا کی تقریر دور دور تک بیٹھے سامعین تک پہنچانے کے لئے تھوڑے تھوڑے

فاصلے پر میز رکھے گئے تھے جن پر چڑھ کر جماعت کے کارکنان مولنا کی تقریر کے جملے دہراتے تھے۔ مولنا کی تقریر کے دوران ایک شخص نے مولنا پر گولیاں برسائیں مولانا بدستور کھڑے رہے لوگوں نے انہیں بٹھانے کی کوشش کی مگر انہوں نے فرمایا آج اگر میں بیٹھ گیا تو سب بیٹھ جائیں گے زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی دوران جماعت کا ایک کارکن جس کا نام شاید اللہ بخش تھا مولانا کو بچانے ان کے سامنے ڈھال بن گیا۔ اور گولیوں کا نشانہ بن گیا۔ جلسہ بکھر گیا۔ جماعت اسلامی کے شامیانے اور کیمپ اکھاڑ دیے گئے اور ان میں آگ لگادی گئی۔

☆☆☆☆

مشاعرہ الٹ دیا گیا

فیڈرل بی ایریا کراچی کے ایک پارک میں پاک وہند مشاعرہ منعقد ہوا۔ میں نظامت کے فرائض انجام دے رہا تھا کہ مشاعرہ گاہ میں پولیس داخل ہوئی اور مجھے گاڑی میں بٹھا کر ایس ایس پی کے دفتر میں لے گئی۔ ایس ایس پی نے مجھے بتایا کہ منتظمین مشاعرہ کے مخالفین نے دھمکی دی ہے کہ اگر مشاعرہ روکا نہ گیا تو وہ خود اسے روک لیں گے۔ لہذا آپ لوگوں کو سمجھا بجھا کر مشاعرے کے اختتام کا اعلان کر دیں۔ میں نے واپس اسٹیج پر آکر یہ اعلان کر ڈالا کہ امن وامان کی حالت ٹھیک نہیں ہے لہذا مشاعرہ ملتوی کیا جاتا ہے۔

☆☆☆☆

انور شعور نے مشاعرہ بگاڑ دیا

فیڈرل بی ایریا کراچی کے میونسپل پارک میں جماعت اسلامی کے زیرِ اہتمام ایک شاندار مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ جماعت کے کئی رہنما اسٹیج پر موجود تھے۔ انور شعور صاحب کو کلام سنانے کی دعوت دی گئی۔ وہ مائیک پر آئے مگر اپنا کلام نہ پڑھ سکے بلکہ بڑبڑاہٹ کے انداز میں سامعین سے مخاطب ہوتے رہے۔ نہ جانے وہ کس کیفیت میں تھے۔ ناظمین مشاعرہ اور

جماعت کے رہنماؤں نے انہیں بہت سمجھایا کہ مشاعرہ خراب نہ کریں وہ جولاً ان رہنماؤں کو گالیاں دینے لگے۔ آخر ان کو وہاں سے اُٹھا کر مشاعرہ گاہ سے رخصت کیا گیا۔

☆☆☆☆

جلسہ گاہ میں ٹرک اور بسیں داخل کر دیں

لطیف آباد۔ ۲ حیدر آباد کے ایک بڑے سیاسی جلسے میں تمام سیاسی جماعتوں کے رہنما جمع تھے ۔ جلسے میں ہزاروں سامعین موجود تھے کہ اچانک بجلی کاٹ دی گئی۔ اندھیر اگھپ ہو گیا۔ لاؤڈ اسپیکر خاموش ہو گیا۔ جلسہ گاہ میں کئی ٹرک اور بسیں داخل کر دیں گئیں۔ لوگ ان سے بچنے کے لئے جلسہ گاہ سے بھاگے۔ اسٹیج پر بھی حملہ کر دیا گیا۔ میں نے سیاسی رہنماؤں کو جوتے چھوڑ کر وہاں سے بھاگتے دیکھا۔

☆☆☆☆

مولنا عبدالستار نیازی کا فرار

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران تحریک کے رہنماؤں نے مسجد وزیر خان لاہور کو اپنا مرکز بنا رکھا تھا۔ مسجد کے نیچے تہہ خانے میں یہ رہنما قیام پذیر تھے تقریر کے وقت وہ باہر آجایا کرتے تھے ۔ مسجد کے باہر فوج کا کنٹرول تھا۔ سیاسی و مذہبی رہنماؤں میں میرے والد مکرم حضرت مولنا بہاؤالحق قاسمی کے علاوہ مولنا عبدالستار نیازی بھی شامل تھے۔ فوج نے مسجد کی لائیٹ اور پانی کاٹ دیا تو اندر رہنا مشکل ہو گیا۔ مولنا عبدالستار نیازی راتوں رات داڑھی مونچھیں منڈوا کر برقع اوڑھ کر مسجد وزیر خان سے نکل گئے۔ بعد میں شہر قصور سے اپنے ایک دوست کے گھر سے گرفتار ہوئے۔ میرے والد محترم کو فوج نے مسجد کے اندر ہی سے گرفتار کر کے شاہی قلعہ میں لے جا کر بند کر دیا۔ فوج نے بڑی سختی سے اس تحریک کو کچل دیا۔

☆☆☆☆

مسجد وزیر خان......شہیدوں کی لاشیں

تحریک ختم نبوت کے دوران نوجوان لڑکے شوق شہادت میں وزیر مسجد وزیر خان کے باہر شاہی دروازے کے سامنے اکٹھے ہو کر ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگاتے تو فوجی ان پر گولیاں برساتے' ان شہیدوں کی لاشیں جنازے کی صورت میں بازاروں سے گزارتے تو عورتیں اپنے دوپٹے باندھ کر ان پر ڈالتیں اور پھر دوپٹوں کو اپنی آنکھوں سے لگاتیں نوجوانوں کی خون سے تربتر میتیں دیکھ کر لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے۔ تمام لڑکے اپنے بازوؤں پر پٹیاں باندھ کر رکھتے جن پر ان کا نام اور پتہ درج ہوتا تاکہ شہادت کے بعد ان کی لاش ان کے گھر پہنچ سکے۔

☆☆☆☆

سیّد ضمیر جعفری کار میں سوتے رہے

کراچی میں سیدّ ضمیر جعفری کا قیام ملیر کینٹ میں تھا۔ راستے میں میرا گھر پڑتا ہے۔ کبھی وہ مجھے لینے آتے اور کبھی میں ان کو مشاعروں میں لے جاتا۔ ایک روز وہ مجھے لینے آئے تو یہ طے پایا کہ وہ گاڑی کا ہارن دیں گے اور میں دوسری منزل سے نیچے اُتر آؤں گا مگر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ضمیر صاحب سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئے۔ میں نے کہا آپ نے یہ زحمت کیوں اُٹھائی تو فرمایا تمہارے بچوں سے مل لوں گا۔ رات ۲ بجے مشاعرے سے واپسی پر میں گاڑی چلا رہا تھا اور ضمیر صاحب میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ ہم شارٹ کٹ لیتے ہوئے کراچی یونیورسٹی کے اندر سے نکل کر آ رہے تھے کہ گاڑی میں پیٹرول ختم ہو گیا۔ ڈکی میں ایک ڈبے میں پیٹرول رکھا تھا مگر ٹینکی کا ڈھکنا کسی وجہ سے نہ کھل سکا۔ اسی کشمش میں صبح کے ۴ بج گئے۔ ضمیر صاحب گاڑی میں سوتے رہے بلکہ خراٹے لیتے رہے۔ رینجرز کے سپاہی اور افسر وہاں سے گذرے مگر ڈھکنا نہ کھول پائے انہوں نے اپنے ورکشاپ سے ایک مکینک بھجا وہ بھی نہ کھول سکا۔ صبح کی سیر کو نکلے ہوئے ہمارے ایک دوست اپنی بیگم کے ساتھ وہاں سے

گذرے انہوں نے ذرا سی کوشش کی اور تالہ کھل گیا۔ ضمیر صاحب اور میرے اہل خانہ ہمیں تلاش کرتے رہے۔

☆☆☆☆

سیّد ضمیر جعفری کی لندن پھر امریکہ روانگی

سیّد ضمیر جعفری کے صاحبزادے فوج کی اعلیٰ ٹریننگ کیلئے لندن گئے تو سیّد صاحب کو بھی ساتھ لے گئے۔ لندن میں کچھ روز رہنے کے بعد ضمیر صاحب کا ارادہ تھا کہ اپنے دوسرے صاحبزادے کے پاس امریکہ جاکر رہیں گے۔ میں نے ان کو فون کیا اور کہا کہ میں آپ کو ائیر پورٹ پر الوداع کہنے آؤں گا فرمایا تم سارا دن میرے ساتھ رہے ہو تھک گئے ہو گے اب آرام کرو۔ صبح ۴ بجے کی فلائٹ پر تمہارا پہنچنا مشکل ہو گا۔ میں نے فوراً ایک قطعہ کہا اور ان کو سنایا۔ ضمیر صاحب نے یہ قطعہ سن کر مجھے دعائیں دیں۔

طنز و مزاح آج بھی کتنا اداس ہے
سیّد ضمیر جعفری لندن چلے گئے
وہ کیا گئے کہ بزم طرب ہی بکھر گئی
جیسے واشنگٹن سے کلنٹن چلے گئے

☆☆☆☆

بڑھاپا عمر سے نہیں ارادے سے آتا ہے

کراچی یونیورسٹی کے مشاعرے میں صدارتی خطبے میں سیّد ضمیر جعفری نے کہا۔ طنز و مزاح قوموں کو پاش کرنے کے لئے ہے مالش کرنے کے لئے نہیں۔ انہوں نے کہا بڑھاپا عمر سے نہیں آتا ارادے سے آتا ہے اور ابھی میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ میں نظامت کے فرائض انجام دے رہا تھا میں نے کہا آپ ابھی جوان ہیں بلکہ نوجوان ہیں۔

☆☆☆☆

شیخ بھی خوش رہے شیطان بھی بیزار نہ ہو

امریکہ میں ایک پاکستانی نے اپنے والد کے چالیسویں کے ختم میں مجھے شرکت کی دعوت دی ۔ ختم شریف کے بعد وہ شخص مجھے اپنی دکان دکھانے لے گیا۔ وہ اس دکان پر گندی فلمیں اور فحش رسالے فروخت کرتا تھا۔ دیواروں پر قرآنی آیات کے خوبصورت فریم آویزاں تھے۔ میں نے اُسے کہا اگر یہی کاروبار کرنا ہے تو قرآنی آیات یہاں سے ہٹادو۔ اس نے کہا یہ کاروبار میں برکت کیلئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعُون!

☆☆☆☆

میرے حلق میں دھاگہ پھنس گیا

ڈاکٹر ایف یو بقائی نے حکیم محمد سعید کی صدارت میں فہمی سینٹر میں ایک مشاعرے کا اہتمام کیا بعد از طعام کا بھی انتظام کیا گیا مگر میرے دوست ریاض صاحب اور ان کی بیگم نے کہا گلبرگ چلتے ہیں اور وہاں کے مشہور گولہ کباب سے لطف اُٹھاتے ہیں۔ میں نے ابھی پہلا ہی لقمہ لیا تھا کہ حلق میں کوئی چیز اٹکی ہوئی محسوس ہوئی۔ ریاض صاحب نے میرے حلق میں جھانک کر دیکھا تو کباب پر لپٹا دھاگہ حلق میں لٹکے گوشت کیساتھ بری طرح لپٹا ہوا تھا۔ دھاگہ پکڑ کر کھینچا تو یوں لگا جیسے حلق باہر آجائے گا۔ فوراً ایک ہسپتال میں جاکر دکھایا تو انہوں نے کہا ہمارے ہاں اس وقت کوئی ای این ٹی کا ڈاکٹر موجود نہیں۔ دوسرے ہسپتال گئے وہاں سے بھی یہی جواب ملا۔ وہاں سے نکل کر ڈاکٹر بقائی کے پاس پہنچے تو ڈاکٹر صاحب، حکیم محمد سعید اور سامعین وشعرا کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ حکیم صاحب اور ڈاکٹر صاحب میری حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے رات کا ایک بج چکا تھا انہوں اپنے ہسپتال کے ایک سرجن کو فون کر کے جگایا اور کہا کہ آپ جلدی ہسپتال پہنچیں قاسمی صاحب بڑی تکلیف میں ہیں۔ سرجن صاحب مجھے آپریشن تھیٹر میں لے گئے۔ دھاگہ کاٹتے وقت یہ خطرہ تھا کہ کہیں اس کے ساتھ گوشت نہ

کٹ جائے مگر ڈاکٹر صاحب نے بڑی مہارت سے یہ مرحلہ آسان کر دیا۔ڈاکٹر صاحب نے مجھے بتایا کہ اس سے پہلے ایسا کوئی واقع رونما نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆☆

مشفق خواجہ کی فوٹو گرافی

ممتاز محقق کالم نگار اور شاعر جناب مشفق خواجہ نے راقم الحروف کو ایک تصویر دکھائی جس میں وہ تاج محل آگرہ کے صحن میں کھڑے ہیں اور ہاتھ کی انگلی گنبد کے اوپر رکھی ہے۔یہ ٹیکنیک دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔خواجہ صاحب نے بتایا کہ انہوں نے یہ تصویر اپنے آٹو میٹک کیمرے سے خود ہی ایک مخصوص زاویے اور ٹیکنیک سے کھینچی ہے۔چند روز بعد ایسی ہی ایک تصویر مجھے میرے ایک دوست نے دکھائی۔میں نے اس سے پوچھا یہ کیسے تو انہوں نے بتایا کہ تاج محل آگرہ میں پیشہ ور فوٹو گرافرز چند روپوں میں ایسے مختلف پوز بنا دیتے ہیں ہو سکتا ہے خواجہ صاحب نے یہ ٹیکنیک انہی فوٹو گرافر سے سیکھی ہو

☆☆☆☆

مجھے کمبل لپیٹ کر جیل میں لے گئے

راقم الحروف ابھی والدہ کی گود میں پرورش پا رہا تھا کہ ابا جی پس دیوار زنداں چلے گئے۔انگریز کی حکومت تھی سیاسی قیدیوں خاص طور پر لیڈروں کے ساتھ جیل میں اچھا برتاؤ ہوتا تھا۔کسی لیڈر کو گرفتار کرتے وقت بھی عزت واحترام کا سلوک کیا جاتا۔ابا جی کی گرفتاری بھی پورے پروٹوکول کے ساتھ ہوئی۔ابا جی میرے بغیر جیل میں اُداس ہو گئے تو انہوں نے پیغام بھیجا کہ ملاقات کرنے آؤ تو ضیاء کو ساتھ لے کر آنا۔سردی کا موسم تھا لہٰذا مجھے کمبل میں لپیٹ کر جیل میں ابا جی کے پاس لے جایا گیا۔

☆☆☆☆

وڈیرے کا بیٹا چور نکلا

ملتان کے ایک رئیس کا بیٹا لاہور میں تعلیم حاصل کر رہا تھا وہ اکثر ابا جی سے ملنے آتا اور ان کے مطالعے کے کمرے میں ان کے ساتھ بیٹھا رہتا۔ ابا جی بھی اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ایک روز اس نے ابا جی کی الماری کھول کر وہاں رکھی ساری رقم چوری کر لی اور فرار ہو گیا۔ مگر چند روز بعد پکڑا گیا۔ پولیس اسے ہتھکڑی لگا کر ہمارے گھر لے آئی۔ ہماری امی جان نے جب اس کم عمر لڑکے کے ہاتھ میں ہتھکڑی دیکھی تو رو پڑیں اور پولیس سے کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ پولیس نے کہا ہم نہیں چھوڑ سکتے یہ کام عدالت کا ہے۔ ان کے چلے جانے کے بعد بھی ہماری امی روتی رہیں اور ابا جی سے کہا اس بچے کو رہا کروا دیں۔

☆☆☆☆

نیویارک۔ میری صدارت میں مشاعرہ

نیویارک میں ایک مشاعرہ میری صدارت میں منعقد کیا گیا۔ مشاعرہ گاہ میں پہنچ کر پتہ چلا کہ سیّد ضمیر جعفری بھی موجود ہیں۔ میں نے مائیک پر آکر اعلان کیا کہ میں سیّد ضمیر جعفری کی موجودگی میں صدارت کی جسارت نہیں کر سکتا سیّد صاحب صدارت کریں گے۔ ضمیر صاحب نے میرے ہاتھ سے مائیک لے لیا اور فرمایا کہ تم ہی صدارت کرو گے اور اگر تم نہ مانے تو پھر میں حکم جاری کروں گا۔ انہوں نے مجھے آقائے ظرافت کا خطاب عطا کیا۔

☆☆☆☆

مشاعرے میں شعرا گر پڑے

بہاولپور کے کل پاکستان مشاعرے میں بہت بڑا اسٹیج بنایا گیا تھا جس پر فوم کے گدے بچھائے گئے تھے۔ موٹے موٹے گدوں پر اُٹھ کر چلنا ہر ایک کے لئے مشکل تھا خصوصاً عمر

رسیدہ شعرا کے لئے۔مائیک تک آتے آتے جب کوئی شاعر گرتا یا لڑکھڑاتا تو سامعین آواز نکالتے۔کوئی کہتا یہ وہیں سے ہو کر آیا ہے کوئی کہتا یہ ٹن ہے۔ محترم جناب احمد ندیم قاسمی کئی بار لڑکھڑائے مگر سنبھل گئے بعد ازاں ان کی طبیعت خاصی بگڑ گئی۔

☆☆☆☆

شاعر گٹر میں گر گیا

کراچی کے عالمی مشاعرے میں شرکت کے لئے ایک شاعر ہندوستان سے آئے ہوئے تھے۔وہ مشاعرہ گاہ تک جانے کے لئے نکلے تو اپنی بیاض سمیت ایک گٹر میں گر گئے۔ان معمولی زخم آئے۔ میں نے فوراً اس حادثے پر ایک قطعہ کہا۔

رستے میں چلتے چلتے برآمد ہوئے تھے شعر
آمد یہ ہوتے ہوتے ہی آورد ہو گئی
شاعر گٹر میں گرنے سے صد شکر بچ گیا
اچھا ہوا بیاض گٹر بُرد ہو گئی

☆☆☆☆

بیگم کی ٹانگ ٹوٹ گئی

میری بیگم کا پاؤں سلپ ہو جانے سے ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ میرے دوست سرجن نظام الدین جمیلی نے ان کا علاج کیا۔ان کے دفتر میں بیٹھ کر میں نے یہ چار مصرعے کہے۔

نظام الدین سرجن کی مسیحائی کا کیا کہنا
کمال فن سے ہڈی میری بیگم کی جو جوڑی تھی
کہا مجھ سے ضیاء جی تم بھی سرجن ہو مگر آدھے
وہی تو میں نے جوڑی ہے جو ہڈی تم نے توڑی تھی

☆☆☆☆

اسٹیل مل کامشاعرہ

پاکستان اسٹیل مل کے کل پاکستان مشاعرے میں سامعین بڑی تعداد میں موجود تھے مگر کسی بھی شاعر کو داد نہیں دے رہے تھے۔ جناب احمد فراز نے کہا ایسا لگتا ہے جیسے یہ سامعین بھی اسٹیل مل کے بنے ہوئے ہیں۔

☆☆☆☆

نادرہ۔ شناختی کارڈ بنانے والا ادارہ

قومی شناختی کارڈ بنانے والے ادارے کا نام نادرہ NADRA ہے جو نیشنل ڈیٹا رجسٹریشن اتھارٹی کا مخفف ہے۔ میں نے اس پر ایک قطعہ لکھا اور ان کے ڈائریکٹرز کو سنایا۔

میری بیگم ہے جیلس خواتین سے
پوچھتی ہے یہ مس فاخرہ کون ہے؟
آئی ڈی کارڈ میرا بنا تو کہا
اب بتاؤ مجھے نادرہ کون ہے؟

آصف زرداری کے گھوڑے

ممتاز سیاستدان اور محترمہ بینظیر بھٹو کے شوہر جناب آصف زرداری پر الزام لگایا گیا کہ وہ اپنے گھوڑوں کی پرورش دودھ اور مکھن سے کرتے ہیں۔ محترمہ نے اسمبلی میں اس الزام کی تردید کی اور میں نے یہ قطعہ کہا۔

کہا ہے آپ نے آصف کے گھوڑے دودھ پیتے ہیں
یہ اک الزام اس کے ساتھ یونہی جوڑ رکھا ہے
وہ کیسے دودھ پلوائے گا اتنے سارے گھوڑوں کو
بہت عرصہ ہوا اس نے تو خود بھی چھوڑ رکھا ہے

ایس ایم معین قریشی کا دل

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی ممتاز مزاح نگار ہیں دبلے' پتلے' وزن بمشکل ۱۰۰ پاؤنڈ' پرہیز کا یہ عالم ہے کہ کسی ڈنر یا لنچ کی دعوت میں جاتے ہیں تو گھر سے اپنا اُبلا ہوا کھانا لے کر جاتے ہیں۔ کوئی نشہ نہیں کرتے۔ روزانہ صبح ۵ میل واک کرتے ہیں اس کے باوجود ان کو ہارٹ اٹیک ہوا اور پھر اینجیو پلاسٹی ہوئی مگر ان کا عارضہ عارضی نہ ہوا۔ میں نے ایسا پرہیز کرنے والوں پر یہ قطعہ لکھا۔

زندگی ہے گزارنا مشکل
دم نکلتا ہے سانس گھٹتا ہے
میں تو سگرٹ بھی اب نہیں پیتا
"یہ دھواں سا کہاں سے اُٹھتا ہے"

☆☆☆☆

ایس ایم معین قریشی کی کمر

ایس ایم معین قریشی صاحب کی کمر میں درد رہتا ہے۔ ایک کشن ہر وقت ان کے ہمراہ رہتا ہے۔ ایک روز ان کے مکان پر محفلِ مشاعرہ میں جناب مشتاق احمد یوسفی بھی تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا معین صاحب کی کمر پر کوئی شعر ہو جائے تو میں نے یہ قطعہ پڑھا۔

ان کی کمر کو کیا ہوا کیوں ٹیڑھے ہو گئے
کیا کثرتِ گناہ سے رہنے لگا ہے درد
بولے گناہ اپنی تو قسمت میں ہی نہیں
اب حسرتِ گناہ سے رہنے لگا ہے درد

☆☆☆☆

یُوٹُو برُوٹس؟

کچھ لوگ ساری زندگی گناہوں میں گذارتے ہیں تو آخری عمر میں اللہ تعالیٰ ان کو حج یا عمرہ کی سعادت بخشتا ہے۔ ہمارے ایک قومی رہنما پہلی بار حج کے لئے گئے تو میں نے یہ قطعہ لکھا۔

حج ادا کرنے گیا تھا قوم کا لیڈر کوئی
سنگباری کے لئے شیطان کی جانب گیا
ایک کنکر پھینکنے پر یہ ندا اُس نے سنی
تم تو اپنے آدمی تھے تم کو آخر کیا ہوا

☆☆☆☆

سعئی لا حاصل

راقم الحروف کو پہلی بار عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ پاکستان واپس آنے پر یہ قطعہ ہوا۔

عمرے کے وقت بھی رہا شیطان کا خیال
چاروں طرف اُسے میں وہاں ڈھونڈتا رہا
اس کو مری تلاش مجھے اس کی جستجو
شیطان جانے مجھ کو کہاں ڈھونڈتا رہا

☆☆☆☆

راقم الحروف کا امریکہ میں جشن

کچھ ادبی تنظیموں نے مل کر امریکہ کے شہر اسٹیٹن آئی لینڈ میں میرا جشن منایا۔ تو میں نے یہ قطعہ کہا۔

جوانی میں پذیرائی کہاں ہوتی ہے شاعر کی
ہم ایسا لفظ کیوں لکھیں کہ جس میں صرف رونا ہو
سمندر پار ہوتا ہے یہاں جو ہو نہیں سکتا
مناتے ہیں اُسی کا جشن جس کا عرس ہونا ہو

☆☆☆☆

سالگرہ کی تقریب پر فوج کی چڑھائی

میرے نواسے عاکف پیرزادہ کی سالگرہ ان کے والد مبین پیرزادہ نے ملیر ڈیفنس میں بڑے تزک واحتشام سے منائی جس میں عزیزواقارب واحباب کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ اس محفل میں دوسرے معززین شہر کے علاوہ سیّد ضمیر جعفری بھی موجود تھے جو ان دنوں ملیر کینٹ میں رہائش پذیر تھے۔ میں نے اسٹیج پر آکر مہمانوں کو خوش آمدید کہا ہی تھا کہ چار باوردی فوجی بندوقیں تانسے اسٹیج پر چڑھ دوڑے، ہم حیران تھے کہ یہ کیا ہوا۔ محفل میں بھگدڑ مچ گئی ۔ پنڈال سے باہر دو فوجی افسران کھڑے تھے میں نے ان سے جاکر کہا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ تو انہوں نے کہا آپ کی اس محفل میں شازیہ خشک آرہی ہیں اور ہم اس کی اجازت نہیں دیں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ ہمیں تحریر شدہ این او سی دیتے وقت آپ نے تو ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی تھی اور پھر بھی کوئی بات قابل اعتراض تھی تو آپ ہمیں اپنے دفتر میں بلا کر منع کر سکتے تھے۔ ہزاروں معزز مہمانوں کے سامنے مسلح فوجیوں کی اسٹیج پر چڑھائی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ان کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ ہم نے آپ کو گھر کی چار دیواری میں یہ پروگرام کرنے کی اجازت دی تھی۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے ہم یہ پروگرام

گھر کے اندر کر لیتے ہیں۔ انہوں نے کہا اب اس کی بھی اجازت نہیں۔ کوئی خاتون فنکارہ ملیر کینٹ کی حدود میں گانا نہیں گا سکتی تھی۔ میں نے کہا ملٹری کلب میں خواتین گلوکارائیں کئی پروگرام کر چکی ہیں اس پر انہوں نے کہا نو آرگومینٹ۔ آرڈر از آرڈر۔

یہ سب ہنگامہ آرائی دیکھتے ہوئے سیّد ضمیر جعفری اور دوسرے بے شمار بزرگ مہمان اس قدر پریشان ہو گئے کہ وہ محفل سے اُٹھ کر چلے گئے۔

اجڑ جائے گی محفل پھر نہ کہنا
انہیں روکو جو اٹھ کر جا رہے ہیں

مگر کسی کے روکنے سے کون رکتا ہے۔ محفل واقعی اُجڑ گئی عورتیں اور بچے سسکیاں لیتے ہوئے اپنے گھروں کو لوٹ گئے شازیہ خشک اور اس کے ہمنوا بڑی سبکی محسوس کر رہے تھے۔ وہ بیچارے گردنیں لٹکائے محفل کو اجڑتا دیکھتے رہے اور کچھ نہ کہہ سکے۔

☆☆☆☆

ذلفی نے بانو بازار میں دفتر کھولا

ذلفی ہمارا دوست تھا مگر بہت چالاک اور ہشیار۔ اس کے والد پولیس افسر تھے اور اس کی حرکتوں پر ہمیشہ نالاں رہے۔ گھر سے پیسے نہ ملتے تھے لہذا وہ تنگ دست ہی رہتا تھا۔ پیسے جمع کرنے کا اس نے ایک طریقہ نکالا وہ اس طرح کہ بانو بازار لاہور کے قریب ایک مکان کرائے پر لیا اور مالک مکان کو ایڈوانس اور کرائے کا چیک بنا کر دے دیا۔ دفتر میں سارا فرنیچر کرائے پر حاصل کیا اور اس کو بھی چیک دے دیا۔ اخبار میں ایک اشتہار دیا کہ دفتر میں کام کرنے کے لئے چار کلرک' چار چپڑاسی' دو ٹائپسٹ' دو مینجر' ایک اکاؤنٹینٹ' دو لڑکیاں استقبالیہ کے لئے اور دو اسٹور کیپر درکار ہیں۔ درخواست فارم کی قیمت ۱۰ روپے مقرر کر دی۔ اشتہار پڑھتے ہی سینکڑوں نہیں ہزاروں امیدوار ٹوٹ پڑے۔ دو ہفتوں کے انٹرویو کے نتیجے میں لاکھوں روپے جمع ہو گئے۔ مالک مکان اور فرنیچر والا چکر کاٹتے رہے کیونکہ دونوں کے چیک باؤنس ہو چکے تھے مگر دفتر میں امیدواروں کا رش دیکھ کر ذلفی کو پریشان نہ کرتے بلکہ بڑے پرامید ہو کر واپس

سے واپس چلے جاتے۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ ذلفی بھی وہاں سے چلا گیا۔ امیدوار چکر لگاتے رہے مگر دفتر کا دروازہ نہ کھلنا تھا اور نہ کھلا۔

☆☆☆☆

منیر نیازی دہلی میں

انبالہ کے مشاعرے سے فارغ ہونے کے بعد ہم دہلی پہنچے تو ایوان غالب میں پاکستانی شعرا کے اعزاز میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ تقسیم ہند کے بعد منیر نیازی صاحب پہلی بار ہندوستان آئے تو ادبی حلقوں میں ان کی بہت پذیرائی ہوئی۔ بمبئی کی ایک خاتون سنگر شہربانو منیر نیازی کی فین ہیں وہ ان کی آمد کا سن کر بمبئی سے دہلی آئیں اور ایوان غالب کی تقریب میں مجھ سے ملیں اور کہا کہ وہ منیر نیازی کی غزلیں گاتی ہیں آج ان کی موجودگی میں گانا چاہتی ہیں۔ میں نے منیر صاحب سے کہا مگر وہ تو کسی اور ہی حالت میں تھے صاف صاف انکار کر گئے اور محفل سے اُٹھ کر چلے گئے۔ شہربانو رو پڑیں۔ سامعین کو اس پر ترس آیا اور وہ منت سماجت کے بعد منیر نیازی کو راضی کر کے اندر لے آئے۔ شہربانو منیر نیازی کی طرف دیکھ کر نغمہ سرا تھیں اور جی ہی جی میں خوش ہو رہی تھیں۔ جناب علی صدیقی صاحب نے منیر نیازی کو ایک ہزار روپے دئے کہ وہ شہربانو کو انعام کے طور پر دے دیں۔ ایک غزل گانے کے بعد شہربانو ایک اور غزل سنانا چاہتی تھیں مگر منیر نیازی اُٹھ کر چلے گئے۔ منیر نیازی کا یہ انداز کسی کو پسند نہ آیا بلکہ بعض لوگوں نے اظہار برہمی بھی کیا۔

☆☆☆☆

برطانیہ میں پرانا جوتا خریدا

برطانیہ کے شہر ہڈرز فیلڈ میں میرا اپنا جوتا کسی لوہے کی چیز سے ٹکرانے پر بری طرح پھٹ گیا۔ میں نے اپنے میزبان جناب حضرت شاہ سے کہا کہ اسے مرمت کروادیں۔ انہوں نے کہا جتنے پیسے مرمت میں خرچ آئیں گے اتنے میں نیا جوتا مل جائے گا۔ میں بازار گیا مگر جوتا

خریدنے کی ہمت نہ بڑھی تو اتوار بازار میں چلا گیا وہاں ایک سکھ سیکنڈ ہینڈ جوتے بیچ رہا تھا۔ ایک اٹیلین جوتے کی قیمت پوچھی تو اس نے ۱۰ پاؤنڈ بتائی۔ میں نے سوچا یہ بھی دیسی آدمی اور میں بھی دیسی آدمی' اس سے دیسی طریقے ہی سے بات کی جائے۔ میں نے کہا سردار جی چار پاؤنڈ لے لو بولا نہیں مہاراج چھ پاؤنڈ دے دو۔ میں نے کہا چار پاؤنڈ ہی دے سکتا ہوں وہ مان گیا۔ میں سوچتا رہا کہ میں اگر دس پاؤنڈ میں یہ جوتا خرید لیتا تو میں بیوقوف کہلاتا اور وہ چالاک اور ہشیار۔ اور ہو سکتا ہے کہ میں نے چار پاؤنڈ میں بھی مہنگا ہی خریدا ہو۔

☆☆☆☆

۵ سالہ ندیم کی موت

میرا ۵ سالہ بیٹا ندیم دو اینٹی بایوٹک ایک ساتھ دینے سے زندگی سے محروم ہو گیا۔ اس کو بخار آیا تھا تو میں نے ایک چلڈرن اسپیشلسٹ کو دکھایا اس نے کلورومائیٹین اور سیپٹران سیرپ ایک ساتھ دینے کا مشورہ دیا۔ دو چار خوراک دینے کے بعد بچے کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ میں نے یہ بات فون پر ڈاکٹر کو بتائی تو ڈاکٹر پریشان ہو گیا اور کہا کہ بچے کو فوراً ہسپتال لے جاؤ۔ وہاں اس کے بہت سے لیبارٹری ٹیسٹ ہوئے جس سے پتہ چلا کہ ہیموگلوبن کی مقدار نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے۔ ایک اور بڑے اسپیشلسٹ کو بلایا گیا تو اس نے بون میرو ٹیسٹ کا مشورہ دیا۔ لیبارٹری رپورٹ آنے پر پتہ چلا کہ بون میرو کام کر رہی ہے مگر گردن میں گلینڈرز چیک کرائے گئے تو معلوم ہوا کہ بچہ لمفوسارکوما کا شکار ہو چکا ہے۔ اس مرض کی دوا دی گئی تو اس سے ایسا لگا جیسے بچے کے جسم میں خون نہیں بچا۔ پھر ایک سلسلہ چل نکلا اور ہر ماہ خون کی بوتل چڑھائی جاتی رہی۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ بون میرو کی لیبارٹری رپورٹ ہی غلط تھی دراصل بون میرو کام ہی نہیں کر رہی تھی۔ یہ معصوم بچہ ۷ ماہ تک اسی کشمکش میں مبتلا رہا۔ خون کی بوتل مل جاتی تو ہشاش بشاش نظر آتا۔ ایک ماہ گزرنے کے بعد اس کی حالت پھر خراب ہونے لگتی۔ آخری دنوں میں بہت چیختا اور روتا رہا آخر ایک دن تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ ناک کان' منہ اور جسم کے دیگر حصوں سے خون بہتا رہا۔ میری بیگم یہ دیکھ کر بیہوش ہو گئیں۔ ڈاکٹروں کا مشورہ یہ تھا کہ

اب اس کو بچے کی میت نہ دکھائی جائے۔ورنہ پاگل ہو جائے گی۔ کئی روز تک اس کی حالت یہ رہی کہ زور زور سے قہقہے لگاتی اور کبھی ندیم کا نام لے لے کے چیخیں مار مار کر بیہوش ہو جاتی۔ڈاکٹروں نے پھر مشورہ دیا کہ اپنی بیگم کو اس ماحول سی نکال کر لاہور لے جائیں وہاں کچھ روز رہ کر ان کا علاج کرائیں۔لہذا ایسا ہی کیا گیا چند ماہ کے بعد واپس آئے تو وہ روزانہ ندیم کی قبر پر جا کر روتی رہتیں اور اس سے باتیں کرتیں جب کوئی جواب نہ ملتا تو گھر لوٹ آتیں ۔اس کی یہ حالت دیکھ کر عزیزو اقارب نے مشورہ دیا کہ آپ یہ شہر چھوڑ دیں اور پھر ہم حیدر آباد سے کراچی مستقل آگئے۔

☆☆☆☆

ریڈیو پاکستان کے پروڈیوسر

میڈیسن کا کاروبار ختم ہونے کے پر کچھ عرصہ تک بے روزگاری کا سامنا رہا۔وقت گزارنے کے لئے میں ریڈیو پاکستان جاتا رہا اور دوستوں سے ملاقاتیں کرتا۔ایک روز مجھے ایک پروڈیوسر نے کہا آپ کی آواز بہت اچھی ہے آپ ریڈیو پروگرام میں حصہ لیا کریں۔ میرا آڈیشن ہوا اور مجھے بی۔کیٹگیری کا فنکار قرار دیا گیا۔اس طرح میں ایک ڈرامے میں فنکار کی حیثیت سے شامل ہوا۔ پروڈیوسر نے کہا جناب!میں ایسا نہیں کروں گا چاہیں تو آپ میرا کنکریکٹ کینسل کردیں۔اسی طرح ایک اور پروڈیوسر نے بھی مجھے ایک ڈرامے میں بک کیا اور بعد میں مجھ سے بطور قرض ۵ ہزار روپے مانگ لئے۔میں نے یہاں بھی معذرت کرلی۔ان لوگوں کی یہ حرکت دیکھ کر میں نے ریڈیو اسٹیشن جانا چھوڑ دیا پھر ادھر کا رخ نہ کیا۔

☆☆☆☆

عالمی شہرت یافتہ کارٹونسٹ

عالمی شہرت یافتہ کارٹونسٹ جناب جاوید اقبال اپنی خداداد فنی صلاحیتوں کا لوہا پوری دنیا میں منوا چکے ہیں۔ ان کے بنائے ہوئے کارٹونوں میں زندگی جھلکتی نظر آتی ہے۔ ان کے کارٹون خود منہ سے بولتے ہیں ان میں بھرپور طنز اور مزاح شامل ہوتا ہے۔ کارٹون ہم روزانہ روزنامہ "جنگ" میں دیکھتے ہیں اور انہیں دیکھ کر مایوس چہروں پر بھی مسکراہٹ پھیل جاتی ہے۔ انہوں نے ازراہِ کرم مجھ ناچیز کا بھی کارٹون بنایا جو میرے لئے اک اعزاز ہے۔

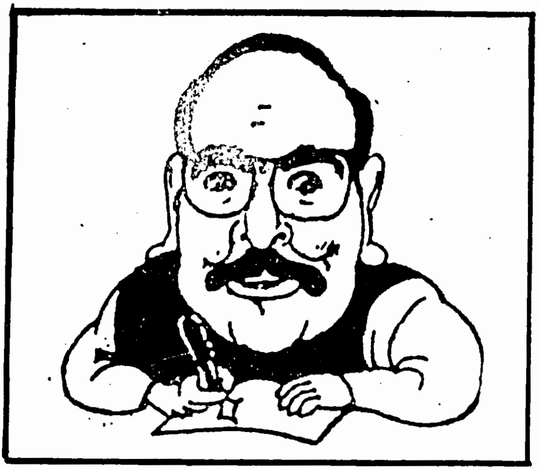

کاتب یا کمپوزر کی ستم ظریفیاں

کاتب یا کمپوزر کی غلطیاں زمانے بھر میں مشہور ہیں، ہر کوئی ان کا زخم خوردہ ہے۔ غلطی کرنا تو سمجھ میں آتا ہے مگر جان بوجھ کر بزعمِ خویش اصلاح کے نام پر غلطی نہیں حماقت کہلاتی ہے۔ میں نے لکھا میرا دل خوشی سے بلیوں اُچھلا۔ کاتب سمجھا شاید مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ اُس نے اس کی یوں ''تصحیح'' کردی۔ میرا دل خوشی سے بلبوں کی طرح اُچھلا۔ دلاور فگار نے کہا تھا

جانے کس کس کے منہ ہم کو بھگتنا پڑتے
خیریت گزری کہ تم کاتبِ تقدیر نہ تھے

مشتاق احمد یوسفی صاحب کی گلفشانیاں

نیویارک کے ممتاز شاعر جناب مسرور جاوید کراچی آئے تو معروف شاعرہ ذکیہ غزل نے اپنے مکان پر ان کے اعزاز میں ظہرانے کا اہتمام کیا۔ جناب مشتاق احمد یوسفی، جناب سجاد میر اور پیرزادہ قاسم کے علاوہ دیگر شعرا بھی موجود تھے۔ میں نے یوسفی صاحب کو بتایا کہ دسمبر میں منعقد ہونے والی عالمی طنز و مزاح کانفرنس کے کچھ مندوبین کے لئے ہوائی جہاز کے ٹکٹ خریدے جائیں گے اور کچھ کے لئے ریل گاڑی کے۔ یوسفی صاحب نے فرمایا اور کچھ کے لئے مال گاڑی کے جس کی بلٹی آپ خود چھڑوائیں گے۔

یوسفی صاحب کی مزید گوہر فشانیاں

میں نے یوسفی صاحب کو بتایا کہ ہندوستان میں ایک شاعر ہر مشاعرے میں پرانی قمیص پہن کر جاتا اور غزل پڑھتے ہوئے جوش میں آکر قمیص پھاڑ دیتا تو

منتظمین مشاعرہ کو اس کے بدلے شاعر کو نئی قمیص دینا پڑتی اس طرح وہ مشاعروں سے اچھی خاصی تعداد میں نئی قمیصیں جمع کر لیتا۔ یوسفی صاحب نے کہا قاسمی صاحب! اگر اُس شاعر کو آپ کی قمیص دی جاتی تو وہ کیسے پہنتا اور اُسے لیکر کیا کرتا۔

یوسفی صاحب نے بتایا

مشتاق احمد یوسفی صاحب نے گفتگو کے دوران ایک واقعہ سنایا کہ وہ اور ان کا صاحبزادہ محلے کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے گئے۔ یوسفی صاحب اس وقت مسجد میں داخل ہوتے تھے جب امام صاحب خطبہ پڑھ چکتے اور نماز شروع ہونے لگتی۔ اس روز امام صاحب نے یوسفی صاحب کو دیکھ کر کہا بعض جہنمی لوگ جمعہ پڑھنے اس وقت مسجد میں داخل ہوتے ہیں جب میں وعظ کر چکتا ہوں۔

میرا داماد مبین پیرزادہ

میرا داماد مبین پیرزادہ میرا سگا بھانجہ بھی ہے' بہت غریب پرور اور رحمدل انسان۔ اُس نے اپنا مستقبل سنوارنے کے لئے آغاز جوانی ہی سے بطور کنٹریکٹر محنت کو اپنا شعار بنالیا تھا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اُس کو کامیابیاں عطا کیں۔ اُس نے دن رات اتنی محنت کی کہ اُس کا شمار معروف کنٹریکٹرز میں ہونے لگا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے مزار کی آرائش و زیبائش کا ٹھیکہ بھی اُس نے حاصل کرلیا جو ۳۲ کروڑ روپے کا تھا۔ اُس نے بڑی تیزی سے اس کا آغاز کردیا اور تقریباً ۳ کروڑ روپے اس پر خرچ بھی کردیے مگر ایک روز اچانک چند فوجی افسران آئے اور زبانیہ ٹھیکہ ختم کر کے کسی اور کنٹریکٹر کو دے دیا گیا۔ یہ اُن سے پوچھتا رہا کہ اس منسوخی کا سبب کیا ہے۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ مبین نے عوامی مسائل کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھی جس میں حکومت کو بڑے مفید مشورے دیئے۔ ایک مشورہ یہ بھی تھا کہ شہروں کے اندر جگہ جگہ چنگی ناکے ختم کردئے جائیں۔ اس کا یہ مشورہ مان لیا گیا

پتنگ اُڑاتے ہوئے مار پڑی

میرے ابا جی ہمیشہ پتنگ بازی کے خلاف رہے کیونکہ ایک دفعہ میں پتنگ اڑاتے ہوئے چھت سے گر پڑا تھا۔ میں نے ان سے کہا اگر میں میدان میں پتنگ اڑاؤں تو ؟ انہوں نے کہا میں تمہاری پتنگ بازی کی عادت چھڑانا چاہتا ہوں خواہ وہ میدان میں ہو یا مکان کی چھت پر۔

ایک روز ابا جی گھر پر نہ تھے اور محلے کے لڑکے مجھے بلانے آئے کہ آج میدان میں پتنگ بازی کا مقابلہ ہے تم بھی شامل ہو جاؤ۔ میری نیت بھی خراب ہو گئی اور میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ امی جی سے کہہ گیا کہ میں ان کے ساتھ جارہا ہوں۔ میدان میرے گھر کے سامنے تھا۔ میں پتنگ اُڑانے لگا تو ابا جی کا وہاں سے گذر ہوا اور مجھے پتنگ اُڑاتے ہوئے دیکھ کر میرے قریب آئے اور ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کر دیا۔ اس تھپڑ کا یہ اثر ہوا کہ میں پتنگ کی بازی ہار گیا۔

☆☆☆

مالک نے مکان خالی کرالیا

۱۹۶۵ء میں لاہور سے حیدر آباد منتقل ہوئی۔ ایک ڈی ایس پی شاہنواز کا مکان کرائے پر لیا مگر دوسرے روز وہ ڈی ایس پی اور ان کے ساتھ چار پانچ لمبے تڑنگے نوجوان میرے پاس آئے اور کہا کہ انکے منیجر نے غلطی سے یہ مکان آپ کو کرائے پر دے دیا ہے۔ ہم یہ مکان بیچنا چاہتے ہیں لہذا آپ اسے آج ہی خالی کر دیں۔ میں نے کہا اتنے شارٹ نوٹس پر یہ کیسے ممکن ہو گا۔ ڈی ایس پی نے کہا اگر آپ آج شام تک خالی نہیں کریں گے تو ہمیں خالی کرانا آتا ہے۔ میں نے کہا دیکھا جائے گا۔ وہ لوگ دوسرے دن کا کہہ کر چلے گئے۔ ابا جی ان دنوں لاہور سے میرے پاس آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے سنا تو کہا مکان ابھی اسی وقت خالی کر دو خواہ سامان اور بچے سڑک پر لے جاؤ۔ میں اس سلسلے میں تمہاری ایک بات نہ سنوں گا۔ میں نے کہا ابا جی ! کیا میں ان لوگوں کی بدمعاشی کے سامنے فوراً ہتھیار ڈال دوں۔ انہوں نے کہا ہاں تمہیں ایسا کرنا پڑے گا

ورنہ میں آج ہی لاہور واپس چلا جاؤں گا۔

ڈی ایس پی دوبارہ اپنے غنڈوں کیساتھ آئے۔ان کے پاس پستول بھی تھے اور آتے ہی مجھ پر چڑھ دوڑے کہ مکان ابھی خالی کر دو۔ میں نے کہا میں کوشش کروں گا کہ کل تک خالی ہو جائے۔ آج یہ ممکن نہیں۔ خیر وہ اس بات پر راضی ہو گئے۔ میں سخت پریشان تھا کہ بچوں کو کہاں لے جاؤں اور سامان کہاں رکھوں تو میرے ایک پڑوسی نے میری پریشانی دیکھتے ہوئے کہا کہ آپ اپنا سامان اور بچے میرے پاس لے آئیں میری فیملی آجکل یہاں نہیں ہے میں کسی دوست کے ہاں شفٹ ہو جاؤں گا۔ مجھے یوں لگا جیسے اللہ تعالیٰ کو میری پریشانی پر ترس آگیا ہے اور ایک فرشتے کو اس شخص کی صورت میں میرے پاس بھیجا ہے۔اس شخص کی مہربانیاں اس کے بعد بھی ختم نہیں ہوئیں۔ وہ ایک دوسرے کرائے کے مکان میں چلا گیا اور یہ مکان ہمیں دے گیا بلکہ اس مکان کے مالک سے میرا تعارف کرا کر کرایہ نامہ میرے نام پر بنوا دیا ۔

ڈی ایس پی انسان تھا مگر ایک شیطان کے روپ میں۔ میرا یہ دوست بھی انسان تھا مگر فرشتے کی شکل میں۔

☆☆☆☆

ایک شخص جس نے زندگی میں کوئی نیک کام نہ کیا

میرا ایک دور کا رشتہ دار سرکاری ملازم تھا۔ رشوت خور اور بد کردار۔ وہ رشوت کے ۵ روپے بھی نہ چھوڑتا تھا اور رشوت لے کر بھی کام نہیں کرتا تھا۔ لوگوں کے گھروں میں کود جاتا تھا اہل محلہ اس سے سخت نالاں تھے۔

ایک روز کسی خاتون کے گھر میں گھس گیا تو اہل محلہ نے اسے پکڑ لیا اور اس کی ناک کاٹ دی۔ حالانکہ وہ جسمانی طور پر اتنا مضبوط تھا کہ ایک وقت میں کئی لوگوں کا مقابلہ کر سکتا تھا

۔ایک روز اپنی طاقت کا ذکر کرتے ہوئے مجھ سے کہنے لگا تم میری گردن میں دونوں ہاتھ ڈال کر لٹک جاؤ اور مجھے جھکانے کی کوشش کرو میں ٹس سے مس نہیں ہونگا۔ جسمانی طاقت کے حوالے سے میں بھی کچھ کم نہ تھا۔ میں نے ایک ہی جھٹکے میں نہ صرف اسے جھکا دیا بلکہ زمین پر لٹا کر اس کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا۔وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا میں نے کہا جتنی بار کہو گے میں اتنی ہی دفعہ تم کو گرالونگا۔ اس کے بعد اس نے کبھی اپنی طاقت کا دعوی نہ کیا۔ بڑھاپے میں اس نے لمبی داڑھی رکھ لی اور پیری مریدی شروع کردی۔ لوگ اس کی کرتوتوں سے واقف تھے لہذا یہ کاروبار زیادہ نہ پل سکا البتہ خواتین چند روز تک اس کے حلقۂ دام میں پھنسی رہیں۔

☆☆☆☆

جنرل رانی سے ملاقات

ملکۂ ترنم نور جہاں کے انٹرویو کے لئے ان کی گلبرگ لاہور والی رہائش گاہ پر جانا ہوا۔ انٹرویو کے بعد میڈم نے میری ملاقات اپنے داماد حسن سردار (ہاکی پلیئر) اور اپنی بیٹی ظل ہما سے کرائی۔ میڈم کو اچانک خیال آیا کہ انہوں نے اپنی بہن سے نہیں ملوایا۔ بہن کو اندر پیغام بھیجا تو ایک بہت فربہ خاتون ڈرائینگ روم میں داخل ہوئیں۔ میڈم نے کہا قاسمی صاحب! یہ میری چھوٹی بہن ہے جس کو آپ جنرل رانی کے نام سے پہچانتے ہوں گے۔ اس کا اصلی نام اقلیم اختر ہے۔ میرے بھانجے معین پیرزادہ نے مجھے بتایا کہ یہ وہی جنرل رانی ہے جس کے جنرل یحیی خان سے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ اور یہ میڈم کی منہ بولی بہن ہے

☆☆☆☆

انور شعور کی لاشعوریاں

کراچی کے ایک بڑے مشاعرے میں جناب انور شعور عالم کیف میں مائیک پر آئے اور سامعین سے الجھ پڑے۔ اسٹیج پر جماعت اسلامی کے چند اکابرین نے ان سے کہا آپ گفتگو ختم کریں اور

اپنا کلام سنائیں۔انور شعور نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اسٹیج پر سب کے سب بے غیرت بیٹھے ہیں۔ آخر ان کو کلام سنے بغیر زبردستی اسٹیج سے اتار کر ان کے گھر پہنچادیا گیا۔ایک بڑے مشاعرے میں کراچی کے ناظم اعلیٰ جناب نعمت اللہ خان مہمان خصوصی تھے اور جناب راغب مراد آبادی صدر محفل۔انور شعور بار بار خان صاحب کی کمر پر ہاتھ مارتے رہے جوان کو بہت ناگوار گذرا۔ آخر وہ وہاں سے اُٹھ کر دوسری طرف بیٹھ گئے۔انور شعور نے راغب صاحب کی گردن دبوچ لی اور دو تھپڑ مار دئے۔انکے کان کے قریب آکر مغلّظات بکیں اور کہا کس نے تمہیں صدارت کا منصب سونپا ہے۔راغب صاحب اپنی فطری رحم دلی اور ہمدردی کے سبب خاموشی سے یہ توہین برداشت کر گئے۔

☆☆☆☆

مشاعرے میں ایک بھکارن

کراچی کے ایک بڑے مشاعرے میں جس کا اسٹیج غیر معمولی حد تک وسیع و عریض اور بلند تھا اور شہر کے نامور شعرا تشریف رکھتے تھے۔اجمل سراج پڑھنے کے لئے آئے تو ایک جوان بھکارن اسٹیج پر چڑھ آئی اور ہاتھ جوڑ کر بھیک مانگنے لگی۔بہت کوشش کی گئی کہ وہ اسٹیج سے اتر جائے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔کچھ لوگوں نے اسے اس لئے پیسے دئے کہ وہ جان چھوڑ دے مگر وہ ڈٹی رہی۔

آخر پولیس بلوائی گئی اور اس پیشہ ور بھکارن کو مشاعرہ گاہ سے باہر جا کر چھوڑ دیا گیا حالانکہ اس کی سزا یہ ہونی چاہئے تھی کہ زنانہ پولیس اس کو تھانے لے جاتی اور اس سے پوچھتی کہ اسے اس حرکت پر کس نے تیار کیا تھا تاکہ وہ آئندہ ادبی تقریبات کو خراب نہ کرے۔

☆☆☆☆

قوت شامّہ

گھر میں داخل ہوتے ہی ہر قسم کی چیز کی خوشبو یا بدبو سونگھ لیتا ہوں۔ گھر والے میری اس عادت سے بہت پریشان رہتے ہیں۔ ایک دفعہ میرے کمرے میں سے انتہائی ناگوار بدبو کئی روز تک آتی رہی۔ کمرے کا سارا سامان باہر نکلوا کر پورا کمرہ دھلوایا اور فینائل سے صاف کرایا مگر بدبو نہ گئی۔

ایک روز میں بال پین سے لکھ رہا تھا کہ میرے نتھنوں میں کھجلی ہوئی میں نے بال پین سے کھجایا تو سخت بدبو محسوس ہوئی۔ پتہ چلا کہ بال پین کے اندر کی روشنائی سڑ چکی ہے۔ میں نے متعلقہ کمپنی کو فون کر کے یہ بات بتائی تو انہوں نے کہا کہ یہ پورا بیچ خراب ہو چکا ہے اور سارا اسٹاک مارکیٹ سے اٹھا لیا گیا ہے۔ آپ کو جو پریشانی ہوئی ہے ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں اور آپ کو بارہ عدد تازہ پین بھیج رہے ہیں۔ میں نے یہ آفر قبول نہ کی اور ان کا شکریہ ادا کر دیا۔

☆☆☆☆

بداخلاق ڈاکٹر

میرا نواسہ عمیر ایک تالاب میں چھلانگ لگاتے ہوئے سر میں چوٹ لگنے سے مفلوج ہو گیا۔ وہ لیاقت نیشنل ہسپتال میں داخل تھا۔ میری بیٹی نے مجھے بتایا کہ یہاں کا سینئر ترین آرتھو پیڈک سرجن زیادہ توجہ نہیں دے رہا۔ آپ اسے مل کر لڑکے کی حالت بیان کریں۔ میں اس سرجن کے پاس گیا اپنا ویزیٹنگ کارڈ پیش کیا مگر اس نے زیادہ توجہ نہ دی بلکہ اس نے میرا کارڈ میری جیب میں ڈال دیا۔ بچے کی خراب حالت سے میں پہلے ہی بہت پریشان تھا مگر ڈاکٹر کی بد اخلاقی نے مجھے اور بھی زیادہ پریشان کر دیا۔

☆☆☆☆

بیگم کو پیسے چرانے کی اجازت

میری طرف سے اپنی بیگم کو اجازت تھی کہ وہ میری جیب سے حسب ضرورت جتنے روپے چاہیں نکال لیا کریں۔اس زمانے میں میرا دواؤں کا کاروبار خوب چل رہا تھا۔اپنے ہاتھ سے پیسے نکال کر دینا ذرا دشوار لگتا تھا۔لہٰذا اس کی اجازت بیگم کو دے رکھی تھی۔ نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ جب مجھے اچانک پیسوں کی ضرورت پڑتی میں بیگم سے ادھار لے لیتا۔بیٹیوں کی شادیوں کے موقع پر بھی یہ چوری اور دیدہ دلیری میرے بڑے کام آئی۔

☆☆☆☆

جگن ناتھ آزادؔ جنرل ضیاء الحق کی قبر پر

بھارت کے ممتاز شاعر جناب جگن ناتھ آزادؔ مشاعروں میں شرکت کے لئے پاکستان تشریف لاتے رہتے ہیں۔پاک لینڈ سیمنٹ فیکٹری کے پاک وہند مشاعرے کے لئے وہ اسلام آباد تشریف لائے تو راقم الحروف سے خواہش ظاہر کی کہ جنرل محمد ضیاء الحق کی قبر پر حاضری دینی چاہیے لہٰذا ہم دونوں شاہ فیصل مسجد پہنچے میں نے دعا مانگی اور جگن ناتھ آزادؔ دو زانو ہو کر کئی منٹ تک آنکھیں بند کر کے خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھے رہے اور اپنی عقیدت کا اظہار کیا پھر بہت دیر تک مرحوم کی خوبیاں بیان کرتے رہے۔میں نے اپنے کیمرے سے جو تصویر بنائی تھی بعد میں ان کو ارسال کر دی۔

☆☆☆☆

دہلی میں ڈاکٹر سعادت سعید کے ساتھ

شام بہار ٹرسٹ انبالہ کے مشاعرے کے بعد ہم دہلی آگئے۔میں اور ڈاکٹر سعادت سعید ایک دعوت سے لوٹ رہے تھے کہ رکشہ والا ہمیں سنسان راستوں پر لے گیا۔ہم نے سن رکھا تھا کہ رات کے وقت رکشہ ٹیکسی والے مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں۔میں نے رکشہ والے سے

پوچھا تم ہمیں کدھر لے کر جارہے ہو۔ وہ خاموش رہا تو میں نے کہا واپس چلے چلو مگر اس نے ہماری ایک نہ سنی۔ میں نے اس کی گردن پر زور سے تھپڑ مارا اور چیخ کر کہا واپس مڑو۔ اس نے رکشہ موڑ لیا۔ آبادی والے علاقے میں پہنچ کر ہم نے پولیس کو اطلاع کرنا چاہی مگر وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں تو آپ کو نزدیک راستے سے لے جانا چاہتا تھا میں چور ڈاکو نہیں ہوں۔ اس کی منت سماجت دیکھ کر ہم نے اس کو چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆

حیدر آباد دکن سے بمبئی تک ریل کا سفر

حیدر آبد دکن سے واپسی بذریعہ ریل ہوئی۔ اس کا بمبئی پہنچنے کا وقت صبح ۶ بجے تھا اور کراچی کی فلائٹ ۷ بجے تھی۔ اگر ریل لیٹ ہو جاتی تو فلائٹ کا ملنا مشکل تھا۔ میں نے گارڈ سے پوچھا کیا گاڑی اپنے وقت پر بمبئی پہنچ جائے گی۔ اس نے کہا یقیناً۔ آپ اطمینان سے سو جائیں میں آپ کو جگانے آجاؤں گا۔ گاڑی ٹھیک ۶ بجے بمبئی پلیٹ فارم پر ہو گی۔ میں نے کہا یہ بات آپ اتنے وثوق سے کہہ رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ کہنے لگے مین لائنوں پر اس بات پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے کہ گاڑی لیٹ نہ ہو۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔

بمبئی کے پلیٹ فارم پر گاڑی ۶ بجے آکر رکی اور گارڈ صاحب میرے پاس آئے میرا سامان اُٹھایا اور اسٹیشن سے باہر ایک ٹیکسی والے سے کہا کہ ان کو فلاں راستے سے ائیر پورٹ پہنچاؤ یہ ہمارے پاکستانی مہمان ہیں اور ان سے صرف ۴۰ روپے لینے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ ڈرائیور نے دونوں باتوں پر عمل کیا اور مجھے فلائٹ مل گئی۔ میں گارڈ صاحب کے حسن سلوک سے بہت متاثر ہوا۔

☆☆☆☆

سرجن کی ستم ظریفی

میرا نواسہ عمیر تالاب میں نہاتے ہوئے سر میں چوٹ لگ جانے سے مفلوج ہو گیا۔ ہسپتال کے سرجن نے کہا اس کی گردن میں ایک پلیٹ ڈالنی پڑے گی ورنہ اس کی گردن ایک جانب لٹکی رہے گی۔ اس سرجری کی فیس اس نے ایک لاکھ روپے بتائی۔ میں نے اپنے داماد سے کہا جلدی نہ کریں بلکہ سیکنڈ اوپینین کے لئے کسی دوسرے ہسپتال میں لے جاتے ہیں۔ لہذا ایسا ہی کیا گیا مگر وہاں کے سرجن نے کہا سرجری کی ضرورت نہیں ہے اس کو صرف کالر استعمال کرائیں یہ چند روز میں گردن سیدھی رکھنے کے قابل ہو جائے گا۔ وہ اگرچہ پوری طرح مفلوج ہے مگر گردن اس کے کنٹرول میں ہے۔ جس ڈاکٹر نے سرجری کے لئے کہا تھا وہ ہسپتال چھوڑنے پر سخت ناراض ہوا اور کہا کہ آپ اگر مریض کو دوبارہ یہاں لائیں گے تو میں اسے داخل نہیں کروں گا۔ ہمیں ڈاکٹر کی اس سفاکانہ حرکت پر بہت دکھ ہوا۔ میرے داماد کے ایک دوست نے جو ڈی آئی جی ہے مشورہ دیا کہ اس بچے کے لئے کسی تیسرے سرجن کی رائے بھی لے لی جائے۔ لہذا اس نے شہر کے ایک بڑے سرجن کو فون کیا تو ڈاکٹر نے کہا کہ مریض کو ابھی میرے ہسپتال میں لے آئیں۔ رات ۹ بجے مریض کو اس کے ہسپتال میں شفٹ کر دیا گیا۔ ہسپتال پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں کوئی پرائیویٹ کمرہ خالی نہیں ہے وہاں کے عملے نے کہا کہ فی الحال اس کا بیڈ برآمدے میں رہے گا اور چند گھنٹوں بعد ایک کمرہ خالی ہونے پر اسے وہاں شفٹ کر دیا جائے گا۔ اس دوران بجلی چلی گئی اور صبح تک نہیں آئی اور سرجن بھی نہیں آئے۔ بچہ سخت گرمی میں برآمدے میں پڑا رہا۔ ڈاکٹر صاحب کو کئی فون کرائے مگر وہ مریض کو دیکھنے نہ آئے۔ آخر ہم نے فیصلہ کیا کہ فوراً کسی اور ہسپتال میں لے جائیں۔ چلتے وقت ہسپتال کے عملے نے ہمیں ہزار روپے کا بل تھما دیا کہ اس کی ابھی پیمنٹ کریں۔ میں نے اعتراض کیا مگر میرے داماد نے کہا میں سخت پریشان ہوں فی الحال ہم یہ بل ادا کر دیتے ہیں بعد میں دیکھا جائے گا کہ کیا کرنا ہے۔

میں تو سمجھا تھا کہ وہ شخص مسیحا ہوگا
اس نے میری تو مگر تارا مسیحائی کی

☆☆☆☆

چار بیٹیوں کی شادی

میری چار بیٹیاں ہیں۔اپنی کاروباری مصروفیات کے باوجود میں نے ان کی تعلیم کی طرف پوری توجہ دی اور بی۔اے کے بعد یہ فیصلہ کرلیا کہ ایم۔اے پاس کرلینے کے بعد ان کی شادی کردی جائے گی ملازمت نہیں کرائی جائے گی۔ایم۔اے کے امتحان سے پہلے ان کے رشتے طے کر کے امتحان کے نتیجہ کے فوراً بعد شادی کی تاریخ طے کی جاتی رہی۔ہونے والے داماد کے بارے میں میری یہ سوچ رہی کہ اس میں دو خصوصیات کا ہونا بہت ضروری ہے۔ایک یہ کہ وہ کنجوس نہ ہو اور دوسرے بدمزاج نہ ہو۔ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے ان دو خصوصیات کا حامل ہونا لازمی ہے۔لہذا منگنی سے چھ مہینے پہلے ان دو باتوں کو میں خاص طور پر نوٹ کرتا رہا۔

شادی کے وقت میں نے اپنی بیٹیوں کو نصیحت کی کہ اب تم نئے گھر میں جارہی ہو اب اسے ہی اپنا گھر سمجھنا ہے اگر شادی کے بعد تم ہمارے گھر آؤ تو مہمانوں کی طرح اپنے شوہر کے ساتھ۔اگر سسرال میں کسی بات پر تنازعہ ہو جائے تو اسے خود حل کرنا ہے سسرال کی شکایت ہم سے نہیں کرنی۔نتیجہ یہ نکلا کہ چاروں بیٹیاں خوشگوار ازدواجی زندگیاں گزار رہی ہیں۔جو ماں باپ بیٹیوں کو بیاہ دینے کے بعد بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے وہ نقصان میں رہتے ہیں۔دامادوں کے ساتھ میرا رویہ دوستانہ ہوتا ہے اور وہ بھی میرا احترام کرتے ہیں۔

☆☆☆☆

احسان دانش سے شعر کی وضاحت

کالج کا زمانہ تھا کہ ہم چند دوست ایبک روڈ لاہور میں واقع حضرت احسان دانش کے دفتر میں گئے۔یہ دفتر ایبک کے مزار سے متصل تھا۔ہم نے ان سے ایک شعر کی وضاحت چاہی وہ شعر یہ تھا۔

اے خالِ رخ یار تجھے خوب سمجھتا
جا چھوڑ دیا حافظِ قرآن سمجھ کر

حضرت دانش نے فرمایا جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس شعر کا مطلب یہ ہے

اے محبوب کے چہرے کے تل! میں تجھے خوب مسلتا' چومتا' پیار کرتا مگر تجھے اس لئے معاف کر رہا ہوں کہ تو محبوب کے چہرے کا محافظ ہے (محبوب کے چہرے کو قران سے تشبیہہ دی جارہی ہے) پھر حضرت دانش نے ہنستے ہوئے ہم سے پوچھا آپ کو اس شعر کی وضاحت کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

☆☆☆☆

میری بیٹی کا مسیحا

میری سب سے بڑی بیٹی ہیپاٹائیٹس کا شکار ہو گئی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب کئی لوگ اس مرض کے سبب لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ ڈاکٹر علی محمد چوہدری ہماری بیٹی کے معالج تھے مگر صحتیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ انہوں نے بادل نخواستہ ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر کو فون پر ہدایات جاری کیں کہ گلوکوز کی بوتل میں solu cortef 500mg کے دس انجیکشن ڈال کر مریضہ کو لگائے جائیں۔

ڈاکٹر نے جو چوہدری صاحب کے شاگرد بھی تھے ان ہدایات پر عمل کرنے سے انکار کر دیا آزمانے میں کیا قباحت ہے۔ اللہ تعالی نے مہربانی کی اور مریضہ کی جان بچ گئی۔ ڈاکٹر علی چوہدری صاحب آج بھی میری بیٹی کو صحتمند و توانا دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور دعائیں دیتے ہیں۔

☆☆☆☆

راغبؔ صاحب باتھ روم میں پھنس گئے

میں نے کراچی میں ایک عالمی مشاعرہ منعقد کیا جس میں کیفی اعظمی، علی سردار جعفری، اختر الایمان اور دیگر ممتاز شعرا نے شرکت کی۔ حضرت راغبؔ مراد آبادی مشاعرہ گاہ سے اٹھ کر باتھ روم میں گئے تو اندر سے دروازہ مقفل ہو گیا۔ بہت کوشش کی دروازہ نہ کھل سکا۔ مشاعرہ ڈسٹرب ہو گیا آخر ایک مکینک کو بلوایا گیا اور اس نے دروازے کا تالہ توڑ کر راغبؔ صاحب کو رہائی دلائی۔

☆☆☆☆

بیگم ثاقبہ رحیم الدین کا مشاعرہ

جنرل رحیم الدین گورنر سندھ تھے۔ ان کی بیگم محترمہ ثاقبہ نے مجھے گورنر ہاؤس آنے کی دعوت دی اور ایک کل پاکستان مشاعرہ یکجہتی منعقد کرنے کو کہا۔ اس مشاعرے کے اخراجات کے لئے انہوں نے مجھے ایک بڑی رقم دی جو میں نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ کسی علاقہ مجسٹریٹ کو یہ رقم دے دیں وہی خرچ بھی کریں اور اس کا حساب کتاب بھی وہ رکھیں۔ یہ
مجسٹریٹ کو یہ رقم دے دیں وہی خرچ بھی کریں اور اس کا حساب کتاب بھی وہ رکھیں۔ یہ
مشاعرہ منعقد ہوا مگر مجسٹریٹ صاحب اس میں سے آدھی رقم کھا گئے۔ کیٹرنگ، ڈیکوریشن، الیکٹرک، ساؤنڈ سسٹم، پرنٹنگ اور پینٹنگ کے کسی بل کی بھی ادائیگی نہ کی اور یہ لوگ مہینوں چکر کاٹتے رہے مگر بے سود۔

☆☆☆☆

حکیم محمد سعید کے قتل کی افواہ

ہمدرد (وقف) پاکستان کے روح رواں محترم جناب حکیم محمد سعید کے بارے میں ایک افواہ ملک اور بیرون ملک پھیل گئی کہ وہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اس وقت کی وزیر اعظم محترمہ

بینظیر بھٹو اور صدر مملکت سردار فاروق احمد خان لغاری کے تعزیتی پیغامات بھی جاری کر دئے گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ فقط افواہ تھی حکیم صاحب بخیر وعافیت تھے۔ میں اس سلسلے میں ان سے ان کے دفتر میں ملنے گیا تو وہ کہیں جانے کے لئے کار میں بیٹھ چکے تھے مجھے دیکھ کر وہ کار سے باہر آگئے اور مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں نے خوشی کا اظہار کیا کہ آپ کے بارے میں افواہ غلط ثابت ہوئی تو وہ مسکرادئے۔ حکیم صاحب انتہائی سنجیدہ مزاج تھے مگر اس وقت ان کی مزاح پھڑکی اور میرا ہاتھ آہستہ سے دبا کر کہا کہو کیسی رہی۔ کہنے لگے قاسمی صاحب! آپ تو مزاح سے کام لیتے ہیں مگر لوگ یہی کام مذاقاً کرتے ہیں۔

☆☆☆☆

مندر میں جانے پر ابا جی ناراض ہوگئے

آج سے ربع صدی پیشتر میں ہانگ کانگ اور بینکاک کی سیر کو گیا۔ میرے برادر نسبتی میرے ساتھ تھے۔ وہاں ہم نے دوسری عمارتوں کے ساتھ ساتھ گردواروں اور مندروں کا بھی دورہ کیا۔ پاکستان واپسی پر میں نے ابا جی کو بتایا کہ ہم نے وہاں گوردوارے اور مندر بھی دیکھے اور اندر جا کر ان کے پجاریوں سے ملے۔ ابا جی یہ سن کر بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ مسجد میں تمہیں جانے کی توفیق نہیں ہوتی اور مندروں اور گردواروں میں جا بیٹھتے ہو۔

☆☆☆☆

نیویارک میں سخت سردی

نیویارک میں ایک دن مجھے پاکستانی ایمبیسی جانا تھا۔ ٹیوب میں بیٹھ کر تو اس علاقے میں پہنچ گیا مگر ایمبیسی کی عمارت کو جانے کا راستہ معلوم نہ تھا۔ میں نے ایک گرم سوٹ پہن رکھا تھا۔ گھر سے چلتے وقت موسم خوشگوار تھا۔ ٹیوب اسٹیشن سے ایمبیسی کا فاصلہ اچھا خاصہ تھا میں اس جانب پیدل چل پڑا مگر راستے میں موسم اچانک بدل گیا اور سخت ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ کپکپاہٹ سے میری حالت غیر ہوگئی ہوا کے تھپیڑوں نے مجھے ادھ موا کر دیا۔ کہیں چھپنے کی

جگہ بھی نہ ملی۔ ایسا لگتا تھا جیسے مجھے موت یہاں کھینچ لائی ہے۔ ایک موڑ مڑتے ہی سامنے ایک عظیم الشان بلڈنگ پر پاکستانی پرچم لہراتا ہوا نظر آیا تو جان میں جان آئی میں تیزی سے بھاگ کر اس بلڈنگ میں داخل ہو گیا۔ عباس حیدر زیدی صاحب بڑے تپاک سے ملے۔ زیدی صاحب! میرے چھوٹے بھائی عطاء الحق قاسمی کے ماڈل ٹاؤن لاہور میں ہم مکتب تھے۔ سفارت کاری میں ان کا وسیع تجربہ ہے۔ جب انہوں نے مجھے یہ بتایا کہ یہ عظیم الشان عمارت حکومت پاکستان کی مملکت ہے تو خوشی سے میری آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ دیار غیر میں پاکستانی پرچم لہراتا ہوا نظر آتا ہے تو خوشی سے دل بلیوں اچھلتا ہے۔ میرے پاس گولڈ لیف کے سگرٹ ختم ہو گئے تھے مگر زیدی صاحب نے مجھے ۶۔۵ پیکٹ ڈن ہل دگرٹ کے دئے جو اس وقت میرے لئے نصیحت غیر مترقبہ ثابت ہوئے۔

☆☆☆☆

پادریوں کے ساتھ ریل کا سفر

کراچی سے لاہور بذریعہ ریل گاڑی جانا ہوا تو ۹ پادری میرے ہم سفر تھے جو کسی کانفرنس میں شرکت کے لئے جا رہے تھے۔ رات کا کھانا کھانے کے لئے میں نے اپنا ٹفن کھولا تو ان کو بھی دعوت طعام دی انہوں نے بھی اپنا دستر خوان بچھا لیا پھر ہم سب نے مل کر کھانا کھایا۔ ایک پادری نے کہا ہم تو سنا کرتے تھے کہ مسلمان عیسائیوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتے۔ میں نے کہا نہیں ایسا نہیں ہے یہ چند لوگوں کا ذاتی عمل ہوگا اسلام ایسی باتوں سے منع کرتا ہے میں نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ عیسائیوں اور یہودیوں کی دعوت قبول کر لیا کرتے تھے۔ رات بھر ان سے مذہبی گفتگو ہوتی رہی۔ صبح تک وہ میرے رویےّ سے بہت متاثر ہو چکے تھے۔ لاہور ریلوے اسٹیشن پر انہوں نے میرا سامان اُٹھایا اور مجھے باہر تک چھوڑ کر آئے۔

☆☆☆☆

سیّد ضمیر جعفری اور ہم دونوں بھائی

بزمِ اکبر اسلام آباد کی کل پاکستان طنز و مزاح کانفرنس میں سیّد ضمیر جعفری نے ہم دونوں بھائیوں عطاء الحق قاسمی اور مجھے اسٹیج پر دیکھ کر اپنی تقریر میں کہا کہ انہوں نے ایک ماں کے چار فوجی جرنیل بیٹے تو دیکھے ہیں اور وہ انہیں جانتے بھی ہیں مگر کسی ماں کے دو مزاح نگار بیٹے نہیں دیکھے تھے آج وہ دونوں مزاح نگار بھائی ہماری محفل میں موجود ہیں۔ سیّد ضمیر جعفری ہم دونوں بھائیوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری اور دادا جان

امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری جب تقریر شروع کرتے تو ہمارے دادا جان مفتی غلام مصطفٰے قاسمی اور ابا جان مولانا بہاؤالحق قاسمی کا ذکرِ خیر ضرور کرتے۔ بخاری صاحب ہمارے دادا جان کے شاگرد تھے اور ابا جان کے ہم مکتب اور پڑوسی بھی۔

☆☆☆☆

میرے سبھی ہم عمر دنیا سے جاچکے ہیں

میری عمر اس وقت (۲۰۰۲ء) ۶۶ سال ہے میرے بچپن کے تمام ساتھی اور ہم جماعت جب یاد آتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے بیشتر اس دنیا سے جاچکے ہیں۔ ان میں سے اکثر کا انتقال بلاوجہ کے پرہیز اور زیادہ محتاط زندگی گذارنے سے ہوا۔ جو لوگ میری طرح میانہ روی کی زندگی گذارتے رہے وہ آج بھی زندہ ہیں۔ اس یقین کے ساتھ زندگی اور موت قبضہ قدرت میں ہے۔

☆☆☆☆

ہفتئہ دلاور فگار منانے پر ہمارے خلاف کالم لکھے گئے

مارچ ۲۰۰۲ء میں ماہنامہ "ظرافت" کے زیر اہتمام میں نے کل پاکستان سیمینار اور مزاحیہ مشاعروں کا اہتمام کیا جسے ہفتۂ دلاور فگار کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ان عظیم الشان کامیاب تقاریب کے بعد کئی اخبارات میں ہمارے خلاف مسلسل کالم لکھے جاتے یا لکھوائے جاتے رہے۔ بعض کالم نگاروں نے ہمیں بھانڈ کہا، سرکس کا مسخرہ قرار دیا، مداری کا بندر کہا اور یہ بھی کہا گیا کہ میں اس شہر میں مزاح کا طاعون پھیلا رہا ہوں جس سے ہمیں اپنی نئی نسل کو بچانا ہوگا۔ مگر کچھ کالم نگاروں نے ہماری اس کاوش کو مثبت قرار دیا۔

☆☆☆☆

انبالہ سے شملہ

شام بہار ٹرسٹ انبالہ کی مشاعرے سے فراغت کے بعد میں، طفیل ہوشیار پوری اور خالد اقبال یاسر شملہ کے مشاعرہ کے لئے بذریعہ بس روانہ ہوئے۔ انبالہ میں سخت گرمی بڑھ رہی تھی۔ شملہ سطح سمندر سے ۵ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے جہاں اُس وقت سخت سردی تھی۔ انبالہ سے شملہ کا راستہ بہت تنگ اور دشوار گذار ہے۔ مسلسل چڑھائی ہی چڑھائی ہے۔ جب تیز رفتاری کے ساتھ بسیں ایک دوسرے کو کراس کرتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ آپس میں ٹکرا جائیں گی مگر ڈرائیوروں کی مہارت کی وجہ سے ایسے حادثات کم ہوتے ہیں ۔ راستے میں ہم نے پہاڑ کے ساتھ ساتھ بھینسوں کو ایک لائن میں چلتے دیکھا ایسا لگتا تھا جیسے ان میں ٹریفک سینس بہت ہے وہ ٹریفک کو ڈسٹرب نہیں کرتیں۔ ایک بلند جگہ پر سولن کے مقام پر ہماری بس رکی۔ ایک ریسٹورینٹ میں چائے پی۔ سولن میں شراب بنانے کی بہت بڑی فیکٹری ہے جہاں سے پورے ملک کو شراب پہنچائی جاتی ہے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے ایک شعر

وارد ہوا جس کا مفہوم تھا کہ میرے گھر کے متصل اک شراب خانہ ہے اور اس کی وجہ سے میرے گھر کی فضا میں بھی ایک نشے کی سی کیفیت ہے۔

☆☆☆☆

جعلی دواؤں کا کاروبار

حیدرآباد (سندھ) میں میرے دواؤں کے کاروبار کے زمانے میں بڑے عجیب وغریب واقعات پیش آئے۔ ایک روز ایک بہت بڑے ہول سیلر کا ٹیلیفون آیا اور کہا کہ ہمارے پاس بائر کمپنی کی ٹی بی کی دوا کا ایک بڑا لاٹ آیا ہے جو ہم اپنے دکانداروں کو ۱۵ فیصد کی بجائے ۵۰ فیصد ڈسکاؤنٹ پر دے رہے ہیں۔ میں نے کہا ۱۰۰۰۔۱۰۰۰ والے ۱۲ ڈبے بھیج دو۔ ایک گھنٹے میں وہ ڈبے مجھ تک پہنچ گئے۔ اُسی وقت ایک گاہک وہی ٹی بی کی دوا لینے آگیا اُسے ۱۰۰ گولیاں درکار تھیں۔ میرے سیلزمین نے کہا ہمارے پاس صرف ۷۰ گولیاں ہیں یہ جو ڈبے آئے ہیں اُنہیں کھول لوں۔ میں نے کہا یہ ڈبہ مجھے دکھاؤ مجھے دونوں گولیوں میں بڑا فرق نظر آیا۔ اُن ڈبوں میں ایسا لگتا تھا جیسے صرف چونا بھرا ہو۔ میں نے ہول سیلر کو فون کیا کہ یہ گولیاں ناخالص ہیں، ڈبے واپس منگوالو۔ اُس نے کہا آپ کو ہم پر اعتبار نہیں۔ میں نے کہا اعتبار کے باوجود مجھے یہ ڈبے نہیں چاہئیں۔ اس نے یہ ڈبے واپس منگوائے تو اس وقت دن کے بارہ بجے تھے بعد میں خبر آئی کہ دو بجے کے قریب اس کی دکان پر چھاپہ پڑا اور وہ گرفتار ہوگیا۔

فراڈ سیلزمین کی سیلزمین شپ

کاروبار کے زمانے میں اخبارات میں برتن مانجنے کے ایک پاؤڈر کا اشتہار روزانہ شائع ہوتا رہا اور دن میں کئی گاہک وہ پاؤڈر لینے ہماری دکان پر آتے رہے۔

اتنی زیادہ ڈیمانڈ دیکھتے ہوئے ہم نے اُس پاؤڈر کی تلاش حیدر آباد اور کراچی میں جاری رکھی مگر پاؤڈر کہیں نہ ملا مگر گاہکوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ شہر بھر کے ہول سیلرز بھی اُس کی بے پناہ ڈیمانڈ دیکھتے ہوئے اُس کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ ایک ماہ کے بعد ایک نوجوان ہاتھ میں بریف کیس اُٹھائے ہوئے دکان کے اندر داخل ہوا اور بڑی چرب زبانی سے اپنا تعارف کرایا کہ وہ پاؤڈر جس کا آپ کو شدید انتظار تھا ہماری ہی کمپنی کا ہے۔ میں نے پوچھا بھائی اتنے روز کہاں رہے؟ تو اُس نے کہا پنجاب، بلوچستان اور سرحد میں متعارف کرانے کے بعد سندھ کی باری آئی ہے۔ اِس کے بعد اُس نے بریف کیس کھول کر لوہے، پیتل اور نہ جانے کن کن دھاتوں پر یہ پاؤڈر رگڑا اور اُن کی چمک سے مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کی۔ میں نے کہا بھائی آپ نے مارکیٹ میں جو اِس کی ڈیمانڈ پیدا کر دی ہے اُس کا کوئی جواب نہیں۔ میں تو اِس سے ہی بہت متاثر ہوں۔ وہ آرڈر لکھنے لگا تو میں نے کہا ابھی صرف ۱۲ ڈبے دے دو۔ وہ حیران تھا کہ اتنا بڑا دکاندار صرف ۱۲ ڈبوں کا آرڈر؟ اُس نے کہا میں تو آپ کو پورے سندھ کا ڈسٹری بیوٹر مقرر کرنے آیا تھا اور آپ ہیں کہ صرف ۱۲ ڈبوں کا آرڈر دے رہے ہیں۔ میں نے اُس سے کہا آپ زیادہ باتیں کریں گے تو میرا اعتبار اُٹھ جائے گا۔ وہ بادل نخواستہ ۱۲ ڈبوں کے پیسے لے کر چلا گیا۔ پورے شہر میں اُس نے لاکھوں کارٹن بیچ ڈالے۔ لوگوں نے گوداموں کے گودام بھر لئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ اُن ڈبوں میں صرف مٹی تھی یا چونا۔ وہ فراڈ شخص لوگوں سے لاکھوں روپے ہتھیا کر چلا گیا اور پھر کبھی نظر نہ آیا۔ میں نے اِس واقعہ پر ایک قطعہ کہا :

کوئی گاہک لوٹ جائے یہ تو ممکن ہی نہیں
میں نے حاصل کرلیا ہے سیلزمینی میں کمال
ایک گاہک کو ضرورت ٹائلٹ پیپر کی تھی
میں نے اُس کو دے دیا ہے اِس کے بدلے ریگ مال

روز نامہ ''انقلاب'' ممبئی کا سالگرہ مشاعرہ

روز نامہ ''انقلاب'' بمبئی کی ۵۰ ویں سالگرہ کے مشاعرے میں شرکت کے لئے شان الحق حقّی، گلنار آفرین، راقم الحروف اور حکیم ناصر بھارت گئے۔ اُس مشاعرے میں ممتاز فلمی اداکار دلیپ کمار بھی شریک ہوئے۔ حکیم ناصر کی غزل :

جب سے تو نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے
سنگ ہر شخص نے ہاتھوں میں اُٹھا رکھا ہے

یہ غزل اُس مشاعرے کے علاوہ دیگر مشاعروں میں بھی بہت مقبول ہوئی۔ ہندوستان کی معروف گلوکارہ اور رقاصہ تو اِس غزل پر مرمٹی۔ ہم نے اُس کے بعد جن دعوتوں میں شرکت کی اس گلوکارہ نے یہی غزل حکیم صاحب کو تکتے تکتے نمناک آنکھوں کے ساتھ سنائی اور ہر بار بھرپور داد سمیٹی۔ میں نے اِس غزل کی پیروڈی یوں کی :

پانچ چھ غزلیں سنانا تو بُری بات نہیں — پورا دیوان بغل میں جو دبا رکھا ہے
اور غزلیں جو سناؤ گے تو پھر خیر نہیں — ''سنگ ہر شخص نے ہاتھوں میں اٹھا رکھا ہے''

لاہور کے مشاعرے میں فلمی ستارے

پاک لینڈ سیمنٹ انڈسٹری کے سالانہ مشاعرے کراچی ، لاہور اور اسلام آباد میں بھی ہوئے۔ لاہور کے مشاعرے میں بے شمار فلمی لوگ بھی سامعین میں موجود تھے۔ ممتاز شاعر نظر امروہوی نے ایک غزل پڑھی جس میں لفظ انجمن شامل تھا۔ محفل میں بیٹھی فلمی اداکارہ انجمن سمجھی کہ یہ غزل نظر امروہوی صاحب نے اُسے دیکھ کر پڑھی ہے۔ وہ بڑے ناز و ادا کے ساتھ خرامیدہ خرامیدہ اسٹیج پر آ کر نظر صاحب کے ساتھ بیٹھ گئی اور مائیک پر آ کر کہا حضرات ! نظر امروہوی صاحب نے مجھے دیکھ کر غزل پڑھی ، میں اُن کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور میری خواہش ہے کہ یہ ہر غزل میں میرا ذکر ضرور کیا کریں۔ میں کمپیئرنگ کر رہا تھا میں نے کہا انجمن صاحبہ ! نظر امروہوی صاحب کراچی میں رہتے ہیں اور آپ لاہور میں تو یہ سب کچھ کیسے ہوگا؟ اس کے لئے نظر صاحب لاہور شفٹ ہوجائیں یا آپ کراچی آ جائیں۔ انجمن نے کہا مجھے کراچی شفٹ ہونا منظور ہے۔ میں نے کہا اگر نظر صاحب لاہور منتقل ہونا چاہیں تو کیا ہوگا ؟ انجمن نے کہا اس کی منظوری آپ نظر صاحب ہی سے لیں۔ اس کے بعد انجمن نے ایک غزل سنائی جس میں اتنا وزن بھی نہ تھا جتنا اُن کا اپنا ہے۔ مشاعرے کے اختتام پر ہم لوگ ہوٹل میں چلے گئے۔ صبح اُٹھ کر میں نے نظر صاحب سے کہا آپ کے سوجانے کے بعد انجمن پولیس لے کر آئی تھی اور آپ کو گرفتار کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اُنہیں سمجھا بجھا کر واپس کیا ہے وہ دو چار گھنٹوں بعد پھر آئیں گے۔ نظر صاحب اتنا ڈر گئے کہ وہ چپ چاپ ہوٹل سے چلے گئے۔ اب بھی کبھی اس

واقعہ کا ذکر آتا ہے تو نظؔر صاحب کی حالت خراب ہوجاتی ہے۔ نظؔر صاحب کا شعری مجموعہ "متاعِ نظر" اب شائع ہوگیا ہے۔ میں نے کہا اس کا نام "متعۂ نظر" ہونا چاہیئے تھا۔ نظؔر صاحب انتہائی نیک، خوش مزاج اور سیدھے سادے شخص ہیں میری باتیں سن کر ہنس دیتے ہیں۔

ماجرا یا باجرہ

ہمارے دوست کرنل غیاث کا فون آیا۔ اُنہوں نے پوچھا آپ کے پاس "ماجرا" ہوگا۔ میں سمجھا وہ باجرہ پوچھ رہے ہیں۔ میں نے کہا کرنل صاحب! باجرہ کسی پھنسار سے ملے گا میرا کیا تعلق! کرنل صاحب نے کہا قاسمی صاحب! میں باجرہ نہیں محسن بھوپالی کا شعری مجموعہ "ماجرا" کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔

شعیب بن عزیز کا ایک شعر

میں اپنے برادر خورد عطاء الحق قاسمی سے ملنے لاہور گیا۔ اُنہوں نے مجھے ایک شعر سنایا، اُس وقت عطاء کار چلا رہے تھے اور میں اُن کے ساتھ بیٹھا تھا۔ یہ شعر سن کر طبیعت مچل گئی اور میں نے پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟ تو اُنہوں نے بتایا شعیب بن عزیز کا۔ میں اِس شعر کے خالق سے ملنے اُس کے دفتر گیا تو وہ سیٹ پر موجود نہ تھے اُن کو میری اطلاع دی گئی تو فوراً کمرے میں آگئے اور میں اُن سے لپٹ گیا اور شعر کی تعریف کی۔ وہ شعر یہ تھا :

کیوں اُداس پھرتے ہو سردیوں کی شاموں میں
اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں

امرتسر میں دادا جان کی قبر

پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا تو میں چند برسوں بعد اپنی جنم بھومی امرتسر (بھارت) دیکھنے گیا۔ عمارتیں بھی اُس زمانے میں بڑی بڑی نظر آیا کرتی تھیں اب بہت چھوٹی لگنے لگیں۔ میں امرتسر کی جامع مسجد محمد جان کے امام جناب عبداللہ شاہ کے حجرے میں رہا۔ شہر کی دوسری تمام مسجدیں مثلاً مسجد خیرالدین (ہال بازار) مسجد کمہاراں وغیرہ ویران نظر آئیں۔ مسجد محمد جان ہندوؤں اور سکھوں کی دست برد سے اس لئے محفوظ رہی کہ بھارت کی حکومت نے کشمیر سے کچھ قالین بافی کے ماہر بلوائے اور اُنہیں اسی مسجد کی ملحقہ عمارت میں ٹھہرایا۔ میرے دادا جان مولانا مولوی مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب کی قبر مسجد کمہاراں میں تھی، میں نے وہاں بھی حاضری دی۔ مسجد تو ویران تھی مگر دادا جان کی قبر محفوظ رہی۔ ہندو سکھ اور دوسرے لوگ داداجان کی قبر پر آتے، منتیں مانتے، اگربتی اور پھول چڑھاتے۔ ہماری گلووالی دروازے والی مسجد میں مَیں نے گدھے پھرتے دیکھے۔ دادا جان کی قبر کی زیارت کے بعد جب میں مسجد سے باہر آیا تو لوگوں نے مجھے گھیر لیا اور جب اُن کو پتہ چلا کہ میں مفتی صاحب کا پوتا ہوں تو وہ فرطِ عقیدت سے رو پڑے اور بعض نے میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ میری والدہ محترمہ نے مجھے کہا تھا کہ امرتسر میں ہماری بہت دیرینہ جمعدارنی گنگو سے بھی ضرور مل کر آنا، لہٰذا میں گنگو کو تلاش کرتا کرتا اُن کی کھتی میں پہنچا۔ اُس نے مجھے دیکھ کر بے پناہ خوشی کا اظہار کیا اور مجھے پیار کیا۔ واپسی پر میں اپنا اور سید عطا اللہ بخاری صاحب کا مکان دیکھنے گیا، یہ دونوں مکان آمنے سامنے تھے۔

تھانیدار کو شاعرہ کا جعلی فون

ایک شاعرہ نے مجھے فون پر کہا کہ اُس کا شوہر اِس وقت فلاں شہر کے فلاں تھانے میں پولیس کی تحویل میں ہے۔ وہاں کے ڈی آئی جی آپ کے دوست ہیں اُن کو فون کریں کہ میرے شوہر کو رہا کردیں۔ میں نے کہا بی بی! کس جرم کی پاداش میں پولیس نے تمہارے شوہر کو پکڑا ہے؟ کہنے لگیں کوئی الزام نہ تھا، پرانی دشمنی کے سبب یہ سب کچھ ہوا۔ میں نے ڈی آئی جی صاحب کو فون کیا تو وہ شہر سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے۔ شام کو واپس لوٹے تو اُن کو تمام واقعہ کی اصل حقیقت معلوم ہوچکی تھی۔ اُنہوں نے مجھے فون پر بتایا کہ یہ شخص بہت بڑا دھوکہ باز ہے، یہ لوگوں کو امریکہ بھجوانے کے بہانے اُن سے لاکھوں روپے بٹور چکا ہے، وہ تمام لوگ اِس وقت تھانے کے باہر جمع ہیں اور اِس کے خلاف احتجاج کررہے ہیں۔ ڈی آئی جی صاحب نے مجھے یہ بھی بتایا کہ شاعرہ نے کراچی سے اُس تھانیدار کو فون کیا اور یہ بتایا کہ وہ آئی جی کی بیگم ہیں۔ اور کہا کہ اِس شخص کو چھوڑدو۔ تھانیدار سمجھ گیا کہ یہ اِس سے دھوکہ کیا جارہا ہے، پھر کسی مرد نے کراچی سے آئی جی بن کر تھانیدار کو فون کیا کہ اِس شخص کو چھوڑدو۔ ڈی آئی جی صاحب نے مجھ سے کہا قاسمی صاحب! آپ یہ سب باتیں سن کر بھی اِس آدمی کی سفارش کریں گے؟ میں نے کہا نہیں ہرگز نہیں، آپ قانون کے مطابق اپنا کام کریں۔

سانگھڑ (سندھ) میں مشاعرہ

سندھ کے شہر سانگھڑ میں کیڈٹ کالج کے طلباء کی طرف سے ایک مشاعرہ منعقد ہوا۔ کراچی، حیدر آباد اور میر پور کے بہت سے شعراء اُس میں شریک ہوئے۔ سید ضمیر جعفری کے آخری ایام کے مشاعروں میں ایک مشاعرہ یہ بھی تھا۔ ہم لوگ ایک بس میں کراچی سے سانگھڑ پہنچے۔ کیڈٹ کالج شہر سے دس میل دور واقع ہے۔ ہمیں ایک ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا گیا۔ رات بارہ بجے میری طبیعت خراب ہوئی تو میں نے منتظمین سے کہا مجھے ریسٹ ہاؤس پہنچادیں۔ ایک ڈرائیور مجھے لے چلا اس پورے راستے میں جنگل ہی جنگل تھا، ڈرائیور مجھے سمجھاتا رہا کہ اگر ڈاکو آجائیں تو آپ ہرگز مزاحمت نہ کریں بلکہ ہر چیز خاموشی سے اُن کے حوالے کردیں۔ مجھے اس نے اتنا ڈرادیا کہ صبح تک نیند نہ آئی۔

فاضل فارسی کے کورس میں گندگی

۱۹۵۳ء میں، مَیں نے فاضل فارسی کا امتحان پاس کیا۔ مولانا غلام محمد ترنم ہمارے اُستاد تھے۔ مثنوی مولانا روم، اور گلستان، بوستان میں جہاں جہاں نصیحت آموز قصے بیان کئے گئے ہیں، وہ پڑھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ طلباء اصرار کرتے تھے کہ یہ مضمون ہم ضرور پڑھیں گے، مگر مولانا طرح دے جاتے اور آئندہ کسی پیریڈ میں پڑھانے کا وعدہ کرلیتے۔ طالبات ہرگز ہرگز یہ چیزیں نہ پڑھنا چاہتی تھیں، لہٰذا یہ صفحات ہمیں کلاس میں نہ پڑھائے گئے بلکہ ہم گھر پر خود ہی پڑھ لیتے تھے۔

امریکہ میں نیرّ جہاں کا مشاعرہ

امریکہ میں محترمہ نیرّ جہاں مشاعروں کی آرگنائزر ہیں۔ شعراء کو نصیحت کرتی رہتی ہیں کہ کوئی خراب لطیفہ یا شعر نہ سنائیں۔ اتنی تاکید کے باوجود لاس اینجلس کے مشاعرے میں ڈاکٹر بشیر بدر نے کمپیئرنگ کے دوران ایسا گندہ لطیفہ سنادیا کہ عورتوں نے چہرے پر ہاتھ رکھ لئے۔ نیر جہاں بہت زود رنج واقع ہوئی ہیں، مگر ڈاکٹر بشیر بدر کی اس حرکت کو نظر انداز کر گئیں۔

بچپن کی شرارتیں

۱۲ سال کی عمر میں اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے صاحبزادے سید عطاء المحسن بہت شرارتیں کیا کرتے تھے۔ امرتسر میں کشمیری ہاتو (مزدور) بھی رہتے تھے یہ سر پر کپڑے کی گول ٹوپی پہنے رہتے۔ ہم چھت پر چڑھ کر مچھلی پکڑنے والے کانٹے کے ساتھ دھاگہ باندھ کر نیچے لٹکا دیتے، کوئی ہاتو گزرتا تو ہم اُس کی ٹوپی کانٹے کے ذریعے اوپر کھینچ لیتے۔ وہ ہماری شکایت ابا جی سے کرتے، ہم سزا ملنے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رکھتے۔

مسجد کا شریف النفس مؤذن

ہمارے محلّے کی مسجد کا مؤذن انتہائی شریف اور پاکباز تھا۔ ہمیشہ ننگی زمین پر سر کے نیچے اینٹ رکھ کر سوتا۔ اُس کا کہنا تھا کہ یہ نفس کشی کا واحد مشکل طریقہ ہے۔

ہم نے سن رکھا تھا کہ اگر کالے کیڑے کو دونوں اُنگلیوں سے پکڑ کر آہستہ سے دبایا جائے تو اُس کا منہ کھل جاتا ہے، اُس کے بعد وہ اتنی بُری طرح کاٹتا ہے کہ جسم میں سے گوشت نکل آتا ہے۔ مؤذن صاحب جب سو رہے ہوتے تو ہم کالے کیڑے اُن کے جسم پر چپکا دیتے، وہ ہڑ بڑا کر تکلیف سے اُٹھ بیٹھتے اور اِدھر اُدھر دیکھتے۔ ایک روز اُنہوں نے ہمیں بھاگتے ہوئے دیکھ لیا مگر ہمیں کچھ نہ کہا بلکہ ایک روز کہنے لگے اگر آپ کو اِس طرح اچھا لگتا ہے تو بیشک اپنا شوق پورا کرلیا کریں، میں آپ سے ناراض نہیں ہوں گا۔ اُس کے بعد سے ہم نے ایسی شرارتوں سے توبہ کرلی۔

لودھی صاحب اور شہد کی مکھیاں

لودھی صاحب ہمارے دوست ہیں اُن کے تمام شوق بڑے عجیب وغریب ہیں۔ وہ اپنے چہرے پر شہد کی مکھیاں بٹھاتے ہیں اور پھر وہ بیٹھتی چلی جاتی ہیں یہاں تک کہ اُن کا پورا چہرہ دب جاتا ہے یہ مکھیاں کان ناک اور منہ میں بھی چلی جاتی ہیں وہ دم سادھے گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں۔ لودھی صاحب کو ایک عرصے سے ٹانسلز کا عارضہ تھا۔ ڈاکٹر آپریشن کے لئے کہتے تھے مگر وہ اِس کے لئے آمادہ نہ تھے۔ ایک دفعہ ایک مکھی اُن کے حلق میں چلی گئی اور ٹانسلو پر ڈس دیا جس سے اُن کا یہ مرض ختم ہوگیا۔

مارُوں گھٹنا پھوٹے آنکھ

جہاز میں یہودی نے سوٴر نہ کھایا

میں اور میرے برادر نسبتی تھائی لینڈ گئے تو جہاز میں بیٹھتے وقت ہم نے عملہ کو لکھوا دیا تھا کہ ہم مسلمان ہیں، لہٰذا مسلم فوڈ دیجیے۔ ایئر ہوسٹس غلطی سے ہم دونوں کے لئے کھانا لے کر آئی تو اُس میں Pork تھا ہم نے واپس کر دیا۔ وہ دوسرا کھانا لے آئی اور اُس غلطی پر معذرت کی۔ میرے ساتھ والی سیٹ پر ایک یہودی بیٹھا تھا جو خاموشی سے عبادت میں مصروف تھا اُس کو بھی غلطی سے غلط کھانا دے دیا گیا اُس نے جب دیکھا تو غصے سے اُس کی حالت خراب ہوگئی۔ ایئر ہوسٹس نے کہا کہ اِن دونوں نے مجھے معاف کر دیا ہے آپ بھی معاف کر دیں۔ اُس نے کہا یہ مسلمان ہیں اُنہوں نے معاف کردیا مگر میں یہودی ہوں میں معاف نہیں کر سکتا۔ اُس نے کمپلینٹ بک منگوائی اور بڑے سخت الفاظ میں اُس کی شکایت لکھی اور کہا کہ وہ اِس وقت تک چین سے نہ بیٹھے گا جب تک اِس شکایت پر عمل نہ ہوگا۔ اُس لڑکی نے یہودیت کی توہین کی ہے۔ اُس نے تھائی ایئرلائن کی انتظامیہ کو لکھا کہ یہ لڑکی نااہل ہے اِسے فوراً معطل کیا جائے۔

کینیڈا کی ریلوے سروس

کینیڈا کے ممتاز شاعر جناب اشفاق حسین نے مجھے نیویارک سے کینیڈا آنے کی دعوت دی اور ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھیجا۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں یہ سفر ریل کے ذریعے کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا اُنہوں نے ریل کا ٹکٹ منگوا دیا۔ ٹورنٹو میں

مقیم میرے داماد اور بیٹی کو اطلاع کر دی گئی کہ میں فلاں ٹرین سے پہنچوں گا۔ نیاگرا آبشار پر پہنچ کر ہمیں بتایا گیا کہ اب ٹورنٹو تک کا سفر بذریعہ بس کرنا پڑے گا۔ ہم بس کے ذریعے ٹورنٹو ریلوے اسٹیشن کے باہر پہنچ گئے مگر داماد بیٹی اور بچے تو ریلوے اسٹیشن کے اندر میرا انتظار کر رہے تھے کیونکہ ریلوے انتظامیہ ابھی تک یہی اعلان کررہی تھی کہ ٹرین اپنے وقت پر پہنچنے والی ہے۔ میں انتظار کے بعد اندر گیا تو وہ میرے منتظر تھے۔ ریلوے کی اِس بد نظمی پر حیرت ہوئی۔ ٹورنٹو سے واپسی پر بھی یہی ہوا کہ ایک غیر معروف ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر ٹرین کا انجن خراب ہوگیا ہمیں ٹرین سے نیچے اُتار دیا گیا۔ ہم دوسری ٹرین کے انتظار میں وہاں گھنٹوں بیٹھے رہے۔ اللہ اللہ کر کے دوسری گاڑی آئی مگر مسافروں سے بھری ہوئی دھکم پیل سے اُس میں سوار ہونا پڑا۔ عملے نے بتایا کہ ہماری پہلی ریزرویشن خود بخود ختم ہوچکی ہے۔ رات ایک بجے یہ ٹرین نیویارک پہنچی تو میرے دوست شام سے میرے انتظار میں کھڑے تھے۔ ہم سنا کرتے تھے کہ یہ ترقی یافتہ ممالک ہیں مگر یہ تو ہم سے بھی گئے گذرے نکلے۔

ہسپتال میں ڈاکٹروں کے چٹکلے

عارضۂ قلب کے سبب مجھے کراچی کے ایک ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ دل کے علاوہ اور بھی شکایتیں تھیں سوچا اُن کو بھی چیک کرالیا جائے۔ گھٹنے میں درد کے لئے آرتھوپیڈک سرجن نے میرے کئی ٹیسٹ اور ایکسرے کروائے اور تجویز کیا کہ اس گھٹنے کی knee eah بدلنا پڑے گی۔ میں نے انکار کیا Rheumatology کے شعبے سے ایک ڈاکٹر سے مشوہ کیا اُنہوں نے تمام ٹیسٹ اور ایکسرے رپورٹیں

دیکھ کر کہا آپریشن کی ضرورت نہیں، صرف ہلکی سی ایکسرسائز کرلیا کریں جو میں نے بعد میں کی اور گھٹنا ٹھیک ہوگیا۔ اسی ہسپتال میں میں نے آئی اسپیشلسٹ سے شکایت کی کہ مطالعہ کے وقت آنکھوں سے پانی بہتا ہے وہ مجھے آپریشن تھیٹر میں لے گئے اور ایک باریک تار سے میری آنکھوں کے بند چینلز کھول دیئے۔ اُس کے بعد یہ ہوا کہ ہر وقت پانی بہنے لگا جو صرف مطالعہ کے وقت بہتا تھا۔ اِسی طرح ریڑھ کی ہڈی میں درد کی شکایت کی تو ڈاکٹر نے آپریشن کا مشورہ دیا۔ ہسپتال سے فراغت کے بعد ایک اور بڑے ڈاکٹر کو دکھایا تو اُس نے کہا ریڑھ کی ہڈی کے آپریشن کی کوئی ضرورت نہیں، آپ لیٹے لیٹے یہ ورزش کرلیا کریں۔ میں نے اس پر عمل کیا اور درد ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

گر ہمی مکتب و ہمی ملاّ ست کار طفلاں تمام خواہد شد

نیویارک کے ریلوے اسٹیشن پر نیگرو کی نازیبا حرکات

نیویارک ریلوے اسٹیشن کے واش روم میں جانا ہوا۔ میں نے وہاں ایک کالے کو ایسی فحش حرکات کرتے دیکھا جو یہاں بیان نہیں کی جاسکتیں۔ وہ واش روم میں اکیلا نہ تھا بلکہ اور بہت سے لوگ وہاں موجود تھے جو اُسے یہ حرکات کرتے ہوئے دیکھ کر بھی اُسے نظر انداز کیئے ہوئے تھے۔ یہ کیسی آزادی ہے؟ اتنے تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ ملک میں ایسی حرکات کو شاید آزادی ہی کہا جاتا ہے حالانکہ یہ تو مادر پدر آزادی ہے۔ میں نے اپنے ایک سفر نامہ میں لکھا تھا کہ یورپ اور امریکہ میں سوک سینس بھی ہے اور ٹریفک سینس بھی باقی سب نان سینس ہے۔

جعلی معذور

زندگی میں کئی بار ایسا ہوا کہ سڑک پر کوئی معذور نظر آیا تو اُس کی مدد کرنے کو دل چاہا وہ قریب آیا تو اندازہ ہوا کہ معذور نہیں ہے بلکہ معذور بنا ہوا ہے۔ ذرا سی سختی کی تو وہ اُنہی ٹیڑھی کی ہوئی ٹانگوں اور بازوؤں کو سیدھا کر کے بھاگتا نظر آیا۔ اِنہی بھیک منگوں نے مستحقین کا حق مار رکھا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اِن جعلی معذدروں کے ساتھ بھی ہمدردی سے پیش آنا چاہیئے مگر میری سوچ یہ ہے کہ ہم اِن کی مدد کر کے اِن کو سچ مچ معذور بنا رہے ہیں۔

دھوکے باز ضرورت مند

میرے والد محترم کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ وہ مسافر ہے اُس کی جیب کٹ گئی ہے اور وہ راولپنڈی جانا چاہتا ہے، ریل کے ٹکٹ کے پیسے اُس کے پاس نہیں ہیں۔ اباجی نے اپنے ملازم کو ٹکٹ کے پیسے دیئے اور کہا اِس کے ساتھ جاؤ، ٹکٹ خرید کر اِس کو گاڑی میں سوار کر کے گاڑی چلنے کا انتظار کرو۔ ملازم نے ایسا ہی کیا۔ گاڑی جب پلیٹ فارم سے چلی تو وہ شخص پلیٹ فارم کے دوسری طرف اُتر کر بھاگ گیا۔

فراڈ کا ایک نیا طریقہ

مجھے ڈاک کے ذریعے ایک خاتون کا خط ملا اُس نے لکھا تھا کہ میں غریب

عورت ہوں آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ، شوہر بھی نہیں ہے ، بچوں کی پرورش کرنا میرے بس میں نہیں۔ میں ایک اسکول میں پڑھاتی ہوں۔ مجھے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے اور میں چاہتی ہوں کہ میرے بچے بھی مطالعہ کا شوق پیدا کریں کتابیں اور رسالے خریدنے کی مجھ میں سکت نہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ مجھے اپنی کتابیں اور رسالہ بھیج دیں۔ میں آپ سے مالی امداد کی خواہاں نہیں ہوں۔ میں ایک عزت دار عورت ہوں مجھے صرف کتابوں کی ضرورت ہے۔ یہ خط پڑھ کر میں بہت متاثر ہوا اور ارادہ کیا کہ اِس خاتون کو کتابیں بھی بھیجی جائیں اور رقم بھی پھر میں نے سوچا کہ پہلے اِسے ایک خط لکھا جائے تاکہ اُس' کا جواب آنے پر اُس کا پتہ کنفرم ہوسکے۔ میرے خط کا جواب نہ آیا تو میں نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ وہ خود جاکر اُس خاتون کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ میرے دوست نے مجھے بتایا کہ وہ عورت باقاعدہ ایک پیشہ ور بھکارن ہے اور وہ ایسے خطوط بے شمار لوگوں کو لکھتی رہتی ہے۔

چالیس سال سے کوئی اسکینڈل نہیں بنا

جناب مشتاق احمد یوسفی صاحب سے ایک ملاقات کے دوران ممتاز مزاح گو شاعر اطہر شاہ خان جیدی کے بارے میں گفتگو ہورہی تھی۔ میں نے کہا جیدی صاحب ڈرامہ نگار، پروڈیوسر شاعر، فنکار، ڈائریکٹر اور نہ جانے کیا کچھ ہیں۔ وہ پوری زندگی فلم، ٹی وی اور اسٹیج پر چھائے رہے اُن کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی مگر اِس پوری مدت میں اُن کا کوئی اسکینڈل نہیں بنا۔ یوسفی صاحب نے فرمایا پچھلے پچاس برسوں میں اُن کا بھی کوئی اسکینڈل نہیں بنا۔

صابر ظفر کا شعر

ممتاز غزل گو شاعر صابر ظفر کئی شعری مجموعوں اور فلمی گیتوں کے خالق ہیں وہ ایک مشاعرے میں اپنی ایک مشہور غزل پڑھ رہے تھے جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

میں نے اوڑھی ہے ترے پیار کی اجرک ایسی
اب تجھے چھوڑ کے پنجاب نہیں جاسکتا

اس شعر پر ایک سامع نے بلند آواز میں کہا۔ پنجاب والوں کو کیا منہ دکھاؤ گے۔

گجرات کا مشاعرہ

وفاقی وزیر چوہدری شجاعت حسین نے دریائے چناب کے کنارے ایک کل پاک و ہند مشاعرہ منعقد کیا۔ جس میں قومی و صوبائی اسمبلیوں اور سینیٹ کے ۳۵۰ ممبران نے شرکت کی۔ یہ اس لحاظ سے یہ اپنی نوعیت کا واحد مشاعرہ ثابت ہوا۔ ڈاکٹر حسن رضوی اِس مشاعرے کی نظامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ شعرا کی تعداد ۸۰۔۷۰ تھی۔ حسن رضوی نے لکھنؤ سے آئے ہوئے ایک شاعر کا تعارف کرانے سے پہلے ایک واقعہ سنایا کہ وہ ایک بار لکھنؤ گئے۔ تانگے میں سوار ہوئے کوچوان سے پوچھا یہ گھوڑا تیز کیوں نہیں بھاگتا۔ کوچوان نے کہا حضرت ! اِنہوں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ یہ واقع سنا کر حسن رضوی نے لکھنؤ کے مہمان شاعر کو دعوت کلام دی۔ وہ شاعر بے چارہ دبلا پتلا اور چھوٹے قد کا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی ایک سامع نے بآواز بلند کہا اِنہوں نے بھی کچھ کھایا ہے کہ نہیں۔

جہاز کا اغواء ..... پائلٹ غدار نکلا

پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز کا ایک مسافر بردار طیارہ ہائی جیکرز نے اغواء کرلیا اور پائلٹ کو حکم دیا کہ وہ یہ جہاز بھارت لے چلے۔ مگر وہ طیارہ بھارت جانے کی بجائے حیدرآباد ایئرپورٹ (سندھ) پر اُتار لیا گیا۔ لوگ سمجھے کہ پائلٹ کی حب الوطنی اور مہارت سے ایسا ممکن ہوا۔ میرے بھانجے اور داماد مبین پیرزادہ نے پائلٹ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے پرل کانٹی نینٹل میں ایک شاندار تقریب کا اہتمام کیا۔ سینکڑوں لوگوں نے اُس کی تقریر سنی اور ایک ایک جملے پر تالیاں بجائیں۔ اِس اغواء کی تحقیقات کا عمل جاری تھا۔ انکوائری کے بعد پتہ چلا کہ یہ پائلٹ تو بھارت جانے کو تیار ہوگیا تھا مگر حیدرآباد کے گراؤنڈ اسٹاف نے اُسے یہ ظاہر کیا کہ وہ بھارت کے ایک ایئرپورٹ پر پہنچ چکا ہے اور اب وہ نیچے اُتر آئے۔

اگر حیدرآباد کا عملہ یہ حکمت عملی اختیار نہ کرتا تو یہ پائلٹ بھارت پہنچ جاتا۔ ہمیں اِس کے اعزاز میں تقریب منعقد کرنے پر بعد میں بہت افسوس ہوا۔

ورلڈ ٹریڈ سینٹر

ورلڈ ٹریڈ سینٹر (امریکہ) کی تباہی سے ایک سال پیشتر امریکہ کے مشاعروں میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ ایک روز دوست مجھے سیر کرانے لے گئے۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر بھی دیکھا۔ اوپر گئے رات کا وقت تھا۔ سڑکوں پر کاروں کی روشنی یوں نظر آرہی تھیں جیسے روشنی بہہ رہی ہو۔ میں نے وہیں ایک شعر کہا اور بعد میں اس پر پوری غزل ہوگئی۔

فضا میں روشنی جو بہہ رہی ہے
کوئی چندا کا مکھڑا دھو رہا ہے

پاکستان میں جمہوریت کا تختہ اُلٹ دیا گیا

میں اور سلیم کوثر بینکاک کے یوم اقبال کے سیمینار اور مشاعرے میں شرکت کے بعد کراچی واپس آئے تو ہمارا جہاز ایئرپورٹ پر نہ اُتر سکا۔ پائلٹ کو ہدایت کی گئی کہ وہ کسی اور ملک کی طرف چلا جائے۔ جو شعراء بینکاک سے لاہور آگئے تھے اُن کو بھی اُترنے کی اجازت نہ ملی اِس جہاز میں احمد ندیم قاسمی بھی تھے۔ اُن کا جہاز واپس بینکاک چلا گیا۔ راستے میں قاسمی صاحب کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی ، لہٰذا انہیں بینکاک کے ایک ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ ہمارا جہاز کراچی سے مسقط آگیا مگر اِس کا فیول ختم نہ ہوا۔ ہمارا جہاز جب کراچی ایئرپورٹ کے اوپر چکر لگا رہا تھا اُسی وقت پرویز مشرف کا جہاز بھی ایئرپورٹ کے چاروں طرف محو پرواز تھا اور کچھ دیر بعد اُسے اتار لیا گیا۔ ساتھ ہی پاکستان سے جمہوریت کی گاڑی بھی پٹڑی سے اُتار دی گئی۔ مسقط سے ہمارا جہاز بینکاک چلا گیا۔ جہاں تمام شعراء دو دن تک ٹھہرے، اِس کے بعد سب کو وطن واپس آنے کی اجازت دی گئی۔

کنور مہندر سنگھ بیدی اپنی اصلی حالت میں

ایک مشاعرے میں شرکت کے لئے دہلی جانا ہوا تو کنور مہدر سنگھ بیدی سے ملاقات کے لئے اُن کی رہائش گاہ واقع کیلاش بھی گیا۔ آواز دی تو اُن کی بیگم

صاحبہ باہر تشریف لائیں۔ میں نے اپنا تعارف کرایا تو بولیں وہ تو سو رہے ہیں۔ بیدی صاحب نے میرا نام سن لیا تو اپنے بیڈروم سے بولے۔ بیگم! اِن کو روکو میں آرہا ہوں۔ بیدی صاحب کمرے سے باہر نکلے تو میں نے اُن کو اصلی حالت میں دیکھا یعنی اُنہوں نے صرف انڈرویئر پہن رکھا تھا۔ اُنہوں نے مجھے گلے لگالیا۔ بیدی صاحب سے اِس حالت میں گلے ملنے کا اعزاز یا مجھے حاصل ہوا یا اُن کی بیگم کو۔

چنڈی گڑھ کے مغل گارڈنز میں مشاعرہ

شام بہار ٹرسٹ انبالہ کے مشاعرے سے فراغت کے بعد چنڈی گڑھ کے مشاعرے میں شرکت کی۔ یہ مشاعرہ مغل گارڈنز میں منعقد ہوا۔ سامعین میں سب کے سب سرکاری افسران تھے۔ ہندو کم اور سکھ زیادہ۔ یہاں کے چیف سیکریٹری بھی سکھ تھے۔ مشاعرے کی نظامت میرے ذمہ تھی۔ جس کا آغاز میں نے اُردو میں کیا۔ مگر سامعین نے اصرار کیا کہ پنجابی میں کریں۔ میں نے زندگی میں پہلی بار پنجابی میں نظامت کی اور مزا آگیا مجھے اور سامعین کو۔ محفل زعفران زار ہوگئی۔ سامعین اُچھل اُچھل کر داد دیتے رہے۔ چیف سیکریٹری اور اُن کی بیگم داد دینے کے لئے اسٹیج پر آگئے۔

بیوہ کے مکان پر قبضہ

میرے پڑوس میں ایک شخص نے ایک بیوہ کے مکان پر قبضہ کر رکھا تھا۔ وہ اُس میں رہتا بھی نہیں تھا بلکہ کچھ سامان رکھ کر تالہ لگا دیا تھا۔ وہ عورت تھانے گئی۔ وزراء کو شکایت کی مگر اُس کا کچھ نہ بن سکا۔ قبضہ کرنے والے شخص سے محلے کا ہر

آدمی ڈرتا تھا۔ وہ عورت میرے پاس آئی اور روتے روتے یہ قصہ بیان کیا۔ میں فوراً اُس کے ساتھ گیا اُس مکان کا تالہ توڑا۔ بیوہ کا سامان اُس میں رکھا اور خاتون سے کہا اُس میں ابھی شفٹ ہو جائے۔ شام کو وہ ناجائز قابض آیا اور اُن لوگوں کو دیکھ کر بھپر گیا۔ اُس عورت نے اُسے بتایا کہ قاسمی صاحب نے ہمیں اِس کی اجازت دی ہے۔ میرا نام سن کر وہ خاموشی سے واپس چلا گیا۔ دوسرے روز وہ خاتون مجھے راستے میں ملی میں نے پوچھا اماں اب تو آپ خوش ہیں۔ کہنے لگیں کس بات پر؟ میں نے کہا اپنے نئے مکان میں جانا آپ کو کیسا لگا؟ کہنے لگیں میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ میں نے کہا کمال ہے میں نے اپنی جان داؤ پر لگا کر آپ کو قبضہ دلایا اور آپ ہیں کہ مجھے پہچان نہیں رہیں۔ فرمانے لگیں کیا مطلب؟ آپ نے قبضہ دلایا ہے؟ یہ قبضہ تو اللہ نے دلایا ہے۔ یہ سن کر میں خاموش ہوگیا۔

۱۹۴۷ء ..... پاکستان میں آمد

پاکستان معرض وجود میں آیا تو ہم امرتسر سے وزیرآباد شفٹ ہوگئے۔ یہ شہر پاکستان میں شامل تھا۔ وزیرآباد ریلوے اسٹیشن پر اباجی کی جیب کٹ گئی اور یہ آخری پونجی بھی نہ رہی۔ تحصیلدار اور دوسرے سرکاری افسران کو جب علم ہوا کہ مولانا بہاء الحق قاسمی بمع اہل وعیال اِس شہر میں وارد ہوئے ہیں تو اُنہوں نے ہمیں ایک مکان الاٹ کر دیا اور گھریلو استعمال کی اشیاء کا ایک ٹرک بھر کر بھیج دیا۔ اباجی نے حسب ضرورت چند برتن اور بستر رکھ لئے باقی سارا سامان واپس کر دیا۔ ہندو سکھ اِس شہر سے جاچکے تھے۔ مگر کچھ گھرانے جانے کے لئے تیار نہ تھے۔ شہر میں لوٹ مار

شروع ہوچکی تھی۔ ہمارے خالہ زاد بھی کہیں سے ایک وزنی صندوق اٹھا لائے جو قیمتی کپڑوں، زیور اور نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہم نے کمرہ بند کر کے صندوق کھولا تو آنکھیں چکا چوند ہوگئیں۔ دل بلیوں اُچھلنے لگے مگر چند ہی لمحوں بعد ابا جی کی آواز آئی۔ کہاں چلے گئے بھئی تم سب لوگ؟ جلدی جلدی صندوق کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا گیا اور ابا جی کی دروازہ پر دستک کے ساتھ ہی دروازہ کھول دیا۔ ابا جی ہمارے چہروں سے پریشانی بھانپ گئے اور کہا جلدی بتاؤ تم لوگ دروازہ بند کر کے کیا کررہے تھے؟ امی جان نے سب کچھ بتا دیا۔ ابا جی برہم ہوئے اور ہمارے خالہ زاد سے کہا یہ صندوق وہیں چھوڑ کر آؤ جہاں سے تم لائے تھے ورنہ اِس گھر میں داخل نہ ہونا۔ اُس نے کہا خالو جان باہر کیسے نکلوں وہاں تو قتل و غارتگری ہو رہی ہے۔ ابا جی نے کہا جب تم صندوق لائے تھے اُس وقت بھی یہی کچھ ہو رہا تھا۔ نکل جاؤ یہاں سے اور وہاں صندوق چھوڑ کر آؤ۔ ہمارے خالہ زاد کو بادل نخواستہ اِس حکم پر عمل کرنا پڑا۔ امی جان نے کہا ہم بھی تو اپنا گھر بار، جائیداد، سامان اور لاکھوں کتابیں امرتسر میں چھوڑ آئے ہیں اُن کے بدلے میں اگر ہم یہ ایک صندوق ہی رکھ لیتے تو کیا حرج تھا۔ ابا جی نے کہا آپ اس معاملے میں دخل نہ دیں۔ میں اِس لوٹ مار میں نہ تو خود شریک ہوسکتا ہوں اور نہ ہی آپ لوگوں کو اِس کی اجازت دے سکتا ہوں۔ امی جان رو پڑیں اور کہا کہ آخر یہ گھر اب کیسے چلے گا؟ ابا جی نے کہا اطمینان رکھو اللہ تعالیٰ مسببُ الاسباب ہے۔ کچھ دن بعد ہی ابا جی کو ایم بی ہائی اسکول میں ملازمت مل گئی۔ جہاں محمد شریف طوسی ہیڈ ماسٹر تھے۔ ساتھ ہی ساتھ شہر کی جامع مسجد میں خطابت و امامت کے فرائض بھی ادا کرنے لگے اور اس طرح ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا۔

۳۵۰ غیر مسلم شعراء کی نعتیں ..... ''بہر زباں بہر زماں''

جناب نور احمد میرٹھی نے ایک بار بتایا کیا کہ وہ غیر مسلموں کی لکھی ہوئی نعتوں کو جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کریں گے۔ غیر مسلم شعراء یا اُن کی اولاد سے رابطے کرنا اور اِس بڑے کام کے لئے سرمایہ کا حصول بہت مشکل کام تھے۔ مگر نور احمد صاحب نے حوصلہ نہ ہارا اور مسلسل بھارت اور دیگر ممالک سے خطوط اور ٹیلیفون کے ذریعے رابطے قائم رکھے۔ یہ اتنا مشکل کام تھا کہ اِس میں برسوں صرف ہوگئے۔ ۳۵۰ غیر مسلم شعراء کی نعتیں جمع کر کے کتابی شکل میں ''بہر زباں بہر زماں'' کے عنوان سے شائع ہوگئیں۔ اتنا بڑا کارنامہ دیکھ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس نادر کتاب کی تقریب رونمائی بڑے تزک و احتشام سے کی جائے۔ میں نے گورنر سندھ جناب معین الدین حیدر سے اِس بات کا تذکرہ کیا تو اُنہوں نے کہا گورنر ہاؤس میں اِس کتاب کی تقریب رونمائی کا اہتمام کرلیں۔ کچھ روز بعد یہ تقریب رونمائی گورنر ہاؤس میں بڑے اہتمام و اکرام کے ساتھ منعقد ہوئی۔ یہ ایسا واقعہ تھا جو اِس سے پہلے گورنر ہاؤس میں کبھی نہ ہوا تھا۔

اقلیم ظرافت

شہنشاہِ ظرافت حضرت دلاور فگار نے اِس ناچیز کی خدماتِ ظرافت کو قدم قدم پر سراہا اور بے شمار اشعار اور نظمیں لکھیں جو میرے لئے ایک اعزاز ہے۔ ایک محفل مشاعرہ میں اُنہوں نے مجھے مخاطب کر کے میرے لئے یہ قطعہ پڑھا۔

محفلِ طنز و ظرافت میں غزل پڑھنے سے
دور ہو جاتی ہے معدے کی شکایت صاحب
میں اگر وارث اقلیم ظرافت ہوتا
لکھتا نام آپ کے یہ پوری ولایت صاحب

پتنگ اُڑاتے ہوئے چھت سے نیچے گرا

۱۰ سال کی عمر میں پتنگ اُڑانے کا بہت شوق تھا مگر اباجی منع کرتے تھے کہ یہ خطرناک شوق ہے۔ ایک روز میں مکان کی چھت سے صحن میں ایک خاتون خانہ جو سوئیٹر بن رہی تھی کے کاندھوں پر آن گرا۔ وہ بے ہوش ہوگئی اور میں بھی۔ دونوں کو ہسپتال لے گئے۔ فرسٹ ایڈ کے بعد واپس گھر آ گئے۔ کوئی خاص چوٹیں نہ آئیں تھیں۔

ڈرگ انسپکٹر

دوائیوں کے کاروبار کے زمانے میں میری پوری کوشش ہوتی تھی کہ مکمل دیانتداری سے یہ کاروبار کیا جائے سو اللہ تعالیٰ نے اُس میں بہت برکت دی۔ چونکہ میں کوئی غلط کام نہ کرتا تھا، لہٰذا کسی محکمے کے انسپکٹر خصوصاً ڈرگ انسپکٹر کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ میری دکان پر آئے۔ ہمارے علاقے کا ڈرگ انسپکٹر دوسرے میڈیکل اسٹور والوں سے طے شدہ ماہانہ رقم وصول کرتا تھا اور میرے بارے میں کہتا تھا یہ شخص قابو میں نہیں آتا۔ جس روز میرے ہتھے چڑھ گیا سیدھا کردوں گا۔ وہ انسپکٹر جب کبھی میری دکان کے سامنے سے گزرتا تو مجھے سلام کرتا میں صرف سلام کا جواب دے دیتا۔ اندر آنے کی دعوت نہ دیتا جس کا اُسے بہت افسوس تھا۔ وہ ہمیشہ اِنہی چکروں میں رہتا

کہ کسی نہ کسی طرح مجھے جال میں پھنسائے۔ ایک روز وہ ہمت کر کے میری دکان کے اندر آ گیا۔ میں نے کہا فرمایئے۔ اُس نے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ میں آپ کا اسٹاک چیک کرنے آیا ہوں۔ میں کھڑا ہو گیا اور کہا کیا تمہارے پاس سرچ وارنٹ ہے ؟ کہنے لگا نہیں۔ میں نے کہا نکل جاؤ میری دکان سے، اور وہ فوراً چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر وہ واپس آیا اور مجھ سے کہنے لگا میں تو آپ سے دوستی کرنے آیا تھا آپ ناراض ہو گئے۔ کہنے لگا چلیئے میرے ساتھ کسی ہوٹل میں کھانا کھائیں۔ میں نے کہا میں انسپکٹروں سے دوستی نہیں کرتا۔ کہنے لگا میں انسپکٹر بن کر نہیں آیا بلکہ دوستی کا آغاز کرنے آیا ہوں۔ ہم ایک ہوٹل میں گئے کھانا کھالیا۔ باتوں ہی باتوں میں اُس نے پھر ماہانہ بھتے کا ذکر چھیڑا تو میں نے کہا بھائی مجھ سے ایسی توقع مت رکھو۔ میں ایسا کوئی غلط کام نہیں کرتا جس کے لئے مجھے رشوت دینا پڑے۔ کہنے لگا اچھا رشوت نہ سہی آپ مجھے ہر ماہ سینٹ کی ایک بوتل دے دیا کریں۔ میں نے کہا میں یہ بھی نہیں دوں گا۔ ہم ہوٹل سے اُٹھ گئے وہ پھر کبھی میری دکان پر نہ آیا۔

حکیم نبی احمد خان سویدؔا

نامور حکیم محمد اجمل خان کے پوتے حکیم نبی احمد خان سویدؔا کا دواخانہ گوالمنڈی لاہور میں ہے۔ سویدؔا صاحب اچھے شاعر، لاجواب نباض اور ریس کے رسیا تھے۔ خوبصورت شخصیت کے مالک، سفید لباس زیب تن کرتے تھے۔ گلبرگ کے بنگلے میں دوستوں سے ملتے تھے اور مریضوں کو بھی دیکھتے تھے۔ ایک بڑے کمرے میں قالینوں پر چاندنی اور گاؤ تکیے دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے مشاعرہ ہو رہا ہو اور حکیم صاحب

صدارت فرما رہے ہوں۔ مجھے پیپٹک السر کی شکایت تھی۔ بہت ٹیسٹ اور علاج کرائے مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ایک روز میں حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی تکلیف بیان کی وہ نبض پر ہاتھ رکھے غور سے مجھے اور نبض کی رفتار دیکھتے رہے۔ اُنہوں نے مجھے نسخہ لکھ کر دیا جو میں نے استعمال کیا اور میں بالکل ٹھیک ہوگیا۔ نسخہ یہ تھا۔ گلقند۔ مربہ سیب۔ بڑی ہڑ (مربہ)۔ تینوں ایک جیسی مقدار میں ملا کر رات کو کھالیں اور ساتھ ہی ایک گلاس دودھ میں روغن بادام ملا کر پی لیں۔ چھاچھ کا استعمال باقاعدہ کریں۔ یہ نسخہ فائدہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ مزیدار بھی ہے۔

امام مسجد مراسی نکلا

ماڈل ٹاؤن لاہور کے جی بلاک کی مسجد کا امام اکثر اباجی کے پاس آیا کرتا تھا۔ کبھی وہ اباجی کے سامنے ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو جاتا کبھی اُن کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر اُن کے پیروں میں بیٹھ جاتا کبھی سرکار اور کبھی میرے آقا کہہ کر پکارتا۔ اُس کی یہ حرکات دیکھ کر میں نے اباجی سے کہا یہ شخص مجھے مراسی لگتا ہے۔ یہ گاتا بھی بہت اچھا ہے۔ اُس نے ایک فلم میں ایک نوکر کا چھوٹا سا کردار بھی ادا کیا ہے۔

ایک روز میں کراچی میں اپنے بہنوئی کی دکان پر بیٹھا تھا کہ ایک شخص یتیم خانے کی رسید ہاتھ میں لئے دکان کے اندر داخل ہوا۔ اُس نے میرے بہنوئی سے چندہ مانگا اُنہوں نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اِن سے لے لیں۔ اُس نے مجھے دیکھا تو پریشان ہوگیا مگر فوراً سنبھل گیا۔ یا حضرت یا حضرت کہتے ہوئے مجھ سے لپٹ گیا۔ یہ وہی ماڈل ٹاؤن کا امام مسجد تھا۔ میں نے کہا یہ کیا دھندا شروع کر رکھا ہے۔ بولا مسجد کی تنخواہ سے گزارہ نہیں ہوتا۔

ملتان کے بائیس خاندان

پاکستان میں دولت وثروت کے حوالے سے ۲۲ خاندانوں کا بڑا نام ہے۔ کچھ لوگ اُن کا نام عزت سے نہیں لیتے حالانکہ یہ خاندان اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار صنعتکار ہیں۔ اِنہی لوگوں نے پاکستان بننے کے بعد قائداعظم کو اوپن چیک پیش کئے تھے تاکہ اِس ملک کا نظم ونسق چلایا جاسکے۔ اِنہی لوگوں نے پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے میں بے تحاشہ مالی مدد دی۔ پاکستان میں ایک اور خاندان بھی ہے جن کو لوگ ۲۲ خاندانوں کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ لوگ آپ کو سپر ہائی وے، نیشنل ہائی وے پر نظر آئیں گے۔ موٹے تازہ، داڑھی، سر پر ٹوپی اور رومال اور ہاتھ میں مسجد یا یتیم خانہ کے لئے چندہ کی رسید بک یا یہ لوگ رمضان کے مہینے میں ایک سوزوکی گاڑی میں لاؤڈ اسپیکر لگا کر چندہ مانگتے پھرتے ہیں۔ اُن کے پاس مختلف مساجد، مدرسوں اور یتیم خانوں کی طرف سے جاری کئے ہوئے اجازت نامے بھی موجود ہوتے ہیں جبکہ اُن اداروں کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ یہ اپنے علاقے کے ڈپٹی کمشنر کا این او سی بھی رکھتے ہیں جو جعلی ہوتا ہے۔ کبھی یہ گاڑی میں قرآن شریف رکھ کر گلی کوچوں میں بیچنے کے لئے آتے ہیں اور چوگنی قیمتیں وصول کرتے ہیں۔ اِن کو ۲۲ خاندان اس لئے کہا جاتا ہے کہ اِن کے پاس ان ذرائع سے کمائی ہوئی دولت بہت ہوتی ہے۔ یہ لوگ کچی آبادیوں میں رہتے ہیں۔ چندہ مانگنے کے لئے میرے محلے میں اِن کو آنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

مریل گدھے کو پانی پلایا

میں اور میرے اہلِ خانہ گاڑی میں جا رہے تھے۔ میرا بیٹا ڈرائیو کر رہا تھا۔ راستے میں سڑک کے کنارے ایک مریل گدھا نظر آیا مگر ہم رکے نہیں۔ دو تین میل کے بعد مجھے خیال آیا کہ ہمیں کار روک کر دیکھنا چاہیئے تھا کہ گدھے کو کیا تکلیف ہے؟ میں نے بیٹے سے کہا گاڑی واپس لے جاؤ۔ قریب پہنچ کر میں گاڑی سے نیچے اُترا اور دیکھا کہ گدھا بھوک کی وجہ سے نڈھال ہے اور کھڑا نہیں ہوسکتا۔ میں نے فوراً اُس کے لئے ایک دکان سے چارہ منگوایا جو وہ چند منٹوں میں چٹ کر گیا۔ ایک دکاندار سے بالٹی مانگی اور اُس میں پانی بھر کر گدھے کے سامنے رکھا جسے وہ غٹا غٹ پی گیا۔ ہم روزانہ اِسی طرح گدھے کو گھاس اور پانی پلا کر آتے۔ تین چار دن میں وہ صحت مند ہوگیا اور وہاں سے نقل مکانی کر گیا۔ آس پاس کے دکانداروں سے پوچھا تو اُنھوں نے بتایا کہ آپ کے کھلانے پلانے سے وہ جونہی صحت مند ہوا کہیں اور چلا گیا۔ میں نے دکانداروں سے کہا آپ اُسے روزانہ دیکھتے تھے اور پھر بھی اُسے نظرانداز کر دیتے تھے۔ اُنھوں نے کہا جناب ہمیں خود کھانے کی فرصت نہیں ہوتی ، اُسے کیسے کھلاتے۔ مجھے دکانداروں پر بھی افسوس ہوا اور گدھے کے مالک پر بھی جس نے اُسے مردہ سمجھ کر سڑک پر چھوڑ رکھا تھا۔ ہوسکتا ہے صحت مند ہو جانے کے بعد اُس کا مالک ہی لے گیا ہو۔

مشتاق احمد یوسفی ..... محمد خالد اختر

میں نے عالمی شہرت یافتہ مزاح نگار جناب مشتاق احمد یوسفی سے کہا میں ماہنامہ ''ظرافت'' کا خصوصی نمبر شائع کرنا چاہتا ہوں جو آپ کے فن اور شخصیت کا احاطہ کرے گا۔ یوسفی صاحب نے کہا آپ کا بہت شکریہ! مگر آپ مجھ سے پہلے جناب محمد خالد اختر کے لئے خصوصی نمبر نکالئے۔ وہ اِس کے اصل حقدار ہیں، وہ بہت پڑھے لکھے مزاح نگار ہیں۔ مجھے یوسفی صاحب کی وسیع القلبی پر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ بڑے لوگوں کی سوچ بھی بڑی ہوتی ہے۔

وائس آف امریکہ

امریکہ کے مشاعروں سے فراغت کے بعد وائس آف امریکہ نے میرا انٹرویونشر کیا۔ جس میں میں نے وہ تازہ بہ تازہ قطعات سنائے جو امریکہ کے بارے میں تنقیدی انداز میں لکھے گئے تھے۔ وہ قطعات یہ ہیں :

اس ملک میں شاعر کی پذیرائی بہت ہے
موسم ہے سہانا یہاں آنا ہو تو آئیں
مہمان نوازی تو بہت ہوتی ہے لیکن
سگرٹ کی جو حاجت ہو تو گیراج میں جائیں

......☆......

ہم کو امریکہ کا ویزا ملٹی پل تو مل گیا
چھ مہینے رہ سکیں گے یہ اشارہ ہے ہمیں
اور رکنا ہو تو شادی کر کے رک سکتے ہیں ہم
لولی لنگڑی اور کانی بھی گوارا ہے ہمیں

......☆......

ہم کو امریکہ تو بالکل راس آیا ہی نہیں
اپنی ناکامی پہ آؤ مل کے سب تھو تھو کریں
مال و دولت اب بھی مل سکتا ہے ہم سب کو اگر
لاٹری نکلے ہماری یا کسی پر سو کریں

......☆......

باپ نے بیٹے کو ڈانٹا اور سزا کے طور پر
گھر سے باہر کر کے اس کو نو دو گیارہ کر دیا
باپ کی تنبیہ پر بیٹا بڑے غصے میں تھا
اُس نے ڈائل فون سے پھر نو سو گیارہ کر دیا

......☆......

میں کراچی سے چلا جب سخت گرمی تھی وہاں
اس قدر سردی یہاں ہے ایک ہیٹر چاہیئے
میرے رہنے کا ٹھکانہ بھی نہیں کوئی یہاں
اک ترو تازہ سی مجھ کو بے بی سیٹر چاہیئے

وہ جلا کر کشتیاں ویزا تو کب کا لے چکے
آنے کو تیار بیٹھے ہیں جو فہرستوں میں ہیں
آکے ٹِک جانا یہاں مشکل نہیں بالکل نہیں
کار بنگلہ اور بیوی بھی یہاں قسطوں میں ہیں

محمد علی صدیقی بریڈ فورڈ میں

جناب محمد علی صدیقی میرے عزیز بھی ہیں اور دوست بھی۔ صاحب دیوان شاعر بھی ہیں اور بہت خوبصورت شخصیت کے مالک بھی۔ اُن کا مطالعہ اور حافظہ غضب کا ہے۔ پاکستان ایمبیسی انگلینڈ میں اُن کی پوسٹنگ تھی اور وہ بریڈ فورڈ کے آفس میں بیٹھتے تھے۔ شہر بھر کے تمام شاعروں سے اُن کی دوستی تھی۔ اُن کے دفتر کی کھڑکی مین روڈ پر کھلتی تھی۔ شام کو مین گیٹ بند ہو جاتا تو اُس کے عقب کا راستہ استعمال ہوتا۔ عقبی دروازے پر کوئی چوکیدار نہ ہوتا۔ شعراء شام کو جب صدیقی صاحب سے ملنے آتے تو مین روڈ سے شیشے کی کھڑکی پر ننھا سا کنکر مارتے جس سے صدیقی صاحب متوجہ ہوتے اور چوکیدار سے کہتے جاؤ عقبی دروازہ کھول دو۔ صدیقی صاحب آج کل جرمنی میں ہوتے ہیں۔

شاہد پیرزادہ شرارتی بھانجہ

میرا بھانجہ شاہد پیرزادہ بڑا شرارتی ہے۔ وہ لوگوں کو ستانے کے لیئے نئی سے نئی حرکتیں کرتا۔ ایک دفعہ اُس نے ایک فون نمبر ڈائل کیا تو ایک خاتون نے فون اُٹھایا۔

شاہد نے گھبرائی ہوئی آواز بنا کر کہا دیکھیے جی! میں ٹیلیفون ایکسچینج سے بول رہا ہوں۔ یہاں آگ لگ گئی ہے۔ آپ اپنا ٹیلیفون اُٹھا کر بالٹی میں ڈال دیں۔ اُس عورت نے کہا آپ ہولڈ کریں میں پانی کی بالٹی لے کر آتی ہوں۔ اُس نے فون اُٹھا کر پانی میں ڈال دیا اور شاہد دوسری طرف فون کے ڈوبنے کی آوازیں سن سن کر قہقہے لگاتا رہا۔

بے حس لوگ

زندگی میں میرے ساتھ جلدی جلدی کئی حادثات پیش آئے جو انتہائی تکلیف دہ تھے۔ اِن حادثات کی خبریں تمام اخبارات میں شائع ہوئیں مگر شعراء و ادباء میں سے دو چار کے علاوہ کسی نے بھی مجھ سے افسوس کا اظہار نہ کیا۔ غیر شعراء و ادباء احباب نے مجھ سے پوری ہمدردی کا اظہار کیا۔

ایک ہی دن میں میرا ایک بھانجہ قتل ہوا اور دوسرا بھانجہ گولی لگنے سے مفلوج ہوگیا۔ میرا نواسہ سوئمنگ پول میں گر کر مفلوج ہوگیا۔ میرے مکان پر مسلح ڈاکوؤں نے ڈاکہ ڈالا۔ میرا بائی پاس آپریشن ہوا۔

ڈرامہ ''شاہین'' کی اداکاری

نسیم حجازی کے ناول ''شاہین'' کی ڈرامائی تشکیل جناب سلیم احمد اور اسد محمد خان نے کی۔ سلیم بھائی اور محسن علی پروڈیوسر پی ٹی وی نے مجھے اس میں انگریز گورنر کا رول ادا کرنے کو کہا۔ یہ رول میں نے کسی نہ کسی طور کر تو لیا مگر ربڑ کے لمبے لمبے بوٹ اور چمڑے کی یونیفارم پہننے سے چھالے پڑ گئے اور میری اُمیدوں پر اوس پڑ گئی۔ میں نے اُسے بھاری پتھر سمجھ کر چوم کر چھوڑ دیا۔ جس کا کام اُسی کو ساجھے۔

دلاور فگار ..... موت کی پیشنگوئی

شہنشاہِ ظرافت حضرت دلاور فگار ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے مجھے فون بھی روزانہ کرتے تھے اور مہینے میں ایک آدھ خط بھی لکھتے تھے۔ اُنہوں نے ایک خط ۱۹ جنوری ۱۹۹۸ء کو مجھے پوسٹ کیا جو اگلے روز ۲۰ جنوری کو مجھے مل گیا۔ اُس میں لکھا تھا تم دوسری دنیا (امریکہ) میں جا رہے ہو اور میں تیسری دنیا میں۔ جب تم واپس لوٹو تو میرا عرس بڑی شان سے منانا۔ بھائی تم ہی ایک تعزیت نامہ میرے نام بھیج دو۔ ۲۱ر جنوری کی صبح کو اُن کی یہ پیشنگوئی پوری ہوگئی اور وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

دلاور فگار کی دوسری پیشنگوئی

حضرت دلاور فگار کا ایک شعر ہے۔

بارات لے کے کون سپر ہائی وے پہ جائے
ایسی بھی کیا خوشی کہ سڑک پر وصال ہو

اور پھر اُن کا وصال سڑک پر ہی ہوا۔ وہ پاپوش نگر کراچی کے چوک پر اخبار والے سے اخبار لے رہے تھے کہ فرشتہ اجل نے اُن کو آلیا۔

دلاور فگار کی تیسری پیشنگوئی

دلاور فگار صاحب نے ۱۹۹۲ء میں ایک مضمون لکھا۔ جس میں اُنہوں نے بتایا کہ وہ ویلیم کی گولی کھا کر سوگئے۔ اُنہوں نے اپنے آپ کو عالم بالا میں جنت کے فرشتوں کے ساتھ پایا۔ فرشتوں نے بتایا کہ آج یہاں کوئی مشاعرہ نہیں، آپ

کیوں آئے ؟ جنت سے میں دوزخ میں آیا۔ پتہ چلا کہ یہاں بھی کوئی مشاعرہ نہیں ہے، پھر میں عالم برزخ میں گیا تو فرشتوں نے بتایا کہ ہاں یہاں آج مشاعرہ ہے۔ حفیظ جالندھری کی صدارت میں۔ اِس میں جوشؔ ملیح آبادی، جگرؔ مراد آبادی اور دیگر نامور شعراء شرکت کریں گے۔ مگر دلاور صاحب ! آپ کا نام شعراء کی فہرست میں نہیں ہے۔ آپ دنیا میں واپس لوٹ جائیں۔ ہم آپ کو ۱۹۹۸ء میں بلائیں گے اور وہ واقعی ۱۹۹۸ء میں چلے گئے۔ اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ مضمون میرے پاس موجود ہے۔ اُن کے نام کے ساتھ ۱۹۹۲ء بھی لکھا ہے۔

دلاور فگارؔ کی چوتھی پیشنگوئی

۱۹ جنوری کے خط میں اُنہوں نے لکھا کہ بدایوں سے ایک صاحب میرے انتقال کی خبر لائے ہیں۔ اِس خبر پر دلاور فگارؔ صاحب نے یہ قطعہ کہا :

خبر یہ لے کے بدایوں سے آیا ہے راوی
کہ قبر میں بصد آرام سوگیا ہوں میں
خبر نہیں کہ مری موت کب ہوئی لیکن
سنا تو میں نے بھی ہے فوت ہوگیا ہوں میں

پھلؔ آگروی پی ٹی وی پر

ثمرؔ اکبر آبادی نے اپنا تخلص بدل کر پھلؔ آگروی کرلیا۔ وہ مشاعرے میں آتے تو ہر قسم کے پھل اُن کے گلے کا ہار ہوتے۔ ایک بار وہ پی ٹی وی کے مشاعرے میں بھی پھلوں کا ہار پہنے اسٹیج پر آکر بیٹھ گئے۔ میں

نظامت کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ میں نے پروڈیوسر صاحب کو کہا کہ پھل آگروی کو کیمرے میں بالکل نہ لائیں ، ٹی وی کے لاکھوں ناظرین مذاق اُڑائیں گے ، اُن کا بھی اور ہمارا بھی۔ مشاعرہ ختم ہونے کے بعد میں نے کہا اُستاد ! سامعین آپ کو دوبارہ سننا چاہتے ہیں مگر پھلوں کے بغیر ، لہٰذا اُن کی ریکارڈنگ پھلوں کے بغیر کی گئی۔

دلاور فگاؔر.....سنگ بدست

میں ایک روز حضرت دلاور فگاؔر سے ملنے اُن کے گھر گیا۔ اُن کی صاحبزادی نے بتایا کہ وہ اِس وقت پاپوش نگر کے چوراہے کے آس پاس آپ کو مل جائیں گے۔ میں اُس روز موٹر سائیکل پر گیا تھا۔ اُن کے قریب پہنچ کر بریک لگایا تو وہ غصے میں آگئے اور سڑک سے ایک پتھر اُٹھا کر میری طرف لپکے۔ میں نے راہ فرار اختیار کی اور گھر پہنچ کر دم لیا۔ چند منٹ بعد دلاور صاحب کا فون آگیا۔ پوچھنے لگے کیسے ہو؟ میں نے کہا۔

سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

کہنے لگے کیا مطلب ؟ میں نے کہا میں آج آپ کے ہاتھوں بچ گیا ورنہ خیر نہ تھی۔ وہ بولے نہیں ایسا نہیں ہوسکتا ، مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں سمجھ گیا کہ دلاور فگاؔر اس وقت کسی اور دنیا میں پہنچے ہوں گے۔

جوانی میں کچی سبزیاں اور انڈے

جوانی کے زمانے میں میں کچھ عرصہ اکھاڑے میں جا کر کشتیاں لڑتا رہا۔ وہیں کھیتوں میں سے گاجر، شلجم اور مولی نہر میں دھو کر کھالیتا۔ ہر چیز ہضم ہو جاتی۔ میں کبھی کبھار کچے انڈے دودھ میں ڈال کر پی جاتا۔ اس وقت تو کچھ نہ ہوا البتہ اس عمر میں آ کر چار آرٹریز بند ہوگئیں۔ پھر کیا ہوا۔

اطباء نے بتایا ہے جناب قاسمی کو یہ
ہوئی ہیں آپ کے دل کی کم از کم چار ویسل بند
نکالیں ٹانگ سے اور جوڑ دی ہیں دل کے پہلو میں
لگا ہے خوب کیا کمخواب میں یہ ٹانگ کا پیوند

کتاب کا مسودہ چوری ہوگیا

ایک پروگرام کی ریکارڈنگ کے لئے پی ٹی وی کراچی سینٹر جانا ہوا۔ اُس وقت میرے پاس کچھ کتابیں اور ایک کتاب کا مسودہ ''پاک و ہند میں طنز و مزاح کے چالیس سال'' تھا جو میں نے اپنی کار میں رکھ کر لاک کر دیا۔ ریکارڈنگ کے بعد باہر آیا تو دیکھا کہ گاڑی میں سے کتابیں اور مسودہ غائب ہے۔ مسودہ کی تلاش میں بہت سرگرداں رہا مگر تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ مسودہ کے گم ہونے کا مجھے آج بھی صدمہ ہے کیونکہ اُس میں میری کئی برسوں کی محنت شامل تھی۔

پیروں کے تلووں میں خارش

میرے دونوں پیروں میں شدید خارش پیدا ہوگئی۔ بیسیوں ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج کرایا مگر شفاء کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ بعض ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا کہ دونوں تلوے ڈیڈ ہو چکے ہیں ، اِس کا کوئی علاج نہیں۔ اِس خارش کا علاج تھا مگر ایک ہومیو پیتھک ڈاکٹر کے پاس۔ اُس کی ایک پڑیا کام کرگئی۔

فسچولا کا علاج

حیدر آباد سندھ میں قیام کے دوران مجھے فسچولا کی شکایت ہوگئی۔ دو تین سرجنوں سے چیک کرایا اُن کا مشورہ تھا کہ آپریشن کرالیا جائے۔ اُن میں سے ایک سرجن ہمارے دوست بھی تھے۔ میں نے اُن کو بتایا کہ ہومیو پیتھک میں اِس مرض کا علاج ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا اگر یہ ہومیو پیتھک علاج سے ٹھیک ہو جائے تو میں اپنی میڈیکل پریکٹس چھوڑ دوں گا۔ میں یہ چیلنج لے کر حیدر آباد کے ممتاز ہومیو ڈاکٹر نامؔی کے پاس گیا۔ اُنہوں نے چند روز میرا علاج کیا اور فسچولا غائب ہوگیا۔ میں پھر اپنے دوست سرجن کے پاس گیا اُنہوں نے معائنہ کر کے تصدیق کی کہ واقعی فسچولا ٹھیک ہو چکا ہے۔ مگر انہوں نے حسبِ وعدہ اپنی میڈیکل پریکٹس نہ چھوڑی۔

خالد عرفان کے گھر کا پتہ

پہلی بار امریکہ کے مشاعروں میں شرکت کے لئے جانا پڑا تو کچھ روز نیو یارک میں برادرم خالد عرفان کے ہاں قیام کیا۔ ایک روز عاشق الشعراء جناب یاسین مراد آبادی ملنے کے لئے آئے اور کہا کہ چلو باہر گھوم پھر کر آتے ہیں۔ ہم شہر

کے کئی حصوں میں گئے اور یہ سارا سفر زمین دوز ٹرین میں کیا۔ رات دیر ہوگئی اور یاسین صاحب نے مجھے خالد عرفان کے گھر کے پاس ایک ریلوے اسٹیشن پر چھوڑا اور مجھ سے پوچھا آپ کو اس جگہ سے خالد کے گھر کا پتہ معلوم ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ آپ اطمینان سے جاسکتے ہیں۔ میں اسٹیشن سے باہر نکلا اور بائیں ہاتھ کی طرف جانے کی بجائے دائیں جانب نکل گیا اور پھر میں چلتا گیا اور خالد کا مکان نہ ملا۔ نہ تو مجھے اُس کا ایڈریس یاد تھا اور نہ ہی فون نمبر۔ رات کے بارہ بج چکے تھے اور میں تھکن اور بھوک سے نڈھال ہو چلا تھا کہ ایک پاکستانی نظر آیا اُس کو میں نے اپنا پرابلم بتایا۔ اُس نے کہا اِس طرح تو گھر نہیں مل سکتا۔ آپ میرے ساتھ چلیں میرے پاس رہیں۔ صبح آپ کے دوست کا گھر تلاش کریں گے۔ میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور کہا مجھے کسی پاکستانی ٹیکسی ڈرائیور کے حوالے کر دو اور اُس کو یہ بتادو کہ جس مکان کی تلاش میں مَیں ہوں اُس کے آس پاس ایک اوور ہیڈ پل ہے اور ایک ریسٹورنٹ کبابش کے نام سے ہے وہاں تک پہنچ کر میں مکان ڈھونڈ لوں گا۔ کوئینز کے علاقے میں ایسے اوور ہیڈ پل بہت سے ہیں اور ریسٹورنٹ بھی۔ جوئندہ یا بندہ۔ آخر ہم وہ پل اور ریسٹورنٹ تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے اور میں خالد کے مکان پر پہنچ گیا۔ اس روز کے بعد پھر میں اکیلا کبھی باہر نہ نکلا۔

خالدؔ عرفان باکمال شاعر اور دوست

مزاح گو شعراء کی تعداد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور اچھے شعر لکھے جا رہے ہیں۔ کراچی کے ممتاز مزاح گو شعرا و سامعین میں خالدؔ عرفان ایک معتبر نام ہے۔ جو ۳۰ سال سے محفلوں کو کشت زعفران بنا رہا ہے۔ خالدؔ عرفان خاموش طبع

سنجیدہ اور کم آمیز ہے مگر طنزیہ و مزاحیہ اشعار کہنے میں اُس کو کمال حاصل ہے۔ وہ مشاعرہ پڑھتے وقت بھی سنجیدہ رہتا ہے مگر سامعین ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوجاتے ہیں۔ خالؔد عرفان حضرت دلاور فگاؔر کے شاگرد تو نہیں ہے البتہ اُن سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتا ہے۔ دلاور فگاؔر بھی خالد عرفان کی شاعری کے معترف تھے اور برملا اُس کی تعریف کرتے تھے۔ خالد عرفان امریکہ چلے گئے تو دلاور فگاؔر اُسے بہت یاد کرتے تھے۔ امریکہ جا کر بھی اُس نے شاعری کا سفر جاری رکھا اور اُس کا شعری مجموعہ ''لقمہ شر'' شائع ہوا۔ میں یہ بلا تکلف کہہ سکتا ہوں کہ اِس وقت امریکہ و یورپ میں خالد عرفان جیسا ایک بھی مزاح گو شاعر نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خالد عرفان مزاح گو شعراء میں امیر الشعراء ہے تو اِس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ خالد عرفان دوستی کرنا بھی جانتا ہے اور دوستی نبھانا بھی۔ وہ امریکہ جا کر اپنے پرانے دوستوں کو نہیں بھولا۔ وہ دوستوں سے مسلسل رابطے میں رہتا ہے۔ خطوط، ای میل اور ٹیلیفون کے ذریعے۔ خالد عرفان مجھے یاد کرتا رہتا ہے اور میں اُسے یاد کرتا ہوں۔ جب سے وہ امریکہ گیا ہے میں دو بار امریکہ جا چکا ہوں اور وہیں خالد سے ملاقاتیں رہیں۔ ہفتہ دلاور فگاؔر کے موقع پر میں نے ٹیلیفون لائنز پر خالؔد عرفان اور مسرور جاوید کا کلام سننے کا اہتمام کیا۔ سامعین نے ایک طویل عرصے کے بعد خالؔد کی آواز سنی تو حیرت زدہ خوشی کے جذبات کے ساتھ بھرپور داد بھی دیتے رہے۔

ضیا محی الدین کے والد میرے استاد تھے

ممتاز فلم ایکٹر ضیا محی الدین ماڈل ٹاؤن لاہور میں میرے پڑوسی تھے۔ اُن کے والد محترم پروفیسر محی الدین انتہائی قابل اُستاد تھے۔ شیکسپیئر کے ڈراموں پر اُن کو عبور حاصل تھا۔ بی اے کے کورس میں شامل شیکسپیئر کا مشہور عالم ڈرامہ میکبتھ میں نے اُنہی سے پڑھا۔ اُن کے پڑھانے کا انداز ایسا تھا جیسے کہ ہم بھی اِس ڈرامہ کا ایک کردار ہیں۔ انگریزی زبان پر اُن کو پورا عبور حاصل تھا۔ ایک روز صبح کی سیر کے دوران ہمارے اباجی کی اُن سے ملاقات ہوگئی۔ اباجی نے میرے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے بڑے اچھے الفاظ میں میری انگریزی دانی کی تعریف کی۔ ایک طویل عرصہ کے بعد مجھے اپنی وہ ڈائری مل گئی جس میں وہ اپنے قلم سے انگریزی کی تصحیح کیا کرتے تھے۔ یہ ڈائری دیکھ کر مجھے یوں لگا جیسے مجھے گم شدہ خزانہ مل گیا ہو۔

خمار بارہ بنکوی کراچی' لاہور کے مشاعروں میں

بھارت کے ممتاز شاعر جناب خمار بارہ بنکوی کراچی کے مشاعروں میں تقریباً ہر سال تشریف لاتے۔ عالمی مشاعروں میں صبح ۵ بجے اُن کی باری آتی تو سامعین کی خواہش پر ان کو بارہ بارہ غزلیں سنانا پڑتیں۔ اُن کا ترنم بھی بلا کا تھا۔ آخری ایام میں وہ کراچی اور لاہور آئے تو کچھ تھکے تھکے نظر آئے مگر اُن کو اِس حالت میں بھی سامعین کی فرمائشیں پوری کرنا پڑتیں۔ وہ اِس عمر میں بھی انتہائی خوش مزاج اور لطیفہ گو شخصیت کے مالک تھے۔ رات کو ہم اُن کے کمرے میں چلے جاتے اور اُن [illegible] باتیں سنتے۔ اس بار وہ مشاعروں سے فراغت کے بعد واپس بھارت گئے [illegible]

مولانا ظفر علی خان

وزیر آباد سے تھوڑے سے فاصلے پر مولانا ظفر علی خان کا گاؤں کرم آباد ہے۔ مجھے یہ گاؤں دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ صحافت میں قلم کی پاسداری کے حوالے سے مولانا ایک بڑے صحافی قرار پائے۔ فی البدیہہ شعر کہنے میں بھی اُن کا کوئی ثانی نہ تھا۔ وہ حقے کا ایک کش لگاتے اور اشعار کی آمد شروع ہو جاتی۔ اُنہوں نے انگریزوں اور قادیانیوں کے خلاف بے شمار نظمیں کہیں۔ اُن کا اخبار ''زمیندار'' کئی دفعہ بندش کی زد میں آیا اور کئی بار ضمانت ضبط ہوئی۔ اُنہوں نے اِس پاداش میں کئی دفعہ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

بچپن ہی سے لکھی تھی مقدر میں اسیری
ماں باپ کہا کرتے تھے دلبند جگر بند

میرے والدِ محترم اُن سے جب کبھی ملے اُنہوں نے فی البدیہہ ایک قطعہ اُن کی تعریف میں کہہ دیا۔ مولانا کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

برطانیہ کے شیر ہیں نسلِ شغال سے
وہ دم دبا کے بھاگے درہ دانیال سے
مسیلمہ کے جانشیں گرہ کٹوں سے کم نہیں
کتر کے جیب لے گئے پیمبری کے نام سے

......☆......

حق پہ رہ ثابت قدم باطل کا شیدائی نہ ہو
گر تجھے ایمان پیارا ہے تو مرزائی نہ ہو

رضا نقوی واہی ..... ممتاز مزاح نگار

صوبہ بہار کے شہر پٹنہ میں بھارت کے ممتاز مزاح گو شاعر جناب رضا نقوی واہی بڑے مُھکے ہوئے شعر کہتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بھارت میں اُن جیسا اور کوئی مزاح گو شاعر نہ تھا تو اِس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ میں اُن سے ملاقات تو نہ کرسکا البتہ اُن کے آخری ایام تک میرے اور اُن کے درمیان خط و کتابت ہوتی رہی۔ اُنھوں نے بیشتر احباب کو منظوم خط لکھے اور یہ خطوط ''نام بہ نام'' کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع بھی ہوئے۔ اُن کے احباب اُن کو نثر میں جواب لکھتے تھے مگر میں اُن کو خطوط کا جواب نظم میں دیتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے اُن کو لکھا کہ ہم آپ کا جشن دبئی میں منانا چاہتے ہیں تو اُنہوں جواب دیا کہ اُن کے لئے چلنا پھرنا مشکل ہے، دبئی جانا تو ناممکن ہوگا۔ میرا یہ طویل خط بھی منظوم تھا۔ اُن کا انتقال حال ہی میں ہوا ہے۔

بیگم کے پتے کا آپریشن

ایک ہسپتال میں میری بیگم کے پتے کا آپریشن ہونا تھا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کُل اخراجات کا تخمینہ بنوایا۔ اِس میں صرف بے ہوش کرنے کے لئے ۲ ہزار روپے رکھے تھے۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ اگر یہ خرچ کم ہو جائے تو میرے لئے کچھ نہ کچھ سہولت پیدا ہو جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا یہ ضروری ہے۔ میں نے اُن سے کہا آپریشن شروع ہونے سے پہلے اگر میری بیگم کے کان میں یہ فیس بتا دی جائے تو وہ فوراً بے ہوش ہو جائے گی، اس طرح یہ خرچہ بچ جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب ہنس دیئے۔

انور شعورؔ کا قطعہ

روزنامہ ''جنگ'' میں حضرت رئیسؔ امروہوی روزانہ ایک قطعہ لکھتے تھے۔ رئیسؔ صاحب کے بعد یہ ذمہ داری کچھ روز تک دلاور فگار اور پھر جناب انور شعورؔ پر آپڑی جسے وہ بڑے سلیقہ اور مہارت سے نبھا رہے ہیں۔ حال ہی میں اُنہوں نے آئینی ترامیم کے حوالے سے یہ قطعہ لکھا :

منتخب لوگ کسی کام کے بھی اہل نہیں
پھر اُنہیں سر پہ بٹھانے کی ضرورت کیا ہے؟
صدر صاحب ہی کو ہر بوجھ اٹھانا ہے تو
انتخابات کرانے کی ضرورت کیا ہے؟

میں نے پرویز مشرف بن کر یہ جواب لکھا :

حکمرانی کے لئے مجھ کو خدا نے بھیجا
میں سمجھتا ہوں زمانے کی ضرورت کیا ہے؟
مشورہ کوئی نہیں آپ سے مانگا میں نے
آپ کو ٹانگ اڑانے کی ضرورت کیا ہے؟

اے اے کے نیازی کی گرفتاری

جنرل اے اے کے نیازی فوج سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد میدانِ سیاست میں کود پڑے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف ملک گیر تحریک چلی تو وہ جمعیت علمائے پاکستان کی نمائندگی کر رہے تھے۔ میں نے اُن سے پوچھا علماء کی تنظیم میں

شمولیت کے باوجود آپ نے داڑھی نہیں رکھی۔ تو اُنہوں نے کہا یہی سوال مجھ سے پارٹی کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی نے بھی کیا تھا تو میں نے جواب دیا تھا کہ اِس عمر میں داڑھی رکھ کر شیطان کو کیا جواب دوں گا جس سے ساری زندگی دوستی رہی۔ تحریک کے زمانے میں ایک رات کے لئے اُن کا قیام لطیف آباد حیدر آباد میں میجر ثاقب صاحب کے مکان پر رہا۔ وہ ابھی سونے کی تیاری کر رہے تھے کہ پولیس اُن کو گرفتار کرنے آ گئی۔ جنرل صاحب نے وارنٹ دیکھا تو اس پر صرف اے کے نیازی لکھا تھا۔ انہوں نے پولیس سے کہا میں گرفتاری نہیں دوں گا، یہ نام غلط ہے۔ پولیس کے ساتھ مجسٹریٹ بھی تھا اُس نے اپنے قلم سے اے اے کے نیازی کر دیا اور جنرل صاحب کو گرفتار کرلیا۔

تسنیم صدیقی ..... خوش گلو شاعرہ

مشاعروں کی کامیاب شاعرہ محترمہ تسنیم صدیقی شہر قائد کراچی کے عالمی مشاعروں میں ہر سال شرکت کے لئے بھارت سے آتیں۔ شہر قائد کے مشاعرے کے بعد پاک لینڈ سیمنٹ فیکٹری کے مالک جناب طارق محسن صدیقی بھی ایک بڑا مشاعرہ منعقد کرتے۔ نظامت کے فرائض میں انجام دیتا۔ صدیقی صاحب نے کراچی کے بعد اسلام آباد اور لاہور میں بھی اُن مشاعروں کی بنیاد رکھی تو تسنیم صدیقی وہاں بھی مدعو ہوتیں۔ تسنیم صدیقی نے اپنی زندگی میں جتنی شادیاں کیں وہ سب کی سب ناکام ہوگئیں شاید اسی غم سے وہ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوگئیں۔ بیماری کے باوجود اُن کی زندہ دلی قائم رہی۔ کراچی، لاہور، اسلام آباد اور گجرات کے مشاعروں میں وہ ہمارے ساتھ

رہیں۔ وہ مشاعرے اس لئے بھی ہمیشہ یاد رہیں گے کہ اُن میں تسنیم صدیقی نے شرکت کی اور یہ اُن کی زندگی کے آخری مشاعرے تھے۔ مشاعروں سے فراغت کے بعد وہ ہندوستان چلی گئیں اور کچھ عرصہ کے بعد یہ اطلاع ملی کہ وہ بلبل نغمہ سنج گلستان رنگ و بو سے اپنا آشیانہ چمنستان عالم بالا میں منتقل کر چکی ہیں۔

بھارت میں بسوں کا انتظام

انبالہ کے مشاعرے کے بعد دہلی کے مشاعرے میں شرکت کے لئے ہمیں بذریعہ بس روانہ ہونا تھا۔ بس اسٹینڈ پر پہنچے تو ڈرائیور اور کنڈیکٹر دور بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ایک مسافر بس کے اگلے دروازے سے داخل ہونے لگا تو ڈرائیور نے کہا اس دروازے سے نہیں عقبی دروازے سے داخل ہوں۔ مسافر نے کہا بس خالی ہے۔ میں اگر اگلے دروازے سے داخل ہو بھی جاؤں تو کیا حرج ہے؟ ڈرائیور نے کہا قانون کا تقاضہ یہی ہے آپ کو اس پر عمل کرنا پڑے گا۔ وہ مسافر اُترا اور عقبی دروازے سے داخل ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مسافر نے بحث نہیں کی بلکہ قانون کا احترام کیا۔

پانی پت ..... حالؔی کا شہر

انبالہ سے دہلی بذریعہ بس جاتے ہوئے پانی پت کا شہر نظر آیا۔ بس چند منٹ کے لئے یہاں رکتی ہے۔ حضرت حالؔی کے مزار پر حاضری دینے کو دل چاہتا تھا مگر اِس شہر کے اندر جانے کا ویزا نہ تھا۔ میں بس سے نیچے اُترا۔ شہر کی طرف منہ کر کے حضرت حالؔی کو سلام کیا اور فاتحہ پڑھی اور بس میں آ کر بیٹھ گیا۔ دہلی تک میں دل ہی دل میں اُن کے اشعار پڑھتا رہا بلکہ گنگناتا رہا۔

انبالہ کے مشاعرے میں شاعرہ اور شاعر

شام بہار ٹرسٹ انبالہ کے مشاعرے میں ایک بھارتی شاعرہ ایک پاکستان شاعر کے بارے میں پوچھتی رہیں کہ وہ آئیں گے یا نہیں ؟ یہ شاعر ۱۹۵۴ء میں پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔ وہ شاعر جب مشاعرہ گاہ میں داخل ہوئے تو اُس شاعرہ کو دیکھتے ہی دور اسٹیج کی دوسری جانب جا کر بیٹھ گئے۔ وہ شاعرہ مسلسل حسرت بھری نگاہوں سے اُسے تکتی رہی۔ وہ شاعر اپنی باری آنے پر کلام سنا کر مشاعرہ گاہ سے اُٹھ کر چلے گئے۔ دوسرے روز معلوم ہوا کہ یہ شاعر اُس شاعرہ کا شوہر ہے اور شادی کے کچھ عرصہ کے بعد اُسے چھوڑ کر پاکستان چلا گیا تھا۔ اُس شاعر کا ایک بچہ شاعرہ اپنے ساتھ مشاعرہ گاہ میں لائی تھی کہ شاید وہ بدبخت بچے کو دیکھنے کے بہانے اُس کے قریب آجائے مگر اُس نے بچے کو بھی ایک آنکھ نہ دیکھا۔ مشاعرہ ختم ہونے کے بعد وہ بے چاری خلاء میں گھورتی رہی۔

موٹے تگڑے پیر صاحب

میرے کاروبار کے زمانے میں میرے ایک پڑوسی دکاندار رؤف صاحب پڑھے لکھے اور دیندار تھے۔ ایک روز اُن کے پیر و مرشد حیدر آباد آئے تو اُن کے ہاں بھی ایک نشست کا اہتمام کیا گیا۔ مجھے دعوت ملی کہ آج شام کو پیر صاحب وعظ فرمائیں گے۔ میں جب اُس محفل میں پہنچا تو پورا کمرہ مقتدین سے بھر چکا تھا۔ میں دروازے ہی میں بیٹھ گیا۔ پیر صاحب نے مجھے دیکھتے ہی کہا آپ آگے تشریف لے آئیں۔ میں نے کہا میں یہیں ٹھیک ہوں مگر وہ اصرار کرتے رہے اور میں انکار۔ پیر

صاحب اتنے موٹے تگڑے تھے کہ اُن کے لئے گردن گھمانا بھی مشکل تھا۔ اُن کے دونوں ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں تھیں اور ریشمی لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد اُنہوں نے اتنے زور سے ڈکار لیا کہ اِس کی آواز کمرے سے باہر تک سنی گئی۔ ڈکارتے وقت اُنہوں نے منہ پر ہاتھ بھی نہ رکھا۔ دانت خلال اتنی تیزی سے چلایا جیسے رندہ چل رہا ہو۔ اُنہوں نے میزبان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا آپ نے پُرتکلف کھانا کھلایا، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ ہم تو دال چپاتی کھانے والے فقیر ہیں آپ خود بھی گنہ گار ہوئے اور ہمیں بھی کیا۔ اِس کے بعد لوگ اُن کی بیعت کرنے کے لئے اُٹھے، کوئی اُن کے ہاتھ چومتا تھا اور کوئی گھٹنوں پر جھک جاتا اور نذرانہ پیش کرتا۔ مجھے مخاطب کر کے اُنہوں نے بار بار کہا آپ بھی آیئے۔ میں کہتا رہا ابھی آتا ہوں۔ موقع پا کر میں وہاں سے بھاگ نکلا۔ دوسرے روز رؤف صاحب نے مجھ سے گلہ کیا کہ آپ نے بیعت نہیں کی۔ میں نے کہا آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ پیر صاحب کی حرکات دیکھ کر بھی آپ بدظن نہیں ہوئے۔ اُنہوں نے دو روز تک میری باتوں پر غور کیا اور آخر تائب ہو گئے۔

طارق ..... انگلینڈ کا پیر

مشاعروں کے سلسلے میں انگلینڈ جانا ہوا تو میرے دوست صابر رضا نے اپنے ایک دوست طارق سے ملاقات کرائی اور بتایا کہ یہ پیری مریدی کرتے ہیں اور بڑے مقبول ہیں۔ یہ آپ کو لیک ڈسٹرکٹ کی سیر کرائیں گے۔ طارق کے بارے میں تفصیلات حاصل ہوئیں تو پتہ چلا کہ صرف عورتوں کا پیر ہے۔ انگریز

عورتیں اُس کے پاس حاضر ہوتی ہیں وہ اپنے سر میں راکھ ڈال لیتا ہے اور عورتیں بھی۔ پھر دما دم مست قلندر کے ساتھ دھمال پڑتی ہے عورتیں بے حال ہو جاتی ہیں۔ اسی حالت میں دو چار کو بدحال کر دیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ برسوں سے بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔

مار کھانے کا بل

مانچسٹر میں مقیم میرے دوست صابر رضا مجھے شہر کی سیر کرانے نکلے تو ایک مکان کے سامنے آ کر رک گئے۔ اُنہوں نے کہا آج ہم آپ کو ایک ایسی چیز دکھاتے ہیں جو اِس سے پہلے آپ نے نہ دیکھی ہو۔ مکان کے باہر ایک بورڈ آویزاں تھا جس پر ہیلتھ سینٹر لکھا تھا۔ اندر گئے تو ایک کمرے میں جسمانی ایذا رسانی کے آلات دیواروں پر آویزاں تھے۔ صابر رضا نے بتایا کہ لوگ یہاں آتے ہیں اور مختلف طریقوں سے وہ اپنی پٹائی کراتے ہیں جب وہ مار کھاتے کھاتے نڈھال ہو جاتے ہیں تو اُن کو مزا آنے لگتا ہے۔ وہ مار کھاتے کھاتے اتنے عادی ہو جاتے ہیں کہ تشدد اُن کی جسمانی غذا بن جاتی ہے۔ جس طرح بعض عورتیں جب تک اپنے شوہر سے مار نہ کھالیں اُن کو چین نہیں پڑتا۔ بعض ڈاکو اور چور بھی اس لئے بار بار وارداتیں کرتے ہیں کہ اُن کو مار پڑے۔ پولیس جتنا چاہے اُن کو مارلے اُن پر کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ انجوائے کرتے ہیں۔ اسی طرح ٹی وی پر ریسلنگ کرنے والے پہلوان بھی مار کھانے کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ کشتی نہیں ہوتی بلکہ نورا کشتی ہے۔ اُن کو باری باری ایک دوسرے کو مارنے کے بڑے بڑے معاوضے ملتے ہیں۔

مظفر وارثی پر ڈالر نچھاور کیے گئے

ناروے کے مشاعرہ میں جناب مظفر وارثی ترنم سے نعت پڑھ رہے تھے تو سامعین میں سے ایک صاحب اُٹھے اور فوجی انداز میں چلتے ہوئے وارثی صاحب کے پاس آکر سلیوٹ کیا اور پھر بہت سے ڈالر اُن کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے۔ یہ منظر اتنا روح پرور تھا کہ کچھ لوگوں کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔

ہوائی جہاز میں لطیفہ گوئی

۱۲ر اکتوبر کو پاکستان میں منتخب جمہوری حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔ میں اور سلیم کوثر بینکاک کے مشاعرے سے واپس کراچی پہنچے تو ہمارے جہاز کو اُترنے نہیں دیا گیا اور ہم مسقط چلے گئے۔ ہوائی جہاز کے مسافروں میں ایک بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ کپتان کے منع کرنے کے باوجود لوگ اپنی سیٹوں پر نہ بیٹھے اور نہ ہی خاموش ہوئے۔ میں نے بآواز بلند مسافروں کو ایک لطیفہ سنایا جسے سنتے ہی وہ خوش ہوگئے اور اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ وہ لطیفہ یہ تھا:۔

ایک جہاز میں ایک مسافر اپنے طوطے کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ طوطے نے ایئر ہوسٹس کی قمیض کھینچی۔ اِس پر وہ بہت خوش ہوئی۔ اُس کے دیکھا دیکھی طوطے کے مالک نے بھی یہی حرکت کی جس پر ایئر ہوسٹس نے کپتان سے شکایت کر دی۔ کپتان نے حکم دیا کہ اِن دونوں کو جہاز سے باہر پھینک دیا جائے۔ مسافر پریشان ہوگیا۔ طوطے نے اُس سے کہا جب تمہیں اُڑنا نہیں آتا تھا تو پنگا کیوں لیا تھا۔

جب پاکستان بنا

پاکستان کو ۱۴راگست ۱۹۴۷ء میں آزادی ملی۔ سخت بارشوں اور لاکھوں انسانوں کی دربدری کے سبب کئی علاقوں میں ہیضہ پھیل گیا۔ خارش پھوٹ پڑی۔ تمام دریاؤں میں طغیانی آ گئی۔ ریل گاڑیوں میں انسانوں کے کٹے جسم اورخون میں تعفن پھیل گیا۔ صرف صوبہ پنجاب سے ۶۰ ہزار عورتیں جبراً اٹھالی گئیں۔ سیلاب میں بہہ کر آنے والے ہزاروں جانوروں کے جسم گل سڑ گئے۔ اِن حالات میں پاکستان کی سالمیت کو سنبھالے رکھنا ایک مشکل کام تھا۔ مگر ہمارے لیڈروں اورعوام نے مل کر ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ پاکستان اپنے پیروں پر کھڑا ہوگیا۔ یہ مناظر آج بھی میری آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح چلتے نظر آتے ہیں۔ نظریہ پاکستان کے مخالفین اگر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ پاکستان کن مشکل حالات میں قائم ہوا تو وہ اپنی سوچ میں ضرور تبدیلی کرتے۔

ارشد صابری ایک پاگل شخص

ارشد صابری کے والد کی برسی کے موقع پر میں نے اسٹیج پر بیٹھے مقررین کو ''ظرافت'' کا تازہ شمارہ پیش کیا۔ ارشد صابری مجھ سے ناراض ہوگئے کہ برسی کے موقع پر ایک مزاحیہ رسالہ تقسیم کر رہے ہو۔ اُنھوں نے سب مقررین سے رسالہ واپس لے لیا۔ میں نے کہا اگر رسالہ تقسیم کرنا نامناسب ہے تو مہمانوں کو پھولوں کے ہار پہنانا کیسے احسن امر ہوگیا۔ تم نے اِس سوگ کے موقع پر مہمانوں کو ہار کیوں پہنائے؟ اِس بات کا اُن کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ کئی سال تک اُن سے تعلقات

ختم رہے۔ ایک روز اے پی این ایس کے سالانہ اجلاس میں ہزاروں سامعین کی موجودگی میں میاں محمد نواز شریف وزیر اعظم پاکستان تقریر کر رہے تھے۔ میں عطاء الحق قاسمی اور حکیم محمد سعید شہیدؒ ایک میز کے گرد بیٹھے تھے۔ ارشد صابری وہاں آنکلے، زمین پر بیٹھ گئے، اپنا جوتا ہاتھ میں لے کر مجھ سے کہا قاسمی صاحب میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ آپ میرے سر پر چار جوتے ماریں۔ میں اُن کو منع کرتا رہا مگر وہ مصر رہے۔ حکیم سعید شہیدؒ نے کہا قاسمی صاحب! یہ شخص سب کو ڈسٹرب کر رہا ہے اِس کو جلدی فارغ کر دیں۔

”ضیا پاشیاں“ کی تقریب رونمائی

اخباری کالموں کے میرے مجموعے ”ضیا پاشیاں“ کی تقریب رونمائی فاران کلب کراچی میں منعقد ہونا تھی۔ اِس تقریب کی صدارت کے لئے سینیٹ کے چیئرمین جناب وسیم سجاد نے مجھ سے شرکت کا وعدہ کرلیا تھا مگر اُنہیں معلوم ہوا کہ اُن کے کسی قریبی رشتہ دار کی شادی کی تقریب گوجرانوالہ میں اُسی روز ہونے والی ہے اور اِس میں اُن کی شرکت ضروری ہے۔ اُن سے جب ٹیلیفون پر میری بات ہوئی تو اُنہوں نے کہا آج رات سینیٹ کا اجلاس ہے اور اسلام آباد سے کراچی کے لئے صرف ایک فلائٹ صبح ۵ بجے ہے۔ آپ کی تقریب رونمائی صبح ۱۰ بجے ہے۔ میں اِس میں شرکت تو کرسکتا ہوں لیکن گوجرانوالہ کی تقریب میں شرکت کرنا مشکل ہو جائے گا۔ میں نے اُن سے گذارش کی کہ آپ میری خاطر اتنی زحمت نہ اُٹھائیں مگر اُنہوں نے کہا اگر میں آپ کی تقریب میں نہیں آسکا تو یہ وعدہ خلافی ہوگی، لہٰذا میں صبح ۵ بجے کی فلائٹ کے ذریعے کراچی

پہنچوں گا اور ۱۰ بجے سے ۱۱ بجے تک وہاں موجود رہوں گا پھر آپ سے اجازت لے کر گوجرانوالہ روانہ ہو جاؤں گا اور پھر ایسا ہی ہوا جیسا کہ اُنہوں نے کہا تھا۔ اُنہوں نے اتنی زیادہ مصروفیات کے باوجود اپنے وعدہ کی پاسداری کی جس سے مجھے بے پناہ خوشی ہوئی اور تقریب کے ہزاروں سامعین کو بھی۔

''ہرے بھرے زخم'' کی تقریب رونمائی

میرے شعری مجموعے ''ہرے بھرے زخم'' کی تقریب رونمائی رات کے وقت ایک ہوٹل میں منعقد ہونا قرار پائی۔ اِس تقریب کی صدارت مرکزی وزیرِ تعلیم جسٹس سید غوث علی شاہ کو کرنا تھی مگر اِسی روز قومی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا جس میں شاہ صاحب کی حاضری ضروری تھی۔ اجلاس کے اختتام پر شاہ صاحب ایئرپورٹ پہنچے اور کراچی لینڈ کرتے ہی سیدھے ہماری تقریب میں تشریف لے آئے۔ اُن کے آنے کی اُمید اگرچہ ختم ہو چکی تھی مگر اُن کو تقریب گاہ میں دیکھ کر طبیعت شادکام ہو گئی۔

جنہیں یقین ہے تو میرے گھر نہ آئے گا
خدا کرے کہ وہ بیٹھیں ہوں اور تو آئے

جنرل محمد ضیاء الحق کے بارے میں کتاب

جنرل محمد ضیاء الحق کے دورِ اقتدار میں لاہور کے ایک انگریزی اخبار نے ان کو Son of Bitch لکھا۔ ایڈیٹر کے خلاف مقدمہ چلا اور عدالت نے اُس کو ایک سال کی سزا دی۔ جنرل صاحب کو اِس بات کا علم ہوا تو اُنہوں نے اُس کی سزا

یہ کہہ کر معاف کر دی کہ اُس نے مجھے گالی دی ہے اگر وہ صدر مملکت کو گالی دیتا تو اپنی سزا قانون کے مطابق بھگتتا۔ اس واقعہ سے میں بہت متاثر ہوا اور ایک دو ماہ میں تقریباً ۱۰۰ رشعراء سے اُن کی تعریف میں نظمیں لکھوا کر ''ضیائے حق'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کر دیں۔ اشاعت سے پہلے میں نے اُس وقت کے سیکریٹری اطلاعات جنرل مجیب الرحمٰن اور وفاقی وزیر اطلاعات راجہ ظفر الحق سے بات کر لی تھی۔ کتاب شائع ہوئی تو میں نے اُس کا ایک نسخہ جنرل محمد ضیاء الحق کو بذریعہ ڈاک ارسال کیا جس کی رسید مجھے نہ مل سکی۔ مجھے لوگوں نے بتایا کہ وہ اپنی تعریف میں لکھی گئی کتابوں کو پسند نہیں کرتے۔ اسلام آباد میں اہل قلم کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا تو وہاں جنرل محمد ضیاء الحق اور وزیر خزانہ جناب غلام اسحٰق خان موجود تھے۔ خان صاحب نے مجھے کہا جنرل صاحب کو کتاب پیش کرو۔ میں نے کہا میں اُن کو بذریعہ ڈاک یہ کتاب پہلے ہی بھیج چکا ہوں۔ اُس کا جواب نہیں آیا تو میں دوبارہ یہ کتاب کیوں دوں۔ خان صاحب نے کہا ہوسکتا ہے یہ کتاب اُن تک نہ پہنچی ہو۔ وہ مجھے جنرل صاحب کے پاس لے گئے۔ میں نے اُن کو کتاب پیش کرنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھائے تو جنرل صاحب نے دیکھتے ہی کہا قاسمی صاحب ! آپ کی یہ کتاب مجھے مل چکی ہے۔ میں نے اِس کے جواب میں آپ کو اس لئے کوئی خط نہ لکھا کہ مجھے اپنی ذات کی تعریف پسند نہیں۔ قاسمی صاحب ! آپ نے اپنا وقت اور سرمایہ ضائع کیا ہے۔ کاش آپ میری بجائے میرے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف کرتے ، اُنؐ کے لئے نعتوں کی کتاب لکھتے۔ میں سخت شرمندہ ہوا اور اُلٹے پاؤں واپس ہوگیا۔

جابر سلطان یا صابر سلطان

اے پی این ایس کے سالانہ تقسیم ایوارڈز کی تقریب میں روزنامہ "نوائے وقت" کے ایڈیٹر جناب مجید نظامی وہاں پر موجود صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہوئے اُن پر کچھ زیادہ ہی سخت لہجے میں برس پڑے۔ ضیاء الحق صاحب اسٹیج پر بڑے تحمل سے اُن کے اعتراضات سنتے رہے۔ جنرل صاحب تقریر کے لئے اُٹھے اور نظامی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا! آپ کے اخبار کی لوح پر یہ جملہ لکھا ہوتا ہے "جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق ادا کرنا جہاد ہے۔" مگر میں آپ کو بتادوں کہ میں جابر سلطان نہیں ہوں صابر سلطان ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تنقید سننے کا حوصلہ دیا ہے۔

ظہور الحسن بھوپالی شہید

استحکام پاکستان کونسل کے سربراہ جناب ظہور الحسن بھوپالی کو اُن کے دفتر میں گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق تعزیت کے لئے اُن کے مکان پر آئے تو کونسل کے بے شمار اراکین و عہدیداران وہاں جمع تھے۔ کونسل کے کراچی کے صدر صدیقی صاحب نے کہا جنرل صاحب! آپ کے دور میں قتل و غارتگری حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے اور آپ تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کو چاہئے تھا کہ علاقے کے ڈی ایس پی اور ڈی آئی جی کو اسی مکان کے سامنے پھانسی پر لٹکاتے مگر آج تک قاتل نہیں پکڑے گئے۔ صدیقی صاحب کا لہجہ اتنا گستاخانہ تھا کہ بعض لوگ اِس پر معترض ہوئے۔ جنرل صاحب نے اپنی جوابی تقریر میں کہا صدیقی

صاحب ! میں اس حادثے کی خبر سنتے ہی پہلی فرصت میں اسلام آباد سے کراچی حاضر ہوا مگر آپ یہ بتایئے کہ آپ نے اس سلسلے میں کیا کیا ؟ مجھے اطلاع ملی تھی کہ ظہور الحسن بھوپالی شہید اپنے دفتر میں اکیلے نہیں تھے بلکہ آپ میں سے بیشتر لوگ وہاں موجود تھے۔ آپ کی موجودگی میں اُن کو شہید کیا گیا۔ آپ لوگوں نے اُس قاتل کو کیوں نہیں پکڑا ؟ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ باہر نکلا اور کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔ صدیقی صاحب مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپؒ اس وقت غسلخانے میں چھپ گئے تھے اور اب مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ میں پولیس افسران کو بغیر تحقیق کے پھانسی پر چڑھا دوں۔ میرے دور میں صرف دو سیاسی قتل ہوئے ہیں ایک چوہدری ظہور الٰہی کا جو میرا یار غار تھا دوسرا ظہور الحسن بھوپالی کا جو میرا لخت جگر تھا۔ دکھ تو مجھے ہوا ہے، سینہ تو میرا پھٹا ہے آپ کا کیا بگڑا ؟ باتیں بنانا بہت آسان ہے کام کرنا مشکل ہے۔

حضرت عمر ثانی ہونے کا دعویٰ

وزیر آباد میں ایک حکیم محمد اسحٰق تھے جن کی لمبی داڑھی اور سر پر پگڑی کا شملہ۔ خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔ اُن کو نہ جانے کیا سوجھی کہ ایک روز حضرت عمر ثانی ہونے کا دعویٰ کر ڈالا۔ ہم چند دوست اُن سے ملنے گئے بڑے تپاک سے ملے۔ گفتگو شروع ہوئی فرمانے لگے نفس کی قسمیں ہوتی ہیں۔ نفس امارہ، نفس خبیثہ، نفس مطمئنہ وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے ایک دوست نے کہا جناب بعض مرد خر نفس بھی ہوتے ہیں۔ حکیم صاحب نے ڈنڈا اُٹھا لیا اور گالیاں بکنے لگے کہ تم لوگ بزرگوں کا مذاق اڑاتے ہو۔

ایک جملہ جو شعر بن گیا

میں، معین الدین چشتی اور چند دوست بہادر آباد میں ایک مکان میں بیٹھ کر کباب پراٹھہ کھا رہے تھے۔ باہر سڑکوں پر تیز روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ معین صاحب شاعر نہیں ہیں۔ اُنہوں نے ایک جملہ کہا جو شعر بن گیا:

روشنی راستہ دکھاتی ہے روشنی راستہ نہیں ہوتی

جنرل محمد ضیاء الحق کی نماز باجماعت

سرکٹ ہاؤس حیدر آباد میں ایک سرکاری میٹنگ کے دوران اذان ہوئی تو میٹنگ ملتوی کر کے تمام شرکاء مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گئے۔ سرکٹ ہاؤس کی مسجد میں صرف ۲۰ نمازیوں کے لئے گنجائش تھی۔ جنرل محمد ضیاء الحق جب نماز کے لئے وہاں پہنچے تو تمام صفیں پوری ہو چکی تھیں۔ مسجد کے باہر جوتے رکھنے کی جگہ سے جنرل صاحب نے جوتے ہٹائے، وہ جگہ اپنے رومال سے صاف کی اور نماز کی نیت باندھ لی۔ سلام پھیرنے کے بعد ہم نے ایک نمازی کو روتے دیکھا، معلوم ہوا کہ اُس نے جنرل صاحب کو وردی میں وہاں نماز پڑھتے دیکھا جہاں ایک عام آدمی بھی کھڑا ہونا پسند نہیں کرتا تو وہ فرطِ عقیدت سے اپنے آنسو نہ روک سکا۔

جنرل محمد ضیاء الحق شادی کی تقریب میں

میری بڑی ہمشیرہ وزیر آباد کے ایک اسکول میں پڑھاتی تھیں اسی اسکول میں اُن کی ایک سہیلی بھی اسکول ٹیچر تھیں۔ جنرل محمد ضیاء الحق اس اسکول ٹیچر کے رشتہ دار تھے۔ اُن کے ہاں شادی کی ایک تقریب تھی جس کا دعوت نامہ اُنہوں نے بذریعہ ڈاک جنرل ضیاء الحق کو بھی بھیج دیا جو اس وقت ملک کے صدر تھے۔ اُن لوگوں کو اُن کے آنے کی بالکل اُمید نہ تھی۔ ایک تنگ گلی میں شامیانوں کے نیچے چند کرسیاں مہمانوں کے لئے رکھی گئی تھیں۔ جنرل محمد ضیاء الحق اچانک سیکوریٹی اور پروٹوکول کے بغیر شادی والے گھر میں آ گئے۔ اُن کے آنے سے خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ چند لمحے اپنے اعزاء کے ساتھ وہاں ٹھہرے اور پھر جانے کی اجازت چاہی۔

دبئی میں چوتھی منزل پر محفل مشاعرہ

دبئی میں ڈاکٹر اظہر زیدی کے عالمی مشاعرہ طنز و مزاح کے بعد ایک مذہبی تنظیم کے اراکین نے ایک زیر تعمیر عمارت کی چوتھی منزل پر محفل مشاعرہ کا اہتمام کیا۔ میرے لئے چار منزلیں چڑھنا بہت مشکل تھا، لہٰذا ایک کرسی پر مجھے بٹھا کر اوپر لے جایا گیا۔ خواتین کے لئے تیسری منزل پر مشاعرہ سننے کا اہتمام بذریعہ ٹی وی کیا گیا تھا۔ یہ بات میرے علم میں نہ تھی، لہٰذا میں نے بڑی بے تکلفی سے نظامت کا آغاز کیا جسے خواتین ٹی وی کی اسکرین پر دیکھ رہی تھیں۔ منتظمین میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور میرے کان میں کہا نظامت کے دوران ذرا محتاط رہیے گا نیچے خواتین دیکھ اور سن رہی ہیں۔

یہ مرد حضرات خصوصاً مذہبی لوگ بھی عجیب و غریب ہوتے ہیں جو باتیں اپنے لئے پسند کرتے ہیں خواتین کے لئے وہ مناسب نہیں سمجھتے۔

قمر علی عباسی کی نہاری ہم کھا گئے

ریڈیو پاکستان کراچی کے مشاعرے کی ریکارڈنگ کے بعد میں، محترمہ نجمہ نجان، محترمہ نیلوفر عباسی اور دیگر شعراء اسٹیشن ڈائریکٹر جناب قمر علی عباسی کے آفس میں آکر بیٹھ گئے۔ وہاں میز پر نہاری اور روٹیاں رکھی تھیں۔ ہم سمجھے کہ یہ ہمارے لئے منگوائی گئی ہیں۔ ہم نے کھانا شروع کر دیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ دیر ہو جانے کی وجہ سے قمر علی عباسی اور اُن کی بیگم نیلوفر عباسی نے یہ کھانا اپنے بچوں کے لئے اپنے گھر لے جانے کے لئے منگوا کر رکھا تھا جسے ہم چٹ کر گئے۔

جہاز میں پرواز کے دوران خوف

میں اسلام آباد سے کراچی آنے کے لئے جہاز میں سوا ہوا۔ پرواز کے دوران موسم سخت خراب ہوگیا اور جہاز ڈولنے لگا۔ عارضہ قلب کے سبب میری حالت خراب ہونے لگی۔ کچھ دیر بعد جہاز سنبھل گیا۔ پائلٹ نے مجھے پہچان لیا وہ مجھے کاک پٹ میں لے گیا اور پائلٹ کی سیٹ پر بٹھا کر تفصیلات بتائیں کہ کس طرح خطرات سے نبرد آزما ہوا جاتا ہے۔ اُس نے مجھے سمجھایا کہ اِس قسم کی موسم کی خرابی سے کچھ نہیں ہوتا۔ اِس کے بعد میرا خوف دور ہوگیا اور اب میں ہوائی سفر کو محفوظ سمجھتا ہوں۔

بابا عبیر ابوذری کا ۹۰ سالہ گھٹنا

پی ٹی وی کے مشاعرے میں مَیں نے پنجابی کے معروف شاعر بابا عبیر ابوذری سے پوچھا آپ کی عمر ۹۰ سال ہے تو کیا آپ کے گھٹنوں میں درد نہیں ہوتا۔ بابا جی نے کہا کہ ایک ڈاکٹر کو میں نے اِس درد کا بتایا تو اُس نے کہا بابا جی ۹۰ سال کی عمر میں یہ درد ہوتا ہے۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب میرا دوسرا گھٹنا بھی نوے سال کا ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب ہنس دیئے۔

ایک چوکیدار کا اپنے ملک کے بارے میں تجزیہ

کراچی کے ساحل سمندر ہاکس بے جانا ہوا۔ ورکنگ ڈے تھا، لہٰذا وہاں لوگ بھی نہیں تھے۔ ایک ہٹ کے چوکیدار سے گفتگو ہوئی۔ بتانے لگا کہ میں برسوں سے اِسی ہٹ کی نگرانی پر مامور ہوں۔ میرا شہر کی طرف کبھی جانا نہیں ہوا۔ میں نے پوچھا زندگی کیسے گزارتے ہو؟ اُس نے بتایا کہ لوگ تفریح کے لئے یہاں آتے ہیں مجھے کھانا اور پینے کا پانی اُن سے مل جاتا ہے۔ ڈوبتے ہوئے لوگوں کو پانی سے نکال لاتا ہوں۔ وہ لوگ مجھے خاصہ معاوضہ دیتے ہیں۔ مجھے پانی میں رہنے کی اتنی عادت ہوگئی ہے کہ میں پانی کی سطح پر سیدھا لیٹ سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ سمندر میں کود گیا اور لہروں پر لیٹ گیا جو اُسے اِدھر سے اُدھر پھینکتی رہیں۔ میں نے اُس سے پوچھا تم شہر اور ملک کے حالات سے کیسے واقف ہوتے ہو تمہیں کیسے پتہ چلتا ہے کہ کون حکومت کر رہا ہے؟ اُس نے کہا جب گندے لوگ یہاں آتے ہیں شراب پیتے ہیں، ناچ گانا ہوتا ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ جو شخص بھی حکومت کر رہا ہے اُس کی گرفت کمزور

ہے یا وہ خود بھی ایسا ہی ہے۔ جب اچھے لوگ یہاں آتے ہیں تو یہ حرکات نہیں ہوتیں پھر میں سمجھ لیتا ہوں کہ کوئی نیک انسان ہمارے ملک پر حکومت کر رہا ہے۔ مجھے اس تجزیہ سے اندازہ ہوا کہ یہ ان پڑھ دور افتادہ چوکیدار روشن ذہن کا مالک ہے اور ہر چیز کو کھلی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

نعیم بخاری کا ایک کوچوان سے انٹرویو

پی ٹی وی کمپیئر نعیم بخاری نے ایک عمر رسیدہ کوچوان سے انٹرویو کے دوران پوچھا بابا جی! یہ بتائیں کہ لوگ پہلے زمانے کی طرح آپس میں محبت و یگانگت کیوں نہیں رکھتے؟ کوچوان نے کہا بابو جی! میں تانگہ چلانے والا ایک اَن پڑھ آدمی ہوں۔ فلسفیانہ باتیں مجھے نہیں آتیں۔ البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ جب سے لوگوں نے مٹی کے برتنوں میں کھانا کھانا چھوڑ دیا ہے ہمارا اس مٹی یعنی دھرتی سے رشتہ ختم ہو گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ انسانوں کی آپس میں محبت بھی ختم ہو چکی ہے۔

ایک عالم دین کے بیٹے نے بینک میں ایک شخص کو لوٹ لیا

لاہور کے ایک عالم دین کے بیٹے نے غلط قسم کے لوگوں سے راہ و رسم پیدا کرلی تھی اور اُس کی حرکات وسکنات بڑی مشتبہ نظر آنے لگیں۔ ایک روز ایسا ہوا کہ وہ پسی ہوئی مرچیں ہاتھ میں لے کر ایک بینک کے باہر کھڑا ہو گیا۔ ایک شخص اندر سے بڑی رقم لے کر نکلا تو اُس نے اُس کی آنکھوں میں مرچیں ڈال دیں اور جھٹ سے اُس کے ہاتھ سے نوٹوں کا تھیلہ چھین لیا اور بھاگنے لگا تو لوگوں نے اُس کا پیچھا کر کے اُس کو دبوچ لیا اور پولیس کے حوالے کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

قتیل شفائی سے آخری ملاقات

ممتاز شاعر جناب قتیل شفائی کی علالت کی خبر سنی تو میں لاہور میں تھا۔ میں اپنے برادرخورد جناب عطاء الحق قاسمی کے ساتھ اُن کی عیادت کے لئے اُن کے گھر گیا۔ وہ ایک بستر پر دراز تھے۔ جسمانی طور پر انتہائی لاغر مگر ہوش وحواس پوری طرح قائم۔ میں نے جھک کر اُن کے گالوں پر بوسہ دیا اور سلام کیا۔ مجھے دیکھ کر اُن کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا میاں ! تم بہت محبت کے آدمی ہو۔ دنیا کو زندگی کی بشارتیں دینے والا شاعر آج زندگی کی میعاد پوری کر رہا تھا۔ میں بھی اُن کے ساتھ خوب رویا مگر اُن سے اپنا چہرہ چھپا کر۔ ایک بہت عمدہ شاعر ہم سے جدا ہوگیا۔

میرے محسن

زندگی میں کچھ لوگ ایسے بھی ملے جن کی محبت نے مجھے اُن کا گرویدہ بنا دیا۔ میں اُن کے احسانات کا مقروض ہوں اور نہ جانے یہ قرض کیسے ادا ہوگا۔ یہ بڑے لوگ ہمیشہ قابل احترام رہیں گے میں ان کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ طارق محسن (پاک لینڈ سیمنٹ انڈسٹری) آفتاب احمد خان (چیئرمین این ڈی ایف سی۔ موجودہ صدر انجمن ترقی اُردو) حضرت راغب مراد آبادی (ممتاز عروض دان شاعر) ایس ایس جعفری (سابق وفاقی فائینینس سیکریٹری) محمد یاسین خان (ڈی آئی جی) کنور مہندر سنگھ بیدی (ممتاز شاعر و کمپیئر) مظہر علی خان (میرے اولین محسن) شجاع الحسن (صدر حبیب بینک) رسول احمد کلیمی (ایس ای وی پی نیشنل بینک آف پاکستان وممتاز شاعر) آغا حسن عابدی مرحوم (اتفاق فاؤنڈیشن)

احمد ندیمؔ قاسمی عظیم شخصیت

ممتاز شاعر، کالم نگار اور افسانہ نگار محترم جناب احمد ندیمؔ قاسمی کی شخصیت نے مجھے بہت متاثر کیا۔ وہ ایک نامور ادیب و شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاق کے مالک بھی ہیں۔ عالمی شہرت یافتہ ہونے کے باوجود غرور و تمکنت سے اُن کو نفرت ہے۔ وہ انسانوں سے محبت کرتے ہیں کسی کا دل نہیں دکھاتے، خورد و کلاں کا احترام کرتے ہیں، عجز و انکسار کا پیکر ہیں۔ نئے لکھنے والوں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔ وہ ہر طبقے میں احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو سلامت باکرامت رکھے۔

ایوانِ غالبؔ میں غالبؔ کے ساتھ

ایوانِ غالب دہلی میں جانا ہوا تو ایک کمرے پر نظر پڑی جس کے شیشوں میں سے ایک ایسا دلکش منظر نظر آیا کہ اُس کے قریب جانے کے لئے طبیعت بے چین ہوگئی۔ یہ ایک مشاعرے کا منظر تھا۔ جس کی صدارت حضرت غالبؔ فرما رہے تھے اور اُس عہد کے تمام بڑے شعراء اس مشاعرے میں شریک تھے۔ دور سے تو ایسا لگتا تھا جیسے سچ مچ کے شعراء بیٹھے ہوں مگر قریب جا کر پتہ چلا کہ یہ سب مجسمے ہیں۔ اندر جانے کی اجازت نہ تھی مگر مجھے خصوصی اجازت مل گئی۔ میں ایک کاغذ ہاتھ میں لئے حضرت غالبؔ کے ساتھ جا کر اِس طرح بیٹھ گیا جیسے میں اُن سے اصلاح لے رہا ہوں۔ اِس موقع پر تصویر بھی کھینچ لی گئی جو میرے پاس آج بھی محفوظ ہے۔ کاش میں غالبؔ کے عہد میں پیدا ہوتا۔

روسی ڈاکٹر اور معذور بچہ

ایک اخبار میں اشتہار دیکھا کہ ایک روسی آرتھوپیڈک سرجن فلاں ہسپتال میں مریضوں کو دیکھیں گے۔ میں ایک غریب گھرانے کے ایک پولیوزدہ بچے کو لے کر وہاں پہنچا۔ ڈاکٹر نے ۵۰۰ روپے مشورہ کی فیس لی اور بتایا کہ اس بچے کا آپریشن کیا جائے گا اور یہ خود چلنے لگے گا۔ آپریشن کی فیس ۷۵ ہزار روپے ہوگی۔ میں نے ایک مخیّر ادارے سے اِس رقم کا انتظام کرالیا۔ مگر پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کے ذرائع سے پتہ چلا کہ یہ روسی ڈاکٹر پاکستان میں کوئی آپریشن کرنے کے مجاز نہیں ہیں کیونکہ پاکستان میں اُن کی رجسٹریشن ضروری ہے۔ مزید معلومات حاصل کرنے پر یہ بات ہمارے علم میں آئی کہ ان امریکی، روسی اور برطانوی ڈاکٹروں کی ڈگریوں کے بارے میں شکوک وشبہات ظاہر کئے جارہے ہیں۔ کراچی کے بعض ہسپتال آئے دن اخبارات میں اُن ڈاکٹروں کے ناموں کے اشتہارات کے ذریعے لوگوں سے پیسے بٹور رہے ہیں اور حکومت اس بات کا نوٹس نہیں لیتی۔ ہم حیران ہیں کہ یہ روسی، امریکی اور برطانوی ہمارے ذہنوں پر کب تک چھائے رہیں گے۔

گورنر..... دلاور فگارؔ..... پبلشر

گورنر ہاؤس کراچی کی ایک تقریب کے دوران حضرت دلاور فگارؔ کی صاحبزادی نگار نے گورنر سندھ معین الدین حیدر کو ایک درخواست پیش کی جس میں ایک پبلشر کی شکایت کی گئی تھی کہ اُس نے دلاور فگارؔ کی کلیات کی اشاعت کے بعد رائلٹی کی رقم ادا نہیں کی۔ گورنر صاحب نے یہ درخواست ہوم سیکریٹری کے نام مارک

کر دی مگر اچانک اُن کی نظر مجھ پر پڑی تو کہا یہ کام قاسمی صاحب بطریق احسن سرانجام دے سکتے ہیں، لہٰذا وہ درخواست مجھے دے دی گئی۔ میں نے نگار اور پبلشر دونوں کو دوسرے روز بلوالیا اور اُن کا تصفیہ کرا دیا۔

اتوار بازار میں جعلی معذور فقیر

میرے گھر کے نزدیک اتوار بازار لگتا ہے۔ میں نے وہاں دیکھا کہ ایک بھیک مانگنے والا زمین پر پڑا چیخ رہا ہے اور بآواز بلند مکروہ انداز میں بھیک مانگ رہا ہے۔ وہ اس طرح تڑپ رہا تھا جیسے سخت اذیت میں ہو۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ معذوروں کی طرح ٹیڑھے کر رکھے تھے۔ مجھے اُس پر ترس آیا میں نے پوچھا تمہیں کیا تکلیف ہے؟ اُس نے کہا بھیک دینی ہے تو دو باتیں نہ بناؤ۔ میں نے فوراً پولیس موبائل کو کال کیا۔ اُس میں سے تھانیدار اور کچھ سپاہی اُترے۔ میں نے اُنہیں بتایا کہ یہ شخص ڈرامہ کر رہا ہے اور لوگ اِسے دیکھ کر پریشان ہو رہے ہیں۔ تھانیدار نے کہا مگر یہ آپ کا کیا بگاڑ رہا ہے، آپ کا کیا نقصان کیا ہے؟ میں نے کہا یہ شخص دھوکہ باز ہے اور لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ تھانیدار نے بادل نخواستہ اِسے کہا چلو یہاں سے اُٹھو۔ وہ تھانیدار سے بھی بھڑ گیا۔ تھانیدار نے اپنے بوٹ سے اُس کا ہاتھ زور سے دبا دیا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ تھانیدار نے اُسے دو تین تھپڑ رسید کیے تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ تھانیدار نے کہا اپنے ہاتھ سیدھے کرو۔ زمین سے اُس کی چادر اُٹھائی تو اُس کے نیچے سے سینکڑوں روپے نکلے۔ اُس نے یہ رقم سمیٹی اور وہاں سے فرار ہو گیا۔

محفل موسیقی میں غنڈہ گردی

ایک شادی کی تقریب میں محفل موسیقی کے دوران چند غنڈے ہاتھوں میں پستول لئے آ دھمکے۔ سب سے پہلے اُنہوں نے سازندوں کو زود کوب کیا اور پھر گائیکہ کو اغواء کرنے کی کوشش کی۔ وہ مسلسل مزاحمت کرتی رہی اور لوگوں سے مداخلت کی اپیل کرتی رہی مگر کوئی آگے نہ آیا۔ سازندے بھاگ چکے تھے اور بہت سے مہمان بھی۔ میں نے جرأت سے کام لیتے ہوئے اُن غنڈوں سے کہا بھئی! یہ تو بتاؤ اِس کا قصور کیا ہے؟ بس اتنی سی بات پر ایک غنڈے نے مجھ پر چاقو تان لیا اور مجھے پیچھے دھکیلتا ہوا ہال سے باہر لے گیا۔ میں اتنا خوفزدہ ہوگیا کہ وہاں سے فرار ہی میں عافیت سمجھی۔

بینکاک میں پاکستانی سفیر کا بنگلہ

تھائی لینڈ کے دارالخلافہ بینکاک میں پاکستانی سفیر کی رہائش گاہ شہر کے بدنام ترین علاقہ میں واقع ہے۔ آج سے ۲۲ سال پیشتر (جب آتش جواں تھا) میں بینکاک گیا تو یہ بات جان کر سخت روحانی تکلیف ہوئی۔ ۱۹۹۹ء میں دوبارہ گیا تو یہ رہائش گاہ خالی پڑی تھی۔ پتہ چلا کہ نہ تو یہ فروخت ہوسکتی ہے اور نہ ہی کرایہ پر دی جاسکتی ہے کیونکہ کرایہ پر دینے سے اِس میں وہی کچھ ہوگا جو اِس پورے علاقے میں ہو رہا ہے۔ یہ عمارت حکومت پاکستان کی ملکیت ہے۔ ۲۲ برسوں میں تھائی لینڈ ایک ترقی یافتہ ملک بن چکا ہے۔ یہ ترقی دیکھ کر حیرت ہوئی۔

ڈہرکی کا مشاعرہ.....ریل کے ٹکٹ گم ہوگئے

اینگرو کیمیکل پاکستان لمیٹڈ ڈہرکی (سندھ) کے کل پاکستان مشاعرہ میں شرکت کے لئے کچھ شعراء کراچی سے بذریعہ ٹرین جانے والے تھے اُن سب کے ٹکٹ میرے پاس تھے جو مجھ سے گم ہوگئے۔ سیٹوں کی ریزرویشن ہوچکی تھی، سب پریشان تھے کہ اب یہ سفر کیسے ہوگا؟ احسن الستار صاحب اس مشاعرے کے مہتمم تھے اُنھوں نے یہ ٹکٹ روہڑی سے بنوا کر مجھے بھجوائے تھے۔ ہم سب اللہ کا نام لے کر گاڑی میں سوار ہوگئے۔ ٹکٹ چیکر آیا تو میں نے کہا ہم سے ٹکٹ گم ہوچکے ہیں آپ کے پاس ریزرویشن چارٹ میں ہمارے نام ہوں گے اُن سے چیک کرلیجئے۔ اُس نے کہا اِس کے باوجود ٹکٹ ہونا ضروری ہیں۔ ٹکٹوں اور جرمانے کی رقم اتنی زیادہ بن رہی تھی کہ ہمارے لئے ادا کرنا مشکل تھا۔ ہم ٹال مٹول سے کام لیتے رہے آخر چیکر گیا اور پولیس کو لے کر آگیا۔ میں نے کہا پولیس کو کیوں لائے ہو؟ کہنے لگا بعض لوگ جھگڑا کرتے ہیں اِس لئے پولیس کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ میں نے کہا اِنہیں واپس بھیج دو ورنہ ہم تم سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ اُس نے کہا دیکھئے جی کچھ لوگ ٹکٹ واپس کر کے رقم وصول کرلیتے ہیں اور ہمیں کہتے ہیں کہ ٹکٹ گم ہوگئے ہیں۔ اِس کی اس بات پر مجھے خیال آیا کہ یہ ٹکٹ تو روہڑی ریلوے اسٹیشن سے خریدے گئے تھے ہم یہ واپس کیسے کرسکتے ہیں؟ میں نے اُسے کہا اگر یہ بات ہے تو روہڑی اسٹیشن آنے والا ہے، وہاں سے اِس بات کی تصدیق کرالینا۔ اِس بات پر وہ کچھ نرم پڑ گیا۔ مگر کچھ دیر بعد ایک فوجی کو لے کر آیا جس کا تعلق Vigilance

سے تھا۔ میں نے اُس فوجی سے پوچھا کہ اگر فوجی ہو اور ڈیوٹی پر ہو تو وردی کیوں نہیں پہنی؟ وہ یہ بات سن کر واپس چلا گیا۔ ٹکٹ چیکر نے جب دیکھا کہ کوئی بات نہیں بن رہی تو اُس نے پیغام بھجوایا کہ کل رقم ۲۵ ہزار بنتی ہے۔ آپ صرف ۴ ہزار روپے دے دیں۔ میں نے انکار کیا اور کہا کہ اب فیصلہ روہڑی اسٹیشن پر پہنچ کر ہی ہوگا، لہٰذا ایسا ہی ہوا اور وہ بغلیں جھانکتا رہا۔

ہفتہ دلاور فگار

شہنشاہِ ظرافت حضرت دلاور فگار کی چوتھی برسی ماہنامہ "ظرافت" کے زیراہتمام مارچ ۲۰۰۲ء میں منائی گئی۔ اس سلسلے کی تقریبات ایک ہفتہ تک جاری رہیں۔ جناب جمیل الدین عالی کی صدارت میں سیمینار منعقد ہوا۔ اُن کو آقائے اُردو کا خطاب بھی دیا گیا۔ مقررین میں عطاء الحق قاسمی، راغب مراد آبادی، سحر انصاری، ایس ایم معین قریشی، صدیق الفاروق، رسول احمد کلیمی، ایس ایچ ہاشمی اور نجمہ خان نے دلاور فگار کی شخصیت اور فن کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ دوسرے روز سے ۷/روز تک روزانہ کل پاکستان مزاحیہ مشاعرے منعقد کیے گئے۔ مسرور جاوید اور خالد عرفان نے امریکہ سے ٹیلیفون پر اپنا کلام سنایا اور دلاور فگار کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ اُردو ادب کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک شاعر کی یاد میں ہفتہ بھر کی تقریبات کا اہتمام کیا گیا۔

خواتین کا مشاعرہ

معروف شاعرہ محترمہ گلشن امان کی رہائش گاہ پر میں نے خواتین کا مشاعرہ منعقد کرایا۔ جس کی صدارت محترمہ فاطمہ ثریا بجیا نے کی۔ نظامت کے فرائض میں نے انجام دیئے۔ میرے علاوہ محفل میں کوئی مرد موجود نہ تھا۔ شاعرات میں نجمہ خان، سعدیہ حریم ، شمیم بشیر اللہ ، شہناز نور ، گلشن امان نے اپنا کلام سنایا (دیگر شاعرات کے نام یادنہیں آ رہے) اِس مشاعرے کے حوالے سے جناب دلاور فگار نے ایک نظم لکھی جو''نوائے وقت'' میں شائع ہوئی۔

سنتے ہیں خواتین کی اِک بزم سخن ہے
اس بزم میں جو شاعرہ شامل ہے وہ زن ہے
سامع بھی خواتین ، سخنور بھی خواتین
صرف ایک ہی ''حضرات'' ہیں خوش طبع و رنگین
ساری ہی خواتین ہیں اس بزم میں مطلوب
بس ایک ضیا قاسمی ''حضرات'' ہیں کیا خوب
منجملہ عورات ہوئے بھائی ضیا بھی
بہنوں کو پسند آگیا یہ مرد خدا بھی
لیڈیز کی محفل میں ہے مہمان جو یہ جینٹ
ڈر ہے کہ وہ کپڑوں پہ لگانے نہ لگے سینٹ

اب نام ضیا سے بھی یہ دل ڈرنے لگا ہے
یہ شخص ڈبل رول ادا کرنے لگا ہے
پڑھوائیں گے غزلیں جو ضیا بھائی ، بہن سے
اشعار سروں پر سے گزر جائیں گے ''زن سے''
مردوں نے چلایا جو یہ لیڈیز کا انجن
گاڑی یہ گزر جائے گی کرتی ہوئی زن زن
لو بزم خواتین میں بھی پہنچے ضیا بھائی
اب مجھ سے وہ کا ہے کو کہیں گے کہ ''بیا بھائی''
اب مجھ سے نہیں چلتا ظرافت کا یہ گھوڑا
اک مرد تھا اُس کو بھی مرے پاس نہ چھوڑا
ہے یونہی اُلار اپنی ظرافت کی یہ گاڑی
بیٹھی ہے سواری کوئی سیدھی کوئی آڑی
لیڈیز پوئٹ ! تم بھی مری ماں ہو بہن ہو
میں خوش ہوں کہ تم بزم میں سرگرم سخن ہو
محفل سے مرے ''آدمیوں'' کو نہ کرو پش
تم اپنی جگہ خوش رہو ہم اپنی جگہ خوش
اے ماؤ ، مری بہنو ، یہ ہے تم سے شکایت
کیوں دی گئی صرف ایک ضیا کو یہ رعایت

کیوں صرف ضیا ہی کو ملی ہے یہ پرولیج
جو عمر ہے ان کی وہی خادم کی بھی ہے ایج
اچھی ہے مری رائے ضیا بھائی کی بابت
اس طرح تو پیدا نہ کرو ہم میں رقابت
میں اُن سے زیادہ نہ سہی کم بھی نہیں تھا
کیوں پاس دیا اُس کو جو محرم بھی نہیں تھا
میں اِس کے لئے بس یہی کہہ سکتا ہوں یارب
محفل میں خواتین کی جائے نہ ضیا اب
اب بھی وہ جو لیڈیز میں پڑھنے کو غزل جائے
میری یہ دعا ہوگی کہ جنس اُس کی بدل جائے

امریکہ، کینیڈا اور برطانیہ میں میرے کرم فرما

امریکہ، کینیڈا اور برطانیہ کے مشاعروں میں میں شرکت کرتا رہا۔ کئی کئی ماہ تک وہیں میرا قیام رہا۔ میں سنا کرتا تھا کہ ان ملکوں میں مشاعروں کے بعد شعراء کی پذیرائی کرنے والا کوئی نہیں ملتا۔ وہاں کے لوگوں کی مصروفیات ہی اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ وہ اپنے لوگوں کے لئے بھی وقت نہیں نکال سکتے مگر میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے مشاعروں میں شرکت کے بعد ایسے احباب ملے جنہوں نے مہینوں میری خاطر مدارات کی۔ میں اُن کا احسان مند ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو دیارِ غیر میں اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ میرے اُن دوستوں کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

امریکہ میں : خالد عرفان، مسرور جاوید، نعیم چوہدری، اسلم خان (میرا منہ بولا بیٹا) اجمل چوہدری، راؤ امجد علی، مسز امجد علی (میری منہ بولی بیٹی) طاہر طور، عظیم میاں، طارق ارشاد بوسل، محمود میاں، جعفر رضوی، مجیب لودھی (نیوز پاکستان)

کینیڈا میں: اشفاق حسین، ارشد عثمانی، افضال نوید، نسیم پرویز (میرے داماد)

برطانیہ، ڈنمارک ناروے: صابر رضا، اطہر راز، بخش لائلپوری، بلبل کاشمیری، عبدالرحمٰن بزمی، ترغیب بلند نقوی، اے ڈی بٹ، جمشید مسرور۔

بائی پاس کے بعد دوبارہ عارضہ قلب اور علاج

بائی پاس آپریشن ہونے کے دو سال بعد بد پرہیزیوں کی وجہ سے میں دوبارہ عارضہ قلب میں مبتلا ہوگیا۔ سری پائے اور نہاری میں نہ چھوڑ پایا۔ لمبے لمبے سفر، راتوں کے مشاعرے اور سگریٹ نوشی بھی جاری رہی۔ پھر وہی صورتحال پیدا ہوگئی یعنی سینے میں درد، ہائی بلڈ پریشر اور بے ربط نبض۔ ایک روز لاہور جانا ہوا تو آئی جی پولیس جناب رانا مقبول نے میرے لئے پنجاب انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی کے کارڈ یالوجسٹ ڈاکٹر اظہر صاحب سے وقت مانگ لیا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے دیکھا ای سی جی کرایا اور بلڈ پریشر چیک کیا جو اس وقت ۱۰۰/۱۸۰ تھا۔ ای سی جی کا رزلٹ بھی نارمل نہ تھا۔ اُنہوں نے مجھ سے پوچھا کون سی دوائیاں کھا رہے ہیں؟ میں نے اُن کو بتایا کہ ایک عرصے سے Tinormin 50mg اور Munis 20mg کھا رہا ہوں مگر بلڈ پریشر کم نہیں ہوتا اور نہ ہی سینے کا درد جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا آپ کی موجودہ حالت سے صاف

ظاہر ہے کہ آپ کو Angiography کرانے کے بعد Angioplasty یا اوپن ہارٹ سرجری پھر کرانی پڑے گی۔ آپ کراچی پہنچ کر جلد از جلد اینجیو گرافی کرالیں اس وقت تک ایک اور دوائی اپنی دوائیوں میں شامل کرلیں اور وہ ہے Noruasc 5mg میں نے اُسی روز سے یہ دوا بھی لینا شروع کر دی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایک سال گزر گیا بلڈ پریشر ۸۰/ ۱۳۰ ہے۔ نبض ۶۲ اور سینے کا درد بالکل ختم ہو چکا ہے۔ رانا مقبول صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ ڈاکٹر اظہر صاحب پرائیویٹ پریکٹس نہیں کرتے شاید اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے اُن کے ہاتھ میں شفاء لکھ دی ہے۔

قلم قبیلہ کوئٹہ کا مشاعرہ

قلم قبیلہ کوئٹہ کی روح رواں محترمہ ثاقبہ رحیم الدین نے کوئٹہ میں ایک کُل پاکستان مشاعرہ طنز و مزاح کا اہتمام کیا۔ یہ کوئٹہ کی تاریخ کا پہلا مزاحیہ مشاعرہ تھا۔ میں نے اُس مشاعرے کی نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ کراچی سے چلتے وقت سخت گرمی مگر کوئٹہ میں سردی تھی۔ میں نے نظامت کے آغاز میں یہ فی البدیہہ قطعہ پڑھا :

کراچی کا موسم ارے میری توبہ
کسی کی اسے بد دعا لگ گئی ہے
یہاں آکے اوڑھا لحافِ ظرافت
مجھے کوئٹہ کی ہوا لگ گئی ہے

شہنشاہِ ظرافت کا خطاب اور اس پہ نظم

حیدر آباد (سندھ) میں ، مَیں نے سید ضمیرؔ جعفری کو بابائے ظرافت اور دلاور فگارؔ کو شہنشاہِ ظرافت کا خطاب دینے کی ایک شاندار محفل کا اہتمام کیا۔ جس کی صدارت جناب رئیسؔ امروہوی نے فرمائی۔ میں نے اُس موقع پر ایک نظم لکھی جس کے دو اشعار یہاں دیئے جا رہے ہیں۔ یہ اشعار پڑھ کر دلاور فگارؔ صاحب نے بھی ایک نظم لکھی جو پیش خدمت ہے :

ہوئی ہے سینچری پوری شہنشاہِ ظرافت کی
دلاور نام ہے جس کا نشانی ہے شرافت کی
ظرافت کی عبادت گاہ میں اُس نے اذاں دی ہے
امامت بھی اُسی نے کی نماز باجماعت کی

دلاور فگارؔ صاحب کی نظم ملاحظہ ہو :

تعالیٰ اللہ ! کوئی حد ہے اس لطف و عنایت کی
مجھی کو سلطنت دے دی شہنشاہِ ظرافت کی
یہ کس نے کہہ دیا بندہ قد آور شاعروں میں ہے
ضیا صاحب نہ چھیڑو بات میرے قد و قامت کی
ظرافت کی عبادت گاہ میں ہیں اور بھی شاعر
خدا توفیق دے سب کو نماز باجماعت کی
فقیر بے نوا کو تم نے شاہنشاہ ٹھہرایا

کہیں نبضیں نہ رک جائیں شہنشاہِ ظرافت کی
مکان جسم ہے کمزور اور یہ بوجھ ہے بھاری
کڑی کے بوجھ سے چھت بیٹھ جائے گی عمارت کی
قبا پوشی کی یہ تقریب تو پر لطف تھی لیکن
سر کمزور پہ دستار کیوں رکھ دی فضیلت کی؟
قبا پہنے جو فوٹو میرا اخباروں نے چھاپا ہے
یہ فوٹو جس نے دیکھا بن گیا تصویر حیرت کی
ضیا صاحب تمہاری بزم کا احسان ہے مجھ پر
تمہاری بزم نے اِس بندۂ عاجز کی عزت کی
زمیں اچھی ہے اک تازہ غزل سنئے ضیا بھائی
ظریفوں سے کبھی جاتی نہیں باتیں ظرافت کی
نئی بیماریاں دریافت ہوتی ہیں دواؤں سے
تعجب کیا اگر ایجاد اب ماں ہے ضرورت کی
سیاست سے مفر کس کو ہے؟ غصہ اِس پہ آتا ہے
کہ یاروں نے دکانیں کھول رکھی ہیں سیاست کی
میں اُردو بولتا ہوں ، فارسی اُس کا تلفظ ہے
میں کہتا ہوں یہ ”ملکی“ ہے وہ کہتا ہے یہ ہے ”ملّکی“

ناروے سے سویڈن بذریعہ کار

میرے برادر خورد عطاء الحق قاسمی ناروے میں سفیر تھے۔ اُنہوں نے اوسلو میں ایک عظیم الشان مشاعرے کا اہتمام کیا۔ ہم لوگ سویڈن جانا چاہتے تھے۔ ویزا کے لئے درخواست دی۔ عطا صاحب نے سویڈن کے سفیر کو فون پر بتایا کہ یہ میرے بھائی ہیں اور میرے ساتھ میری گاڑی میں سویڈن آنا چاہتے ہیں۔ مگر اُس کا کوئی مثبت جواب نہ ملا تو پاسپورٹ واپس منگوالیا گیا۔ دوسرے روز اتوار کو ہم چند شعراء بذریعہ کار سویڈن میں داخل ہوگئے اور بارڈر کے نزدیک ایک شہر میں گھومتے پھرتے رہے۔ نہ تو بارڈر پر ہمیں کسی نے روکا اور نہ ہی شہر میں کسی نے چیک کیا۔ ہم شام تک بخیر وخوبی واپس ناروے آگئے۔

میرے لئے خانہ کعبہ اور روضہ رسول ﷺ پر دعائیں

۱۹۹۶ء میں میرا بائی پاس آپریشن او ایم آئی ہسپتال کراچی میں سرجن رحمان صاحب نے کیا۔ میرے ایک جاننے والے نے سعودی عرب میں رہائش پذیر اپنے ایک رشتہ دار کو فون پر بتایا کہ ڈھائی بجے (پاکستانی وقت) قاسمی صاحب کا آپریشن ہوگا۔ آپ خانہ کعبہ اور روضہ رسولؐ دونوں مقامات پر عین اسی وقت نام لے کر اُن کی صحت کے لئے دعاؤں کا اہتمام کریں، لہٰذا ایسا ہی کیا گیا۔ میں نے جب یہ خبر سنی تو میری آنکھیں خوشی سے نمناک ہوگئیں۔ دنیا میں ابھی محبت کرنے والے لوگ موجود ہیں۔

مجسٹریٹ نے کہا میں آپ کو یہیں سزا دے سکتا ہوں

میرے بہنوئی امین پیرزادہ حیدر آباد میں فرنیچر کا کاروبار کرتے تھے اُن کی دکان کا مقدمہ چل رہا تھا اور کوئی فیصلہ نہ ہو پا رہا تھا۔ عدالت کے مجسٹریٹ کے بھائی سے میں نے بات کی کہ اِس مقدمے کا فیصلہ جلدی کرا دیں۔ اُس نے کہا آپ اتوار کے روز ہمارے گھر آ جائیں ، میں بھائی جان سے بات کرا دوں گا۔ اتوار کے روز میں اور میرے بہنوئی اُن کے مکان پر پہنچے تو مجسٹریٹ صاحب خود باہر آئے اور آنے کا مقصد پوچھا ہم نے مدعا بیان کیا تو فرمانے لگے۔ سفارش ایک جرم ہے میں آپ کو یہیں سزا سنا سکتا ہوں مگر آپ شریف اور پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ آپ تشریف لے جایئے اور آئندہ سفارش نہ ڈھونڈیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ مجسٹریٹ کے بھائی نے اُن سے ہمارا کوئی ذکر نہ کیا تھا اور خود گھر سے بھی کھسک لیا۔ اس کے بعد وہ ہمیں نہ مل سکا۔

نورا کشتی

پاکستان ٹیلیویژن کے جنرل منیجر جناب عبدالکریم بلوچ نے بتایا کہ اُنہوں نے جاپانی پہلوان انوکی کو پی ٹی وی سینٹر کراچی میں آنے کی دعوت دی۔ انٹرویو کے دوران ایک سوال کے جواب میں انوکی نے بتایا کہ فری اسٹائل کشتیاں نری ڈرامہ ہوتی ہیں۔ بظاہر یہ ایک دوسرے کی خوب خوب پٹائی کرتے ہیں ایسا لگتا ہے مگر ایسا ہوتا نہیں۔ انوکی نے ایک بچے کو اپنے سامنے کھڑا کر کے اُسے چند ایک داؤ سکھائے جو صرف اشاروں کی حد تک تھے مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بچہ انوکی کو اُٹھا اُٹھا کر پٹخ رہا ہے۔

سمندر پر دلاور فگار کی نظم

میں نے ساحل سمندر پر چودھویں کی شب ماہتابی مشاعرہ منعقد کرایا۔ جس کی صدارت بھارت کے ممتاز شاعر جناب شمیم جے پوری نے کی۔ دلاور فگار صاحب نے ماہتابی مشاعرے کے حوالے سے یہ نظم لکھی :

وہ لڑکی جس سے بہر عقد میں نے بات کی اپنی
اُسی لڑکی سے شادی کر رہا ہے مولوی اپنی
ضیاء الحق تمہی نے کر دیا غرقاب خادم کو
نہ تم ساحل پہ ہوتے اور نہ کشتی ڈوبتی اپنی
ضیاء الحق نے یہ محفل یہاں کچھ سوچ کر کی ہے
سمندر کو دکھانا چاہیئے دریا دلی اپنی
سمندر کی ہوا سے لگ گئی سردی تو کیا ہوگا
جناب شیخ چھوڑ آئے ہیں گھر پہ ہرزئی اپنی
سمندر پر یہ تقریبات جاری ہیں تو اک دن میں
سمندر کے کنارے ڈال لوں گا جھونپڑی اپنی
تمہارا عقد کیا کرواؤں میں جب خود ہی کنوارا ہوں
تمہیں اپنی پڑی ہے اور مجھے اے شیخ جی اپنی
سمندر پر مجھے سن کر ہوائیں بھی یہ کہہ نکلیں
کہ اِس شاعر کو اب پیاری نہیں ہے زندگی اپنی

مجھے دریا میں دھکا دے کے اک سامع نے فرمایا
ہمیں ہر شے میں اب محسوس ہوتی ہے کمی اپنی
سمندر کے کنارے اب غزل مجھ سے نہ پڑھوانا
کہ اِس بے کار شاعر کو ضرورت ہے ابھی اپنی
ضیاء الحق فلک پر بھی غزل پڑھوائیں گے ہم سے
کسی دن چندا ماما بھی سنیں گے شاعری اپنی
خلاء میں بھی کوئی بزم ظرافت منعقد کیجیے
ضیاء صاحب فضاؤں میں بھی پہنچے روشنی اپنی
پھر اِس کے بعد اک بزم سخن مریخ پر ہوگی
وہاں بھی بے ٹکٹ جائے گی پوری پارٹی اپنی
خدا مرحوم کو بخشے کہ خود ''پاپوش'' سے چل کر
سمندر پر غزل پڑھنے گئے تھے آخری اپنی

حضرت رئیس امروہوی کی معذرت

ایک کُل پاکستان مشاعرے میں حضرت رئیس امروہوی بوجہ علالت شرکت نہ کرسکتے تھے۔ اُنہوں نے مجھے ایک تحریری معذرت دی جو میں نے مشاعرے میں پڑھ کر سنائی۔

ہمارے دوست اور رفیق کار جناب ضیاء الحق قاسمی معجز نما ولی ہیں۔ اِس شخص میں بلا کی ہمت اور غضب کا حوصلہ ہے۔ ماہنامہ ''ظرافت'' کی ذمہ داریاں:

اخبار میں کالم نویسی، مجالس ادبی میں شرکت اور اب نمائندہ ترین یک جہتی و اتحاد قوم کے لئے عظیم الشان مشاعرے کا انعقاد جو اِس وقت پاکستان کی اہم ترین ضرورت ہے مجھے اگر مسلسل علالت پابہ زنجیر نہ کر دیتی تو بسر و چشم حاضر ہو کر آپ حضرات کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتا، لیکن ضیاء الحق قاسمی اور رئیس دو جدا گانہ ہستیاں نہیں ہیں۔ ہمارا وجود روحانی ایک ہے۔ یہی میری طرف سے آپ کا استقبال کریں گے اور یہی شکریہ ادا کریں گے۔ آپ حضرات دعا کیجیے کہ اِس مشاعرے کے مفید اثرات رونما ہوں اور ہم برابر اِس قسم کے قومی اجتماعات منعقد کرتے رہیں۔

رئیس امروہوی

۱۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء

دلاور فگار اور مشاعرے کا نذرانہ

شہنشاہِ ظرافت حضرت دلاور فگار جس مشاعرے میں شرکت کرتے اُس کا معاوضہ ضرور وصول کرتے۔ دلاور فگار بدایوں میں جس کالج میں پڑھاتے تھے اُس کے پرنسپل ایک بار پاکستان آئے تو دلاور صاحب نے مجھ سے کہا کہ اُن کے اعزاز میں کوئی مشاعرہ وغیرہ رکھو۔ میں نے اپنے مکان پر ایک محفل سجائی۔ سب مہمان اور شعراء آ گئے مگر دلاور صاحب نہ آئے۔ میں نے فون کیا تو کہنے لگے ضیا بھائی مشاعرے کا معاوضہ کی بات تو آپ نے مجھ سے طے نہیں کی تھی تو میں کیسے آتا؟ میں نے کہا جناب آپ ہی نے مشاعرہ کے لئے مجھے کہا تھا ورنہ میں تو اُن صاحب کو جانتا بھی نہیں۔ دلاور صاحب کو نہ آنا تھا نہ آئے۔

دہلی میں رکشے کی سواری

مشاعروں کے سلسلے جب بھی بھارت جانا ہوا تو دہلی میں قیام ہوتا رہا۔ وہاں کا سائیکل رکشتہ دیکھ کر اُس میں بیٹھنے کو دل چاہا مگر ڈرتا رہا کہ کہیں میرے بوجھ سے رکشتہ غیر متوازن ہو کر الٹ نہ جائے۔ میرا وزن ماشاء اللہ ۲۶۰ پاؤنڈ ہے (اس میں گناہوں کا وزن شامل نہیں) ایک روز رکشہ میں سوار ہو ہی گیا۔ خیال تھا کہ رکشہ والا مجھے بٹھانے سے انکار کر دے گا جیسے لاہور اور کراچی میں رکشے والے مجید لاہوری صاحب کو نہیں بٹھاتے تھے مگر رکشہ والا مجھے بٹھانے پہ راضی ہو گیا۔ پھر وہی ہوا جو ہونا تھا یعنی ہم نیچے اور رکشہ اور رکشہ والا میرے اوپر۔ چاندنی چوک میں یہ منظر دیکھنے والا تھا۔ میں کپڑے جھاڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا بلکہ رکشہ اور رکشے والے کو بھی اُٹھایا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ رکشہ والے کے ہاتھ میں پیسے رکھے اور اُس سے اجازت چاہی۔ وہ کہتا رہا بابو جی! بیٹھیں ناں!

اس روز کے بعد پھر میں رکشے میں کبھی نہ بیٹھا۔ چاندنی چوک سے پیدل چلا اور چلتے چلتے کوچہ بلی ماراں پہنچا۔ انیسؔ دہلوی سے ملنے چلا گیا وہ گھر پر نہ ملے تو اُن کے گھر کے سامنے ایک مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر اپنے زخم سہلانے لگا۔ یہ وہی مسجد ہے جس میں حضرت غالبؔ بھولے سے نماز پڑھنے چلے گئے تھے۔

اسکاٹ لینڈ موٹر وے پر پولیس نے روکا

میں ، صابر رضا ، ڈاکٹر انعام الحق جاوید اور اُن کے ایک دوست مانچسٹر سے اسکاٹ لینڈ کے شہر گلاسکو بذریعہ کار موٹر وے پر جا رہے تھے۔ ہمیں ڈاکٹر شفیع کوثر کے مشاعرے میں ۹ بجے شب شرکت کرنا تھی جبکہ راستے ہی میں ۹ بج چکے تھے۔ ہم نے کار کی اسپیڈ ایک مقررہ حد سے بہت زیادہ بڑھا دی۔ موٹر وے پولیس نے ہمیں روک لیا۔ ہمارے میزبان نے تیز رفتاری کا سبب بیان کیا تو پولیس افسر نے یہ عذر قبول نہ کیا۔ جب اُنہیں یہ بتایا گیا کہ پاکستانی شعراء ہمارے ساتھ ہیں تو اُن کا رویہ کچھ نرم ہوا۔ گاڑی کے قریب آ کر پولیس افسر نے ہمیں سلام کیا ، ہماری خیریت معلوم کی اور ہمارے میزبان سے کہا ابھی تو آپ اپنے مہمانوں کو لے جائیں مگر کل مانچسٹر کے فلاں تھانے میں صبح ۱۰ بجے حاضر ہوں۔ ہم نے پولیس افسر کا شکریہ ادا کیا اور پھر تیز رفتاری کے ساتھ کار چلاتے ہوئے گلاسکو پہنچ کر مشاعرے میں شریک ہو گئے۔

احسان فراموش لوگ

معراج حسن عامر ایک بہت اچھا شاعر تھا۔ سڑک کے ایک حادثے میں اُس کے سر پر شدید چوٹیں آئیں ، اُس کو شہر کے ایک بڑے ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ وہ مسلسل بے ہوش تھا۔ ہسپتال کا بل ۳ لاکھ روپے کا بن چکا تھا اُس کے اہل خانہ اِس پوزیشن میں نہیں تھے کہ اتنی بڑی رقم ادا کر سکتے۔ اس رقم کے لئے اُنہوں نے بڑی بھاگ دوڑ کی مگر بے سود۔ آخر وہ لوگ میرے پاس آئے وہ آئے

بھی نہیں بلکہ مجھے فون پر بتایا کہ اُنہیں ۳ لاکھ روپے ہسپتال کا بل ادا کرنا ہے۔ میں نے ایک مخیّر ادارے کو فون کر کے درخواست کی کہ اِس نوجوان شاعر کی مدد کی جائے۔ اُس ادارے نے ہسپتال کی انتظامیہ کو فون کر کے یہ بل منگوایا اور ۳ لاکھ روپے کا چیک بنا کر اُسے دے دیا۔ یہ مخیّر ادارہ کسی تشہیر کا قائل نہیں ہے۔ چند روز بعد معراج حسن عامر کا انتقال ہوگیا۔ میں اُس کے جنازے میں شریک ہوا اور اُس کے سوئم میں بھی شرکت کی مگر اُس کے بھائیوں اور رشتہ داروں نے نہ تو میرا شکریہ ادا کیا اور نہ ہی مجھ سے کوئی بات کی یہاں تک کہ اُن کا انداز ایسا تھا جیسے مجھے پہچانتے ہی نہیں۔ اُنہوں نے مجھے چالیسویں کی خبر بھی نہ دی۔ مرحوم کی کتاب شائع ہوئی نہ تو مجھے کتاب بھیجی اور نہ ہی تقریب رونمائی میں مجھے دعوت دی۔ ایک سال بعد ایک تقریب بیادِ معراج حسن عامر منعقد ہوئی اِس میں بھی اُنہوں نے مجھے نہ بلایا۔ میں نے مرحوم کے گھر فون کیا تو اُس کی بیوہ سے میں نے گلہ کیا تو اُس نے کہا میں کیا کرسکتی ہوں میں تو خاتون خانہ ہوں۔ میں نے یہ نیکی کسی شہرت کے لئے نہیں کی تھی بلکہ محض رضائے الٰہی کے لئے کی تھی۔ مگر مجھے افسوس اُن کی احسان فراموشی اور بے حسی پر ہوا۔ اُن کو معراج حسن عامر سے لگاؤ نہ تھا بلکہ صرف ۳ لاکھ روپے سے تھا۔ کتاب کی تقریب رونمائی بھی کتابیں فروخت کرنے کے لئے اور معراج کی یاد میں تقریب صرف شہرت کے لئے کی گئی۔ ایسے لوگ دنیا میں صرف اپنی ذات کے لئے جیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عامر کی روح کو پرسکون رکھے۔ آمین

ابا جی نے الاٹ شدہ دکان واپس کر دی

تقسیم ہند کے فوراً بعد ہم وزیر آباد آگئے کچھ عرصے کے لئے راولپنڈی میں بھی سکونت اختیار کی۔ راولپنڈی کی انتظامیہ کو جب اطلاع ملی کہ مولانا بہاء الحق قاسمی اِس شہر میں آگئے ہیں اور اپنا سب کچھ امرتسر میں چھوڑ آئے ہیں تو انتظامیہ نے ہندو کی ایک دکان ابا جی کے نام الاٹ کر دی تا کہ مستقبل میں گزر بسر ہو سکے۔ یہ دکان گرم مصالحوں ، ڈرائی فروٹس اور زعفران سے بھری ہوئی تھی۔ مگر ابا جی نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ مجھے دکانداری کا کوئی تجربہ نہیں۔ انتظامیہ اصرار کرتی رہی کہ آپ یہ دکان لے لیں ،خود ہی تجربہ حاصل ہو جائے گا اور ویسے بھی یہ آپ کا حق بنتا ہے مگر ابا جی کسی طور پر اس بات پر آمادہ نہ ہوئے۔

انیستھیزیا امی کی موت کا سبب بنا

ہماری والدہ محترمہ ایک آپریشن کے سلسلے میں لاہور کے ایک ہسپتال میں داخل ہوئیں۔ آپریشن سے پہلے اُن کو انیستھیزیا دیا گیا جس سے اُن کا سارا بدن اور چہرہ سوج گیا۔ اُن کو جب آپریشن تھیٹر سے چھ گھنٹے بعد بغیر آپریشن کئے باہر لایا گیا تو ہم اُن کو پہچان نہ سکے۔ چہرہ اتنا سوج چکا تھا کہ پہچاننا مشکل تھا۔ انیستھیزیا اوور ڈوز تھا اور یہ اُس کا ری ایکشن تھا۔ چند روز بعد امی کا انتقال ہوگیا تو ابا جی کے ایک دوست ہاشمی صاحب نے جو ایک بڑے جید عالم تھے ایک قطعہ کہا جس کے مجھے تین مصرعے یاد رہ گئے :

حضرت قاسمی کی زوجہ پاکیزہ نہاد
روح نے اُس کی جو کی جانب جنت پرواز
غفر اللّٰہ لها غیب سے آئی آواز

اباجی کو میری امی کی موت کا اتنا صدمہ تھا کہ انہوں نے غفر اللّٰہ لها کو وردِ زباں کئے رکھا۔

ہفتۂ مزاح

جریدہ ''ظرافت'' کے مدیر اور ظرافت نگاروں کے فعال ہمدرد خود بڑے خوبصورت ظرافت نگار جناب ضیاء الحق قاسمی اپنے ادارے اور احباب کے ساتھ دسمبر کے وسط میں ایک بین الاقوامی ہفتۂ ظرافت کراچی میں منا رہے ہیں۔ تفصیلات جلد شائع ہوں گی۔ انہی نے دلاور فگار مرحوم کی یاد میں پورے ہفتے شہر کراچی میں جا بجا مختلف اور کامیاب اجلاس منعقد کیے تھے جبکہ مرحوم کے مرید اور مداح محض عریضہ نگار ہی نظر آتے رہے میرا اندازہ ہے کہ یہ ہفتہ بھی نہایت شاندار اور کامیاب ہوگا۔ ایک ہم جیسے دکھی اور پریشان معاشرے کا ایک بڑا علاج اور سہارا ظرافت بھی ہے۔

(جمیل الدین عالی)
روزنامہ ''جنگ'' کراچی

موٹر وے پر جرمانہ

میں اور میرے برادر خورد عطاء الحق قاسمی بذریعہ کار لاہور سے اسلام آباد عازم سفر ہوئے۔ مجھے نو بجے شب ٹی وی کے مشاعرے کی ریکارڈنگ میں شامل ہونا تھا۔ اُس کے بعد بریگیڈیئر صولت رضا کی صاحبزادی کی شادی کی تقریب میں شرکت کرنا تھی۔ ہم روانگی کے وقت ہی کافی لیٹ ہو چکے تھے۔ ڈرائیور سے گاڑی ذرا تیز چلانے کو کہا۔ موٹر وے کی ٹریفک پولیس کے کیمروں نے ہمیں ریکارڈ کرلیا۔ کچھ فاصلے پر جا کر پولیس نے ہمیں روکا۔ عطا کار سے نیچے اُترے تو پولیس افسر نے اُنہیں پہچان لیا اور اُنہیں سلیوٹ کیا خیریت پوچھی۔ ہمارا خیال تھا اب چالان نہیں ہوگا مگر اُس نے ۷۰۰ روپے جرمانہ کیا جو عطاء نے فوراً ادا کر دیا۔ پولیس افسر نے پھر سلیوٹ کیا اور خدا حافظ کہا۔ پولیس افسر اگر چھوڑنا بھی چاہتا تو وہ ایسا نہیں کرسکتا تھا کیونکہ کیمرہ ہماری اسپیڈ ریکارڈ کر چکا تھا۔

معین اختر اور اطہر شاہ خان جیدی کا انٹرویو

ماہنامہ ''ظرافت'' کے لئے میں نے ممتاز ٹی وی فنکار معین اختر اور ممتاز شاعر اور فنکار اطہر شاہ خان جیدی کے انٹرویو ریکارڈ کئے اور دونوں کی تصویریں رسالے کے ٹائٹل پر شائع کیں۔ معین اختر کو بندر پالنے کا شوق ہے۔ میں نے اپنے کیمرے سے اُن کے بندر کے ساتھ تصویر بنائی اور اطہر شاہ خان کے بیٹے کو ساتھ بٹھا کر تصویر بنائی گئی۔ رسالہ شائع ہوا تو معین اختر نے کہا آپ نے میرے ساتھ بندر بٹھا دیا اور اطہر شاہ کے ساتھ اُن کا بیٹا۔ اطہر شاہ کا اعتراض یہ تھا کہ

آپ نے تصویروں کے کیپشن میں لکھا۔ معین اختر اپنے بندر کے ساتھ اور اطہر شاہ اپنے بیٹے کے ساتھ۔ آپ نے میرے بیٹے کو بندر سے ملا دیا۔ میں نے کہا آپ دونوں کا اعتراض درست مگر یہی اعتراض بندر کو بھی ہے۔ اس پر میں نے اُن کو یہ واقع سنایا۔

مولانا احتشام الحق تھانوی ریڈیو پاکستان پر درس قرآن دیتے تھے۔ جو گاڑی اُن کے لئے مقرر تھی اسی گاڑی میں بندو خان قوال بھی آتے جاتے تھے۔ مولانا نے اسلام آباد ہیڈ کوارٹر کو شکایت لکھ بھیجی کہ ایک عالم دین کے ساتھ ایک قوال کا ساتھ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ ہیڈ کوارٹر نے کراچی ریڈیو کے اسٹیشن ڈائریکٹر زیڈ اے بخاری سے کمنٹس مانگے تو اُنہوں لکھا کہ یہی اعتراض بندو خان قوال کو بھی ہے۔

شمس وارثی کی بتیسی

ڈاکٹر بقائی کے فہمی سینٹر کے مشاعرے میں شمس وارثی غزل سنا رہے تھے تو اُن کی بتیسی نکل کر اُن کی جھولی میں گر گئی۔ اُنہوں نے جلدی سے اُٹھا کر منہ میں ڈالنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی جگہ فٹ نہ ہوسکی۔ کیمرہ مین بڑا ستم ظریف تھا اُس نے وارثی صاحب کی اِس مسلسل کوشش کو فوکس کئے رکھا۔ آخر کچھ دیر کے بعد وہ بتیسی اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ اِس سے پہلے میں نے بآواز بلند کہا حضرات ! اب آپ شمس وارثی صاحب سے خالص زبان کے شعر سنیں۔

بیگم سرفراز اقبال کے مکان پر نماز باجماعت

اسلام آباد کے ایک طنز و مزاحیہ مشاعرے کے بعد بیگم سرفراز اقبال صاحبہ نے اپنے مکان پر شعراء کے اعزاز میں عشائیے کا اہتمام کیا۔ نماز کا وقت ہوا تو عنایت علی خان نے امامت کے فرائض انجام دیئے۔ مقتدیوں میں صرف سید ضمیر جعفری اور دلاور فگار تھے۔ ایک صاحب نے کہا امام بھی مزاح گو شاعر اور دونوں مقتدی بھی مزاح گو، لہٰذا نماز مکروہ ہوگئی۔

امریکہ کے چور

نیویارک میں میرے میزبان محمود میاں بڑی محبتوں کے انسان ہیں۔ لاہور کی مہمان نوازی اُن کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ایک روز میں نے اُن کو بتایا کہ پاکستان واپس جانے سے پہلے مجھے بازار سے چند چیزیں خریدنی ہیں۔ میں نے اُن کے ہاتھ میں اِن چیزوں کی فہرست دے دی۔ ہم بازار گئے تو ایک دکان سے میاں صاحب نے پوچھا چور کے آنے کا وقت کون سا ہے؟ دکاندار نے بتایا شام ٦ بجے۔ ہم دوبارہ اِس دکان پر گئے تو ایک پیشہ ور چور عورت ہمارے انتظار میں بیٹھی تھی۔ ہم نے اُسے وہ فہرست دے دی تو اُس نے کہا کل اسی وقت آپ مجھ سے یہ سارا سامان لے لیں۔ دوسرے روز وہ بڑے اسٹوروں سے سامان چوری کر کے لے آئی۔ کُل سامان کے اگر ٥٠٠ ڈالر بنتے تھے تو اُس نے وہی سامان ١٠٠ ڈالر میں دے دیا۔ واہ رے امریکہ واہ ..... !!!

عارضہ قلب ..... دلاور فگاؔر کی نظم

لاہور میں مجھے پہلا ہارٹ اٹیک ہوا تو حضرت دلاور فگاؔر نے ایک نظم لکھی جس کا عنوان تھا ''ضیاء الحق قاسمی کے بدلے یہ خادم'' یعنی یہ حملہ ضیاء پر نہیں بلکہ دلاور پر ہونا چاہیئے تھا۔ اِس لئے کہ ضیاء کی ابھی ظرافت کوضرورت ہے۔ یہ طویل نظم روزنامہ ''نوائے وقت'' میں شائع ہوئی جو اِس وقت تلاش کے باوجود مجھے نہیں مل رہی۔ دلاور صاحب کے اس منظوم محبت نامے کا جواب میں نے بھی ایک نظم کی شکل میں دیا۔ وہ نظم یہ تھی :

در جواب آں غزل

اے شہنشاہِ ظرافت آپ نے کیا کر دیا
میرے بدلے موت کا یہ این او سی کیوں بھر دیا
آپ عزرائیل کو بلوا رہے ہیں اپنے گھر
اِس کا کیا ہے وہ چلا آئے گا سنتے ہی خبر
ہے ظرافت کے لکھاری سے ازل سے اُس کو بیر
پھر نہ نکلے گا یہاں سے رکھ دیا گر اُس نے پیر
آپ کی آفر سے اُس کو اور شہہ مل جائے گی
اور بنیاد ظرافت جڑ سے ہی ہل جائے گی
آپ جیسوں کا اگر اُس کو یوں چسکا پڑ گیا
یہ سمجھئے ہم ظریفوں کا مقدر سڑ گیا

آپ ہتھے چڑھ گئے تو حوصلہ بڑھ جائے گا
چھوٹوں موٹوں پر بلا وارنٹ وہ چڑھ جائے گا
اِس طرح دعوت نہ دیجیے آپ عزرائیل کو
ورنہ پھونکوں سے بجھا دے گا وہ ہر قندیل کو
ہے مزاح و طنز کی دنیا سلامت آپ سے
زندگی میں گر حرارت ہے تو اُس کی بھاپ سے
آپ کو جان اپنی دینے کا نہیں ہے اختیار
ہم تو سمجھے تھے دلاور آپ نکلے ہیں فگار
آپ ہیں اب نیشنلائزڈ ہم سے رائے لیجئے
پھر جو چاہیں آپ کو کرنا ہے بیشک کیجیے
اے شہنشہ اِس رعایا کا بھی کچھ کیجیے خیال
حال ہی میں جاچکے ہیں فکر اور احمد جمال
اب ضمیر جعفری اور آپ ہی ہیں سامنے
ہم اگر گرنے لگیں کون آئے گا پھر تھامنے
آپ ایوان ظرافت کے ہیں بنیادی ستون
ذہن انسانی کو بخشا آپ نے کیسا سکون
مرنے ورنے کا نکالیں اپنے دل سے اب خیال
میرے جیتے جی نہ ہوگا آپ کا یوں انتقال

آئے عزرائیل تو کہہ دیں کہ "میں" گھر پر نہیں
ایسی بھی تلوار لٹکی آپ کے سر پر نہیں
اُس کو بچے سے کہلوا دیں کہ پھر آئے وہ کل
اور پچھلے اپنے دروازے سے جائیں خود نکل
دوسرے دن بھی وہ آجائے تو ایسا کیجیے
اُس کو میرے گھر کا پورا ایڈریس دے دیجیے
میرے گھر آنے کی کوشش وہ کرے گا ہی نہیں
جانتا ہے ڈھیٹ ہے یہ تو مرے گا ہی نہیں
تابکے آتا رہے گا وہ فرشتہ ہی تو ہے
تنگ آکر پھاڑ دے گا اک نوشتہ ہی تو ہے
ہم ظرافت کے لئے کچھ کام تو کر جائیں گے
آپ کو کچھ ہوگیا تو ہم سبھی مرجائیں گے
یہ ظرافت کا اثر تھا جو مرے اب تک نہیں
ورنہ سب ہی ڈھونڈتے ملتے نہ اُن کو ہم کہیں
ہے دعا میری دلاور آپ ابھی زندہ رہیں
آپ کے جھنڈے تلے ہم سب ہی پائندہ رہیں

دہلی میں تین مزاح نگاروں سے ملاقات

ایوانِ غالب دہلی میں چند روز قیام کے دوران ممتاز مزاح نگار مجتبیٰ حسین ، دلیپ سنگھ ، اور احمد جمال پاشا مجھے ملنے آئے اور کئی گھنٹوں تک میرے ساتھ رہے۔ پاک و ہند میں مزاحیہ نظم و نثر کے حوالے سے گفتگو ہوتی رہی۔ اِن تینوں دوستوں کی زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی نے میرے دل پر گہرا اثر چھوڑا۔ میں پاکستان چلا آیا تو چند ماہ کے بعد خبر آئی کہ احمد جمال پاشا اس دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں۔ چند سال بعد دلیپ سنگھ بھی چلے گئے۔ اِن دونوں مزاح نگاروں کی موت کا مجھے دلی صدمہ ہوا۔ مجتبیٰ حسین مزاح نگاری کا ایک بڑا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت باکرامت رکھے۔ آمین

دہلی میں فکر تونسوی سے ملاقات

دہلی میں چند روزہ قیام کے دوران جی چاہا کہ ممتاز مزاح نگار فکر تونسوی سے ملاقات کی جائے۔ میں نے ان کو فون کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ سخت علیل ہیں اور ابھی ڈاکٹر کے پاس جارہے ہیں، کیونکہ بڑی مشکل سے چیک اَپ کا وقت ملا ہے۔ میں نے کہا آپ جایئے ملاقات پھر کبھی ہوجائے گی۔ کہنے لگے یہ کیسے ہوسکتا ہے، میں تو تمہارا صدیوں سے انتظار کررہا تھا، ابھی آؤ میں تمہارا منتظر رہوں گا۔ میں ان کے مکان پر پہنچا تو ان کی بیگم صاحبہ دروازے پر آئیں اور مجھے دیکھ کر بآواز بلند پنجابی میں کہا، سنو جی! قاسمی ہوری آئے نیں۔ وہ مجھے ان کے کمرے میں لے گئیں۔ علالت اور نقاہت کے باوجود وہ اٹھ کر مجھ سے بڑے تپاک سے ملے۔ عطاء الحق کی خیریت پوچھی، کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد میں نے کہا ابھی وقت

ہے آپ ڈاکٹر کے پاس چلے جائیں۔ کہنے لگے ابھی جی نہیں بھرا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا، انہوں نے مجھے اپنی کتابیں دیں اور میں سلام کر کے واپس چلا آیا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔

شاہی قلعہ لاہور میں اباجی کی قید تنہائی

۱۹۵۳ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں اباجی مسجد وزیر خاں لاہور میں مقیم تھے۔ فوجی جوان کئی روز سے اس مسجد کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ وہ اباجی کی تقریریں سنتے تھے آخر ایک روز مارشل لا اتھارٹیز نے مسجد پر ہلّہ بول دیا اور اباجی گرفتار ہو کر شاہی قلعہ لاہور کی تاریکیوں اور تنہائی میں پہنچا دیے گئے۔ ان کو بیٹھنے کے لئے ایک کرسی دے دی گئی اور ساری رات ان سے پوچھ گچھ ہوتی رہی۔ ایک فوجی افسر نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بارے میں نازیبا الفاظ کہے تو اباجی نے احتجاج کیا۔ اس افسر نے کہا آپ ان کی حمایت کیوں کر رہے ہیں اباجی نے کہا میں نے ان کے ساتھ زندگی گزاری ہے وہ ایک صاحب کردار انسان ہیں اور آپ بلاوجہ ان پر بے جا الزامات لگا رہے ہیں۔ اس افسر نے کہا یہ باتیں ہماری انکوائری کا حصہ ہیں۔ آپ کو بتانی پڑیں گی، اباجی نے کہا میں ان کے بارے میں کوئی غلط بات سننا گوارا نہیں کرتا۔ افسر نے کہا اگر آپ ہم سے تعاون نہیں کریں گے تو ملٹری کورٹ سے آپ کو پھانسی کی سزا بھی ہوسکتی ہے۔ اباجی نے کہا زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کسی فوجی عدالت کے نہیں۔ میری جو رات قبر میں آنے والی ہے، اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا اور نہ ہی کوئی مجھے زندگی بخش سکتا ہے۔ اس کے بعد وہ فوجی چلا گیا اور سپاہیوں سے کہہ گیا کہ مولانا کو صبح تک بالکل نہ سونے دیں۔

اویس احمد میرا محسن میرا یار

اویس احمد سے میری ملاقات نیویارک کی ایک محفل میں ہوئی پھر ان سے روزانہ ملاقاتیں ہوتی رہیں ایسا لگتا تھا جیسے ہم ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے ہیں۔ ان کی بیگم محترمہ ارم ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور بہت خوش اخلاق خاتون ہیں امریکہ میں جب تک ہم رہے روزانہ ہماری ملاقات ہوتی تھی کراچی آ کر بھی ان تعلقات میں مزید اضافہ ہوا۔ اویس احمد ایک نیک دل اور محبت کرنے والے دوست ہیں۔ انتہائی فراخ دل اور خوش طبع انسان ہیں میرے مقابلے میں ان کے سر کے بال اور داڑھی ان کی شخصیت کو ابھارتی ہے۔ میں نے ان سے کبھی نہیں پوچھا کہ آپ نے اتنی بڑی داڑھی کیوں رکھی ہوئی ہے۔ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں ان سے۔ وہ میرا احترام کرتے ہیں اور میں ان کا۔ ان سے میری یاری تو ہے مگر وہ میرے محسن بھی ہیں۔ انہوں نے مجھے عمرہ کرایا اور تمام اخراجات برداشت کئے

؎ حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

اویس احمد کا ایک بیٹا ہے جو امریکہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ دونوں میاں بیوی اس سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور اس کو یاد کر کے کبھی اداس بھی ہو جاتے ہیں مگر وہ اپنی اداسی دوسروں پر ظاہر نہیں کرتے۔

اویس احمد کو دوستی کرنا بھی آتا ہے اور دوستی نبھانا بھی۔ آئے دن ان کے ہاں موسیقی، لنچ اور ڈنر کی دعوتوں کا اہتمام ہوتا رہتا ہے۔ وہ احباب سے ملکر خوش ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی خوشیاں قائم و دائم رکھے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مفتی محمد حسن

مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مفتی محمد حسن نیلہ گنبد مسجد لاہور میں بعد نماز عصر درس حدیث دیتے تھے، اس محفل میں زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بڑی باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے، بعض متقدین درس کے دوران زار وقطار روتے رہتے۔ مفتی صاحب کو فیل پا کا مرض تھا، آخر ایک روز ڈاکٹروں خصوصاً ڈاکٹر ضیاء الدین جو مفتی صاحب کے خصوصی متقدین میں شامل تھے کے مشورے سے مفتی صاحب کو ٹانگ کا آپریشن کرانے پر رضا مند کرلیا گیا۔ ان کی ایک متاثرہ ٹانگ کاٹ دی گئی۔ کچھ عرصہ تک وہ مصنوعی ٹانگ کا سہارا لیتے رہے، پھر چلنا پھرنا ترک کردیا۔ مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ کے مہتمم اعلیٰ تھے۔ اباجی کو بھی ان سے بڑی عقیدت تھی۔ ۱۹۴۷ء میں پارٹیشن کے وقت امرتسر میں ہمارے محلے کے حالات انتہائی خطرناک ہوچکے تھے۔ محلہ شریف پورہ نسبتاً محفوظ علاقہ تھا۔ مفتی صاحب نے اباجی سے کہا آپ حالات بہتر ہونے تک شریف پورہ آجائیں اور میرے گھر پر رہیں۔ لہٰذا ہم تمام اہلِ خانہ ان کے ہاں چلے گئے۔ شہر کے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ اب اس شہر میں رہنا مشکل ہے تو سبھی بذریعہ ریل پاکستانی علاقوں میں جانے لگے، وہ ریل شریف پورہ ہی سے چلتی تھی۔

پاکستان آجانے کے بعد مفتی صاحب نے جامعہ اشرفیہ کی بنیاد رکھی اور ایک بڑی مسجد اور دارالعلوم تعمیر کرایا، جس میں پاکستان اور بیرونی دنیا سے ہزاروں معتقدین شریک ہوتے ہیں۔ اباجی اس جلسے کے مہتمم ہوتے تھے، اس وقت میری حیثیت ایک کارکن کی ہوتی تھی۔

مولانا وصی مظہر ندوی اور میں

جنرل محمد ضاء الحق کے دور حکومت میں حیدر آباد (سندھ) سے مولانا وصی مظہر ندوی قومی اسمبلی کے رکن اور وفاقی وزیر بنے۔ وہ حیدر آباد کے میئر بھی رہے۔ مگر ان کا قیام ٹھنڈی سڑک پر واقع جامع مسجد کے کوارٹر میں رہا۔ مسجد کے اندر جانے کے لئے اوپر تک جو راستہ جاتا تھا، وہی راستہ مولانا کے کوارٹر کے لئے بھی تھا۔ مولانا انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے سادہ خوراک کھاتے، سادہ لباس پہنتے۔

جس زمانے میں وہ حیدر آباد کے میئر تھے، ان دنوں کئی بار ایسا ہوا کہ اگر سرکاری گاڑی مہیا نہ ہو سکی تو وہ میری موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر میرے ساتھ آتے جاتے۔ موٹر سائیکل کا فٹ ریسٹ ٹوٹا ہوا تھا، جس کے نتیجے میں ان کو ایک ٹانگ معلق رکھنا پڑتی۔ ایک بار مولانا نے مجھ سے کہا بھائی! یہ فٹ ریسٹ تو لگوالو۔ ایک دفعہ قومی اسمبلی کے لئے منعقدہ انتخابات میں جیتے تو ان کے معتقدین ان کو کندھے پر سوار کرا کر ان کے حلقے میں لے گئے۔ مولانا سید مودودی کے صاحبزادے ان کو لاہور سے مبارکباد دینے آئے، اس وقت مولانا جلوس میں تھے۔ مولانا نے ان کی خبر سن کر جلوس روکنے کے لئے کہا، مودودی صاحب کے صاحبزادے نے ان کو ہار پہنائے مبارک دی اور جانے کی اجازت چاہی۔ اس کے بعد جلوس پھر رواں دواں ہوگیا۔ اپنے دور اقتدار میں مولانا کے دروازے ہر وقت لوگوں کی خدمت کے لئے وا رہتے۔ ایسے وزیر اور میئر کہاں ملتے ہیں۔

آج کل مولانا سیاست اور دینی مصروفیات سے فارغ ہو کر اپنے

صاحبزادے کے پاس کینیڈا چلے گئے ہیں۔ کینیڈا میں میرا قیام چند روزہ تھا میں نے مولانا کو فون کیا اور پوچھا کہ ملاقات کیسے ہو تو فرمایا میں آج جمعہ کی نماز مولانا آصف قاسمی کی مسجد میں پڑھوں گا، وہیں آجاؤ۔ ان دنوں مولانا شاہ بلیغ الدین بھی کینیڈا میں تھے، ان سے بھی فون پر بات ہوئی اور انہوں نے بھی اُسی مسجد میں آنے کو کہا۔ مگر دونوں نہ آسکے۔ بعد میں فون پر بات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ کوئی گاڑی گھر پر نہ تھی، اس لیے مسجد میں نہ آسکے۔ دوسرے روز مجھے واپس پاکستان آنا تھا، لہٰذا دونوں سے ملاقات نہ ہوسکی۔

برادر خورد عطا الحق قاسمی کی خفیہ علالت

میرے برادر خورد عطاء الحق قاسمی میری طرح کوئی پرہیز نہیں کرتے، بڑے چاق و چوبند نظر آتے ہیں۔ ایک روز ان کے ایک ڈاکٹر دوست نے کہا، قاسمی صاحب! سال میں ایک بار اپنا میڈیکل چیک اَپ کرالیا کریں۔ عطا نے کہا مجھے کوئی بیماری یا تکلیف نہیں ہے، تو پھر چیک اَپ کی کیا ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا آج آپ جگر' دل' گردے اور پھیپھڑے تو چیک کراہی لیں۔ عطا کے گردوں کا الٹرا ساؤنڈ کیا گیا تو ایک گردے کے پاس ایک ٹیومر نظر آیا اس کو نکال کر لیبارٹری میں ٹیسٹ کرایا گیا تو یہ Malignant تھا، گردہ بھی متاثر ہوچکا تھا، لہٰذا وہ ٹیومر اور گردہ نکال دیا گیا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پیش از وقت بیماری کا سراغ پالیا گیا۔

آرام کرنے دیا کرو) حالانکہ وہ چوبیس گھنٹے آرام ہی کرتے رہتے تھے، ایک صاحب سے پوچھا گیا آپ کے روز مرّہ کے معمولات کیا ہیں۔ انہوں نے جواب دیا، دن بھر ہم دفتر میں رہتے ہیں، رات کو سوجاتے ہیں، آرام کرنے کا وقت نہیں ملتا۔ ماموں جان کے لئے ڈاکٹروں نے کہا ان کی شادی کردیں، شاید کوئی بہتری پیدا ہو، لہٰذا ان کی شادی کردی گئی مگر ان کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ طلاق ہوگئی۔

محترم اباجی کا ترنم

مولانا محمد شارق نسبت روڈ لاہور کی جامع مسجد کے خطیب تھے، اور اباجی کے شاگرد بھی تھے، ایک روز انہوں نے اباجی کو دعوت دی ک ان کی مسجد میں آکر تقریر کریں۔ تقریر کے دوران اباجی مثنوی مولانا روم ترنم سے پڑھتے تو محفل جھوم اٹھتی۔ تقریر کے اختتام پر ایک شخص اباجی کے پاس آیا اُن کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور پوچھا کہ آپ نے فن موسیقی کی تربیت کس سے حاصل کی تھی، کیونکہ آپ نے جو مثنوی پڑھی وہ فلاں راگ میں تھی۔ اباجی نے کہا میں موسیقی کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہوں۔

جن ممالک میں' میں نے مشاعرے پڑھے

ہم بڑے خوش نصیب لوگ ہیں کہ ایسے دور میں پیدا ہوئے جب کہ شعرا کی پذیرائی نہ صرف اپنے ملک میں ہوتی ہے، بلکہ ہر اس ملک میں بھی ہوتی ہے جہاں اُردو بولی، پڑھی اور لکھی جاتی ہے، اس سائنٹفک دور میں ہوائی جہاز کی ایجاد نے ہمارے طویل ترین سفر بھی آسان کردیے۔ اگر غالب کے زمانے میں یہ سہولت ہوتی تو غالب کا شمار غیر ملکی مشاعرے پڑھنے والے شعرا میں سب سے نمایاں ہوتا۔ غالب تو اپنی پنشن کے سلسلے میں دہلی سے کلکتہ ۱۱ ماہ میں پہنچے تھے، مگر کام پھر بھی نہ

ہوا۔ مجھے بھی غیر ملکی مشاعرے پڑھنے کا اتفاق ہوا مگر 60سال کی عمر کے بعد، جوانی یونہی گذر گئی۔ میں نے جن ممالک کے مشاعروں میں شرکت کی ان کے نام یہ ہیں۔

امریکہ کے پندرہ شہروں میں دو مرتبہ، کینیڈا، ڈنمارک، ناروے دو مرتبہ، تھائی لینڈ، بھارت ۶ مرتبہ، جانا ہوا۔ بحرین، مسقط، قطر، سعودی عرب، انگلینڈ دو مرتبہ، عرب امارات چھ مرتبہ۔ ہانگ کانگ

مشاعرے کے شرکا کی بس ڈاکوؤں نے روک لی

روزنامہ ''جنگ'' کی اسٹاف یونین نے کراچی سے ۵۵ کلو میٹر دور کلری جھیل پر پکنک اور مشاعرہ کا اہتمام کیا۔ شعرا اور سامعین کی ایک بڑی تعداد سات بسوں میں سوار ہوکر کلری جھیل پہنچی مگر ایک بس کے پیچھے رہ جانے سے ان کے ساتھ ایک حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا یہ بس رات 12 بجے کراچی سے روانہ ہوئی تھی، راستے میں ڈاکوؤں نے اُسے گھیر لیا مگر ڈرائیور بڑی چابکدستی سے بس کو وہاں سے نکال لینے میں کامیاب ہوگیا، اور یہ سب لوگ بخیریت ہم سے آن ملے، کچھ لوگ پکنک مناتے رہے اور رات چار بجے مشاعرہ شروع ہوا۔ یہ غالباً پہلا واقع تھا کہ کوئی مشاعرہ اتنی رات گئے شروع ہوا ہو۔

کراچی جم خانہ کا مشاعرہ تالاب کنارے

کراچی جم خانہ کی ادبی کمیٹی نے بڑے بڑے مشاعرے منعقد کرائے۔ ایک عالمی محفل مشاعرہ کلب کے تالاب کے کنارے سجائی گئی۔ حضرت دلاور فگار اپنی نظم میں ایک شعر ایسا پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ کراچی جم خانہ کی ادبی کمیٹی نے تالاب کے کنارے اس لئے مشاعرہ منعقد کیا تاکہ یہ دیکھا جائے کہ شاعر کتنے پانی میں ہیں۔

سفر کے دوران فی البدیہہ غزل

امریکہ کے مشاعروں کا آخری مشاعرہ سان فرانسسکو میں تھا۔ میں خالد خواجہ اور لندن کے ایک شاعر جو ڈاکٹر بھی ہیں بذریعہ کار لاس اینجلس سے سان فرانسسکو روانہ ہوئے، یہ سفر چار گھنٹے کا تھا۔ خواجہ صاحب بڑے زود گو شاعر ہیں، کہنے لگے آپ لوگ گاڑی کے باہر کے مناظر سے بھی لطف اندوز ہوتے رہیں، اور ساتھ ساتھ کچھ شعر بھی کہتے رہیں۔ انہوں نے ایک طرح مصرع دیا اُس پر میں نے ایک شعر کہہ دیا، پھر ڈاکٹر صاحب نے کہااس طرح باری باری ہم ایک ایک شعر کہتے رہے اور غزل ہوئی پوری ہوگئی اس غزل کا نام ہم نے سفری غزل رکھ دیا۔

نیرّ آپا اور عباس تابش

نیر آپا مشاعروں کی آرگنائزر کے طور پر ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں، انہوں نے امریکہ میں بڑے بڑے مشاعرے منعقد کرائے۔ مجھے بھی دعوت ملی، کچھ دوستوں نے مجھے بتایا کہ وہ بہت زود رنج ہیں اور بے شمار شعرا سے ان کو اختلاف رہا ہے، لہٰذا آپ بہت محتاط رہیے۔ ایک مشاعرہ انہوں نے آرلینڈو میں اپنے بھانجے کے ہاں بھی رکھا۔ ان کے بھانجے کا رویہ ہم لوگوں سے ایسا تھا جیسے ہم کرایے کے ٹٹو ہیں، کسی شاعر نے اس کے اس رویہ پر احتجاج نہیں کیا، مگر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے اس کو ٹھیک ٹھاک سنادیں۔ اُس نے لاس اینجلس پہنچنے سے پہلے نیر آپا کو میرے خلاف خوب بھڑکا دیا تھا۔ اُدھر ڈاکٹر بشیر بدر بھی یہی رول ادا کرتے رہے۔ ہم جب لاس اینجلس پہنچے تو نیر آپا مجھ سے کچھ کھنچی کھنچی نظر آئیں۔ ان کے شوہر نامدار نہ شاعر ہیں نہ ادیب نہ دانشور مگر ان کا رویہ شعرا کے ساتھ ایسا تھا جیسے وہ علاقے کے

تھانیدار ہوں، میں نے ان کو بھی سنا دیں۔ میں اسموکنگ ایریا میں بیٹھا دوسرے لوگوں کے ساتھ سگرٹ پی رہا تھا کہ اسٹیج سے میرا نام پکارا گیا۔ میں جلدی میں سگرٹ پھینکنا بھول گیا۔ گیٹ پر کھڑے اُس شوہر نامدار نے بڑی ترشی سے مجھے کہا سگرٹ باہر پھینک کر آؤ۔ ان کا یہ رویہ دیکھ کر سخت دکھ ہوا مگر اپنے اُس دوست کا خیال آیا جس نے مجھے بتایا تھا کہ یہ لوگ بڑے زود رنج ہیں اور ہر شاعر سے کوئی نہ کوئی ان کو شکایت ضرور پیدا ہوتی ہے۔ عباس تابش بھی ہمارے ساتھ تھے وہ ریحانہ قمر کی کتاب کی تقریب رونمائی میں شریک ہونا چاہتے تھے، نیر آپا نے یہ پابندی لگادی کہ کوئی شاعر اس تقریب میں نہیں جائے گا، عباس تابش نے اصرار کیا تو ان کا پاسپورٹ اور ایئر ٹکٹ اپنے پاس روک لیا اور مشاعرے کا آخری معاوضہ بھی ان کو نہ دیا گیا۔ نیر آپا ریحانہ قمر سے بھی ناراض ہیں حالانکہ دو روز پیشتر وہ ان کی مشاعرہ کمیٹی کی رکن تھیں۔ عباس تابش سے یہ جھگڑا کیسے ختم ہوا اس کی کوئی خبر نہ ملی۔ اس مشاعرے کی صدارت دنیائے موسیقی کے نامور موسیقار جناب نوشاد نے کی۔

مشاعروں میں شعرا کی سازشیں

امریکہ اور یورپ کے مشاعروں میں ہمارے پاکستانی شعرا کا برتاؤ مزاح گو شعرا کے ساتھ ہمیشہ خراب رہا ہے، گو سبھی شعرا ایسے نہیں ہوتے مگر چند عادی مجرم یہ حرکتیں کرتے رہتے ہیں اور وہاں کے آرگنائزر کو مزاح گو شعرا کے خلاف بھڑکاتے رہتے ہیں، اُس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ ایک مزاح گو کے بعد سنجیدہ غزل کا شاعر چل نہیں سکتا۔ مزاح گو شاعر کی مقبولیت سے یہ اتنے خوفزدہ رہتے ہیں کہ ہر وقت اس کی کاٹ میں لگے رہتے ہیں۔ لاس اینجلس میں بھی یہی

پہ کچھ ہوا۔ ریحانہ قمر صاحبہ نے ہم سب کو اپنے گھر کھانے پر دعوت دی، میں ان کے حسنِ سلوک سے بہت متاثر ہوا۔ ان کے خلاف امریکہ کے ایک شاعر نے پاکستان کے ایک اخبار میں بہت ہی خراب قسم کا کالم لکھا جس میں کالم نگار نے اُن کے کردار اور شاعری پر کھلم کھلا الزامات لگائے۔ میں نے اس کے جواب میں اس شاعرہ کی صفائی پیش کی کہ خواتین پر اس طرح کے الزامات لگانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ وہ میرے جوابی کالم سے یقیناً خوش ہوئی ہوں گی مگر ہمارے ساتھی شعرا میرے خلاف ان کو اتنا اکسا چکے تھے کہ میرا کالم بھی کچھ نہ کر سکا۔ اس کے کچھ عرصے بعد وہ پاکستان آئیں ان سے ملاقات ہوئی تو ان کا رویہ وہ نہ تھا جیسے امریکہ میں رہا۔ میں نے خود ہی پوچھ لیا کہ آپ نے جواب آں کالم پڑھ لیا تھا، بادل نخواستہ بولیں ہاں دیکھا تھا۔ مجھے ان کے اس رویے سے بڑا دکھ ہوا۔

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

راؤ امجد اور ان کی بیگم

امریکہ کے مشاعروں سے فراغت ملی تو راؤ امجد نے مجھے کہا کہ آپ جتنا عرصہ امریکہ میں رہیں میرے گھر پر قیام رکھیں۔ میں ایک دوست کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا اور وہ تھے میاں محمود (لاہوری بادشاہ)۔ جن سے میرا تعارف طارق ارشاد بوسل نے کرایا تھا، جو میرے فین تھے۔ میاں محمود نے میرا بڑا خیال رکھا۔ ایک رات راؤ امجد آئے اور میاں محمود کی غیر حاضری میں میرا سامان اپنے گھر لے گئے اور مجھے بھی مجبور کیا کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ میاں محمود جب واپس آئے تو ان کو معلوم ہوا کہ

راؤ امجد مجھے اپنے گھر لے گئے ہیں ، وہ ان کے ہاں پہنچے اور میرا سامان واپس لے آئے۔ راؤ امجد کو جب پتہ چلا تو وہ پھر میرا سامان میاں صاحب کے ہاں سے اٹھالائے۔ میں نے جب راؤ امجد اور ان کی بیگم کا شاندار برتاؤ دیکھا تو میں نے میاں صاحب سے کہا کہ آپ مجھے چند روز کے لئے راؤ صاحب کے ہاں رہنے دیں میں آخری دنوں میں آپ کے پاس رہنے کے لئے آجاؤں گا۔ میں ایک لمبے عرصے تک راؤ صاحب کے ہاں مقیم رہا۔ دونوں میاں بیوی نے میری اتنی خدمت کی جیسے میری سگی اولاد۔ میری یہ منہ بولی بیٹی انتہائی نیک، عبادت گزار اور سچی مسلمان خاتون ہیں۔ دو بچے ایک بیٹا اور بیٹی گھر میں رونق لگائے رکھتے ہیں۔ میری بیٹی نے میرے آرام و آسائش کا اتنا خیال رکھا کہ مجھے اپنے گھر جیسا آرام یاد آنے لگا، اُس نے میرے پسندیدہ کھانے، سویٹ ڈش، کپڑوں کی استری، ٹوتھ پیسٹ اور دواؤں کا خاص اہتمام کیا۔ میرے کھانے کے لیے، ٹافیاں بسکٹ ، آئس کریم اور ڈرائی فروٹ سے میز بھردی۔ راؤ صاحب نے میری سیر و تفریح کا خاص خیال رکھا، ہر جگہ اپنی کار پر مجھے اپنے ساتھ لے جاتے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اپنے بچوں کے ساتھ اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آخری ایام میں میں نے ٹیلیفون پر کینیڈا میں مقیم اپنے داماد اور بیٹی سے تعارف کرایا۔ وہ لوگ بچوں سمیت اپنی کار پر ہمارے پاس آئے اور 4-5دن ہمارے ساتھ رہے، اور جاتے ہوئے راؤ صاحب کو کینیڈا آنے کی دعوت دی۔

''نیوز پاکستان'' نیویارک میں کالم نویسی

امریکہ میں مقیم ممتاز مزاح گو شاعر اور میرے عزیز ترین دوست جناب خالد عرفان کے شعری مجموعے ''لقمۂ شر'' کی تقریب رونمائی میں ، میں بطور مہمان خصوصی مدعو تھا۔ نیر آپا کی صدارت تھی اور مقررین میں میرے دوست قمر علی عباسی بھی شریک تھے۔ خالد کی اس کتاب نے مزاح کی دنیا میں ہلچل مچادی۔ اس شخص کے مزاحیہ قطعات اور نظموں میں کیا روانی، مضمون آفرینی اور مزاح سے بھرپور زندگی کی لہریں نظر آتی ہیں۔ اس شاندار تقریب کے بعد بھی مجھے امریکہ و کینیڈا میں قیام کرنا پڑا ، خالد نے دوسرے شہروں میں بھی مشاعرے اور ادبی تقریبات کا اہتمام کیا۔ لانگ آئی لینڈ میں سید جمال محسن نے شب قہقہہ کا اہتمام کیا۔ مونا شہاب صاحبہ نے واشنگٹن میں بزمِ اقبال کے زیر اہتمام خالد کی کتاب کی تقریب رونمائی اور مشاعرہ منعقد کیا۔ کینیڈا میں اشفاق حسین نے میرے اعزاز میں ایک محفل مشاعرہ سجائی، اور ٹورنٹو کے ایک ٹیلی وژن چینل پر میرا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ مونا شہاب نے بھی میری لینڈ میں ٹی وی کے لئے میرا انٹرویو کیا۔ خالد نیویارک میں ایک بڑے اُردو اخبار ''نیوز پاکستان'' کی ادارتی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں اور وہ بھی بطریق احسن۔ اخبار کے مالک و پبلشر سے میری ملاقات ہوئی، خالد اور مجیب نے مجھے ان کے اخبار میں کالم لکھنے کی دعوت دی جو میں آج تک نبھارہا ہوں۔ مجیب لودھی بڑی محبتوں کے آدمی ہیں ،پچھلے دنوں وہ کراچی آئے وہ میرے کالموں کی بہت تعریف کررہے تھے، میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

☆☆☆☆☆

نامور مزاح نگار کرنل محمد خان کا آخری انٹرویو

ممتاز مزاح نگار کرنل محمد خان ایک طویل عرصے سے بستر علالت پر تھے۔ راقم الحروف اسلام آباد گیا تو انہیں فون کیا اور ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی جو انہوں نے ناسازیٔ طبع کے باوجود قبول فرمائی۔

وہ میرے منتظر تھے اپنے بیڈم روم سے ڈرائنگ روم تک وہ آہستہ آہستہ سہارے سے چل کر تشریف لائے۔ صوفے کے تین اطراف کشن لگا کر ان کو بٹھایا گیا۔ کرنل صاحب انٹرویو کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے میں نے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو گفتگو کے دوران ٹیپ ریکارڈر کا بٹن دبادوں۔ کرنل صاحب مسکرادیے اور میں نے گفتگو کے آغاز ہی میں ٹیپ ریکارڈ آن کر دیا۔

سوال: کرنل صاحب! آپ نے چار کتابیں لکھیں ''بجنگ آمد''، ''سلامت روی''، ''بدیسی مزاح''، اور'' بزم آرائیاں''۔ آپ کے خیال میں ان کتابوں میں سے کونسی کتاب آپ کو زیادہ پسند ہے۔

جواب: کسی تخلیق کار کو اپنی ہر تخلیق یا تحریر اچھی نظر آتی ہے مجھے بھی اپنی چاروں کتابیں عزیز ہیں مگر ''بجنگ آمد'' لکھنے کے بعد آج تک میں اتنا مطمئن اور خوش ہوں کہ اگر اس کے بعد کوئی بھی کتاب نہ لکھتا تو مجھے کوئی ملال نہ ہوتا۔

سوال:۔ یہ چاروں کتابیں اُردو ادب میں نمایاں مقام کی حامل ہیں کیا ان پر کبھی آپ کو کوئی ایوارڈ ملا۔

جواب: مجھے کبھی کوئی ایوارڈ نہیں ملا۔ آدم جی ادبی ایوارڈ کے لئے ایک بار یہ کتاب پیش ہوئی تو دو ججوں نے کسی اور کتاب کے لئے سفارش کی۔

میری کتاب پر ایوارڈ دینے کے لئے وہ تیار نہ تھے ، دوسرے ججوں نے میری کتاب کے لئے رائے دی۔ بحث طویل ہوگئی آخر کار یہ فیصلہ کیا گیا کہ کسی بھی کتاب کو ایوارڈ نہ دیا جائے۔

سوال: دیکھا یہ گیا ہے کہ مزاح نگاروں میں بیشتر لوگ فوجی تھے، جیسے ڈاکٹر شفیق الرحمٰن، بریگیڈیئر صدیق سالک، سید ضمیر جعفری، چراغ حسن حسرت، کرنل صولت رضا، کرنل اشفاق حسین۔ کیا فوج کے لوگوں میں حس مزاح زیادہ ہوتی ہے۔

جواب: نہیں ایسا نہیں ہے بریگیڈیئر گلزار بھی فوجی تھے، مگر انہوں نے مزاح نہیں لکھا ان کے علاوہ اور بہت سے فوجی ادیبوں نے بھی مزاح نہیں لکھا۔ ہاں البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں کی مصروفیات انتہائی کٹھن ہوتی ہیں اور بتقاضائے بشریت وہ ذہنی سکون و آرام بھی چاہتے ہیں، کچھ سنجیدہ تحریریں لکھ کر اور کچھ طنزیہ و مزاحیہ۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر فوجی نے مزاح لکھا ہو۔ یہ گفتگو بڑے آراستہ و پیراستہ ڈرائنگ روم کے عمدہ ماحول میں جاری تھی کہ کرنل صاحب کا ملازم چائے لے آیا۔ پرتکلف چائے کا مزا آ گیا۔ میں نے ازراہِ تفنن کرنل صاحب سے یہ سوال بھی کرڈالا اگر یہ اس سوال کی مجھ میں ہمت نہ تھی مگر اس کا جواب بھی کرنل صاحب نے ایک نحیف قہقہے کے ساتھ دیا۔ میں نے پوچھا۔

سوال: آپ کا تعلق پنجاب سے ہے آپ پنجابی خوب بولتے ہیں مگر آپ کی تحریریں اُردو ادب کا شاہکار ہوتی ہیں۔ اُردو بولتے وقت پتہ چلتا ہے کہ آپ کی مادری زبان پنجابی ہے مگر تحریروں سے یہ محسوس بھی نہیں ہوتا؟

جواب: میں اُردو لکھتے وقت بہت محتاط رہتا ہوں، خالص اُردو لکھنے کی کوشش کرتا ہوں مگر اُردو بولتے وقت کہیں نہ کہیں گڑ بڑ ہو جاتی ہے۔

سوال: میں نے بے تکلف ہوتے ہوئے ایک اور سوال کر ڈالا کہ پنجاب کے کچھ لوگ چاقو کے ہجے کرنے کے بعد بھی قاچو کہہ جاتے ہیں۔ آپ تو ایسا نہیں کرتے؟

جواب: کرنل صاحب زیرِ لب مسکرائے اور کہا نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا میں اپنے گھر میں اور قریبی دوستوں کے ساتھ پنجابی میں بات کرتا ہوں۔ انگریزی بولنا مجھے پسند نہیں، البتہ فوج کی ملازمت کے دوران انگریز افسران سے ضرورتاً انگریزی میں بات کرتا تھا۔

سوال: آپ کا تعلق چکوال کے ایک گاؤں بل کسر سے ہے بچپن کے اُس زمانے سے لیکر تعلیم کے مکمل ہونے تک کے زمانے کا کچھ تذکرہ ہو جائے؟

جواب: میں نے مڈل تک کی تعلیم اپنے گاؤں میں ایک اسکول میں حاصل کی۔ چھٹی ساتویں کلاس جونیئر اسپیشل کہلاتی تھی اور آٹھویں سینئر اسپیشل۔ آٹھویں کلاس میں پہلی انگریزی کی کتاب نیلسن ریڈر پڑھی۔ میری ملاقات ایک ہندو لڑکے سے ہوگئی جو بہت قابل تھا اس نے مجھے انگریزی پڑھائی۔ چار پانچ ماہ کے بعد میں چکوال چلا آیا۔ میرا ٹیسٹ ہوا میں سیکنڈ آیا اس طرح مجھے نویں جماعت میں داخلہ مل گیا۔ غلام جیلانی برق سے اُردو فارسی پڑھی۔ چکوال میں ایک ہفتہ وار شعری نشست ہوتی تھی میں بھی جانے لگا اور شعر کہنے لگا، دراصل ہر نثر نگار اپنی ادبی زندگی کا آغاز

شاعری ہی سے کرتا ہے۔ اس زمانے میں میں نے صادق تخلص اختیار کیا۔ چکوال سے میٹرک کرنے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور سے ایف اے، بی اے، اور ایم اے کیا۔

سوال: تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے کونسا شعبہ اختیار کیا۔

جواب: شروع میں میں ایک کالج میں لیکچرار ہوگیا اس دوران جنگ شروع ہوگئی۔ 1940 میں میں بھی فوج میں چلا گیا۔ میرا سن پیدائش 1910 ہے اتنی عمر میں فوج میں شامل ہونا مشکل تھا، مگر انٹرویو کرنے والے کرنل نے جو انگریز تھا، میری شاندار صحت کو مد نظر رکھتے ہوئے 1914 کردی اور ڈاکٹر کو بلوا کر اس کی تصدیق بھی کرادی، اس طرح میں فوج میں لیفٹیننٹ کے طور پر لیا گیا اور ٹریننگ کے لئے منتخب ہوگیا۔

سوال: آپ لیفٹیننٹ سے کرنل کے عہدے تک پہنچے۔ کیا یہ ترقی ایک ادیب ہونے کی وجہ سے ملی؟

جواب: نہیں۔ میں اس وقت تو ادیب نہیں تھا، مدت ملازمت کے مطابق ترقیاں ملتی رہیں۔

سوال: جب آپ فوج میں بھرتی ہوئے تو اس وقت کے علما کا انگریز کی فوج میں شامل ہونے کے بارے میں کیا فتویٰ تھا؟

جواب: علماء نے کبھی مخالفت نہ کی۔ میں نے تو کم از کم اس قسم کی کوئی بات نہیں سنی کہ علماء نے انگریز کی فوج کی ملازمت میں جانے سے منع کیا ہو۔ چکوال کے لوگ تو زمینداری کرتے تھے یا فوج میں بھرتی ہوتے تھے۔ علماء

کا اختلاف کچھ اور باتوں پر ہوتا ہوگا۔ فوج کی ملازمت کے بارے میں ہرگز نہ تھا۔ ہر شخص نماز روزے کا پابند تھا میں بھی ہمیشہ سے نماز پڑھتا آیا ہوں اور آج بھی پڑھتا ہوں۔

سوال: اب کچھ فوج کی ملازمت کے زمانے کی باتیں ہوجائیں؟

جواب: میں بطور لیفٹیننٹ فقیرا پی کے ساتھ جنگ کرنے والی فوج کے ساتھ سرحد میں بھیجا گیا۔ پھر مجھے پشاور بلاکر کہا گیا کہ آپ کو لڑائی کے لئے ملک سے باہر بھیجا جارہا ہے۔ انگیز کی ہمیشہ یہی سوچ رہی کہ یہاں کے لوگوں کو جنگ کے لئے باہر بھیجا جائے۔ مگر چند روز بعد معلوم ہوا کہ اوورسیز بھیجنے کا پروگرام فی الحال معطل ہوگیا ہے۔ ہمیں مشقوں کے لئے تیار کیا گیا۔ پھر ہمیں بصرہ بھیج دیا گیا۔ لیبیا میں جنرل رومیل کی فوجوں سے لڑائی ہوئی ان کو شکست ہوئی۔

سوال: جنگ ہارنے کے بعد جرمنی کی ایک انکوائری رپورٹ میں کہا گیا کہ جنگ ہارنے کے کئی اسباب تھے، مگر ایک سبب یہ بھی تھا کہ ہٹلر کی فوجوں کے جرنیلوں میں حس مزاح کی کمی تھی، کیا یہ رپورٹ صحیح ہے؟

جواب: یہ رپورٹ میں نے نہیں پڑھی مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ تجزیہ ٹھیک ہے اگر جرنیلوں میں حس مزاح نہ ہو تو وہ بیشتر جنگی فیصلے غصے اور جلد بازی میں کریں گے جس کا ان کو نقصان ہوگا۔ جنگ ہارنے کے بعد اگر جرنیل اپنی شکست پر صرف آنسو بہاتے رہیں تو نتیجہ کیا نکلے گا۔

سوال: جرمنی کی شکست میں آپ شامل تھے اس کے بعد کیا ہوا؟

جواب: ہم قاہرہ آگئے۔ بریگیڈ کے ٹکڑے ہوچکے تھے، پھر ہماری پوسٹنگ مختلف جگہوں پر ہوتی رہی۔ قاہرہ میں ایک سال تک رہا یہاں کمپنی اچھی مل گئی لوگوں سے ملاقاتیں ہونے لگیں۔

سوال: فوج میں آپ کے ساتھیوں میں کچھ دوسرے اُردو کے رائٹر بھی تھے؟

جواب: ڈاکٹر شفیق الرحمٰن ایران سے آگے نہ گئے۔ سید ضمیر جعفری برما تک گئے۔ پھر میں بھی برما چلا گیا۔ سید ضمیر جعفری ابھی یہیں تھے ہم S.E.A.C(ساؤتھ ایسٹرن ایشین کمان) میں تھے وہاں جنرل ماؤنٹ بیٹن جنگ میں مارا گیا۔

سوال: سید ضمیر جعفری سے کب ملاقات ہوئی؟

جواب: اس وقت تک میں جعفری صاحب کو نہیں جانتا تھا۔ جنگ ہوئی وہ میری کور میں کیپٹن تھے اور میں لیفٹیننٹ کرنل تھا۔ ہم ایک دوسرے کے اتنے قریب آگئے کہ میں ان کو اپنا جرنیل تصور کرنے لگا، ان کے ڈیل ڈول کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک ذہین اور قابل تخلیق کار کے سبب۔

سوال: آپ نے کہا کہ ضمیر میری کور میں تھا تو کیا کسی دوسری کور میں ضمیر نہ تھا؟

جواب: کرنل صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا میری مراد سید ضمیر جعفری سے ہے۔ سید ضمیر جعفری فوج میں تعلقات عامہ کے شعبے میں تھے اور شفیق الرحمٰن ڈاکٹر تھے اور میں خبر رسانی کے شعبے میں تھا۔

سوال: آپ نے کبھی کسی کو مارا یا زخمی کیا؟

جواب: فوج میں میری ڈیوٹی لڑنا نہیں تھی، میرا شعبہ ہی مختلف تھا، میرے پاس صرف ایک پستول رہتا، نہ کوئی میرے قریب آیا اور نہ میں نے کسی کو مارا یا زخمی کیا۔ ویسے جنگ کے دوران ہر وقت یہ لگتا تھا کہ یہ گولا ہماری طرف ہی آرہا ہے۔

سوال: آپ کی جوانی کا زمانہ تھا آپ کسی کے ہاتھوں زخمی ہوئے؟

جواب: میں آپ کی بات سمجھ گیا اب اس کا کیا جواب دوں۔

سوال: جنگ کے دوران کوئی ایسا واقعہ سنایئے جو آپ کو آج تک نہیں بھولا؟

جواب: میں سگنل آفس میں تھا بریگیڈ ایک پہاڑی پر متعین تھا۔ درمیان میں نو مین لینڈ کا علاقہ تھا۔ مائنز کی وجہ سے دوسری جانب نہ جاسکتے تھے۔ ہم دشمن کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ اُس نے حملہ کردیا۔ وائرلیس پر خبر ملی کہ ہمارا ایک گنر مارا گیا ہے یہ خبر ہم نے اپنے جنرل تک پہنچائی بس پھر کیا تھا ہمارے فوجی مرتے چلے گئے۔ شام کے وقت ۵ بجے ہمارے کمانڈر نے کہا یہ جگہ چھوڑ دینی چاہیے۔ مصر تک ایک ساحلی سڑک ہے میں ہیڈکوارٹر میں تھا بریگیڈ Retreat ہونے لگا وہ ہیوی مشینری کی وجہ سے پسپائی کے وقت بھاگ نہیں سکتا ایسا لگتا ہے وہ سڑک پر رینگ رہا ہے۔ جب ہم بھاگ رہے تھے تو دشمن روشنی پھینک رہا تھا، بریگیڈ کا راستہ وہ کاٹ چکا تھا اس طرح پورے کا پورا بریگیڈ ہی کاٹا جاچکا تھا۔ صبح ہوچکی تھی، ہم چائے پینے لگے اور اپنی پلٹونوں کا انتظار کرنے لگے میں اتنا

H/Q گیا اور تار مانگا تاکہ لائین کھینچی جا سکے، رابطوں کے لئے۔ جواب ملا تین بٹالین مکمل طور پر تباہ ہوچکی ہیں توپ خانے کے صرف چار آدمی بچے ہیں، تم کن کے لئے تار لگا رہے ہو۔ میں نے یہ بات بریگیڈیر کو جا کر بتائی تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ ہم صحرا میں Mess بنا رہے تھے، ہماری ایک لاری گزر رہی تھی اُس کے نیچے دبی ہوئی مائینز تھیں، دھماکے کے ساتھ وہ لاری اڑ گئی۔ تیس چالیس فوجیوں کی بوٹیاں ہر طرف اڑیں۔ تباہی کے بعد دیکھا تو یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ یہ ٹکڑا کس کے جسم کا ہے، یہ المناک منظر آج بھی یاد آتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہ انسان بڑا ظالم ہے، اپنے مفاد کی خاطر غیر انسانی حرکتیں کرتا ہے۔ دوسروں پر ظلم کرتا ہے، قتل و غارتگری کرتا ہے، شاید یہ ظلم انسان کی فطرت میں شامل ہے۔

☆☆☆☆☆

ممتاز و معروف شاعر صہبا اختر سے گفتگو

ہمارے شعراء و ادبا میں بہت کم لوگ ایسے ہیں، جن کی شناخت فقط قومی یکجہتی اور حب الوطنی کے حوالے سے ہوتی ہو۔ اس خارزار میں قدم رکھتے ہوئے یا تو لوگ شرماتے ہیں۔ یا ڈرتے ہیں۔ حب الوطنی کا پرچار کھلے بندوں کرنا بڑے جان جوکھوں کا کام ہے، یہ کام ایک توانا شخص ہی کرسکتا ہے، جسے کسی مخالفت یا دباؤ کی پروا نہ ہو، جو صرف اور صرف اپنے وطن سے پیار کرنا جانتا ہو۔ اسی کے لئے جیتا ہو۔ اسی کے لئے مرتا ہو، وہ تندی بادِ مخالف سے نہ تو گھبراتا ہے اور نہ اپنے قومی فرض سے غافل ہوتا ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا، بولنا چالنا غرضیکہ اس کا ہر فعل اپنے ملک وقوم کی فلاح و بہبود کی خاطر ہوتا ہے۔ وہ ملک دشمنوں کی آنکھ میں بُری طرح کھٹکتا ہے ان کی دشمنی مول لیتا ہے، مگر اپنے ملک کی آن پر حرف نہیں آنے دیتا۔ جذبہ حب الوطنی سے سرشار لوگوں کا اگر شمار کیا جائے۔ تو جناب صہبا اختر کا نام ایک اعلیٰ مقام پر فائز نظر آتا ہے، یہ دیوانہ اپنے ملک کے بارے میں کوئی غلط بات سننا بھی گوارا نہیں کرتا اس نے ہمیشہ اپنے وطن کے نغمے گائے۔ جس کی پاداش میں مشاعرہ گاہ میں اس پر آوازے کسے گئے اسے کلام پڑھنے سے روک دیا گیا۔ مگر اس کی دیوانگی میں ذرا سا بھی فرق نہ آیا۔ وہ وطن کے گیت گاتا رہا وطن کی محبت کے گیت، وہ مشاعروں میں اپنی انقلابی نظمیں جذبہ عشق میں ڈوب کر باآواز بلند پڑھتا، اتنی بلند آواز سے کہ مائک بھی پناہ مانگتا، مشاعرہ گاہ میں ایک ارتعاش کی سی کیفیت پیدا ہوجاتی۔ اور سامعین دم بخود ہوکر اس کے گیت سنتے اور سر دھنتے، مگر آج یہی وطن کے گیت گانے والا دیوانہ عارضۂ قلب میں مبتلا ہے، اگرچہ اس کی آواز میں

پہلی سی گھن گرج نہیں مگر وطن کے نغمے پڑھتے ہوں تو اس کی آواز میں پھر وہی آگ وہی تڑپ اور وہی سوز پیدا ہو جاتا ہے، اس کے معالجوں نے اسے سختی سے منع کیا ہے کہ وہ اب مشاعروں میں جانا چھوڑ دے اور مکمل آرام کرے اس نے اس نصیحت پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ مگر حال ہی میں، میں نے جب ایک کل پاکستان مشاعرہ قومی یکجہتی منعقد کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ بھی تشریف لائیں تو انہوں نے کہا کہ اگرچہ ڈاکٹروں نے منع کیا ہے، مگر قومی یکجہتی کے حوالے سے منعقد ہونے والے مشاعرہ میں شرکت ضرور کروں گا۔ وہ حسب وعدہ مشاعرہ میں تشریف لائے اور پھر اپنے گیتوں کا جادو جگایا۔

مشاعرہ کے کچھ روز بعد خیال آیا کہ اس نابغۂ روزگار سے کچھ باتیں کی جائیں۔ اس سے آپ کے اس جذبۂ شوق کا سبب پوچھا جائے، اس کے ذاتی حالات کے بارے میں کچھ جانا جائے اس سے یہ معلوم کیا جائے کہ وہ کیوں اس قوم کی زبوں حالی پر کڑھتا رہتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ دل کا مریض بن گیا۔ اس سے سوال کیا جائے کہ وہ برس ہا برس تک شمع کی مانند اپنی قوم کے غم میں آنسو بہاتا رہا اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ جناب صہبا اختر کورنگی میں اس جگہ قیام پذیر ہیں۔ جہاں اہل دل رہتے ہیں۔ جہاں شعرا و ادبا بستے ہیں، گفتگو کا آغاز میں نے اس سوال سے کیا۔

سوال:۔ صہبا صاحب یہ بتایئے آپ کے اندر جذبہ حب الوطنی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور آپ اپنے کلام کے ذریعے اس کا برملا اظہار کرلیتے ہیں، اگر آپ شاعر نہ ہوتے تو اس جذبے کا اظہار کیسے کرتے؟

جواب:۔ میں جس حیثیت میں بھی ہوتا اسی حیثیت سے اظہار کرتا اور اگر میں کچھ

بھی نہ ہوتا تو گلیوں میں نعرے لگاتا ، پاکستانی پرچم ہاتھ میں تھامے اس کے گیت گاتا، لوگوں کو بتاتا کہ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے اور اس کی حفاظت کتنی ضروری ہے۔

سوال: آپ کے اندر یہ جذبہ کیونکر پیدا ہوا؟

جواب: نوجوانی ہی میں تحریک پاکستان سے تعلق رہا، ۱۹۴۶ء میں میں اور میرے ڈیڑھ سو ساتھی علی گڑھ کی معروف شخصیت جناب منظر عالم کی قیادت میں علی گڑھ سے کراچی آئے، اور سندھ مدرسہ میں قیام کیا اور تحریک پاکستان کے کارکن کے طور پر کام کرتے رہے، کراچی ایئر پورٹ پر حضرت قائد اعظم کو دیکھا تو میں نے جذبات سے مغلوب ہوکر ان کے کوٹ کے کالر پر بوسہ لیا، یہ میرے لئے بڑے اعزاز کی بات تھی، قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت نے نوجوانوں کے دلوں میں ایک جذبہ پیدا کردیا تھا۔ میرے دل میں بھی وطن کی آزادی اور اس کی حفاظت کا جذبہ موجزن ہوا۔ جو آج تک ہے ، میں اس وطن کے گیت لکھتا رہوں گا، جب تک کہ میری جان میں جان ہے۔

سوال: میرے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ:۔

جواب: میری پیدائش کشمیر میں ہوئی، مگر پرورش اور تعلیم بریلی میں، سیکنڈ ایئر کا طالب علم تھا کہ تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ والد فوت ہوچکے تھے، روٹی کمانے کے لئے کئی جتن کئے آخر کار ۱۹۵۲ء میں محکمہ خوراک میں انسپکٹر کا منصب ملا۔ اور ۲/دسمبر ۱۹۸۷ء میں عارضہ قلب کے سبب ریٹائرمنٹ لے لی۔

سوال: آپ نے ساری زندگی حب الوطنی کا پرچار کیا، یہ بتایئے اس کے نتائج کیا نکلے۔ کیا لوگوں میں اس کی پذیرائی ہوئی ؟

جواب: آپ نے ابھی کہا ہے کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے تو آخر میرے لئے آپ کے دل میں محبت کیوں پیدا ہوئی ، یقیناً میرے نظریات اور ملی نغموں کے سبب سے ہوئی، آپ کی طرح اور ہزاروں میرے کلام اور خیالات کو سراہتے ہیں اور ان سے بہتر نتائج کیا ہوسکتے ہیں۔ یہ بات میرے لئے باعث فخر ہے کہ لوگوں نے میری زندگی میں میرے خیالات کو پسند کیا۔

سوال: آپ اپنے والد محترم سے بھی اصلاح لیا کرتے تھے؟

جواب: والد محترم خود ایک شاعر اور ڈرامہ نویس تھے، ان کا اسم گرامی منشی رحمت علی رحمت تھا، میں ابھی چھوٹا تھا کہ وہ اللہ کو پیارے ہوگئے، وہ مجھے شاعر بنتا نہ دیکھ سکے۔ میں نے پہلی نظم ''صبح'' اس وقت لکھی تھی، جب میں آٹھویں کلاس کا طالبعلم تھا، میری شاعری پر وطن کی محبت کا رنگ چڑھتا گیا، میں نے نظموں کے علاوہ نعتیں، غزلیں، قطعات ، رباعیاں، غرضیکہ ہر انداز میں شعر کہے ،سوائے ظرافت کے جو آپ کا شعبہ ہے، میرے تین شعری مجموعے شائع ہوچکے ہیں، (۱) سرکشیدہ، آدم جی ایوارڈ یافتہ (۲) اقرا (نعتیہ مجموعہ) (۳) سمندر (نظمیں)

میرے یہ نغمے لوگوں میں بہت مشہور ہوئے :۔

(۱) میں بھی پاکستان ہوں تو بھی پاکستان ہے۔

(۲) سلام پرچم وطن سلام

(۳) یارب مرے وطن کا پرچم بلند رکھنا۔

(۴) مرے وطن مرے چمن مری تمام شاعری

نثار تیرے سائے پر نثار تیری دھوپ پر

سوال: میرے ایک سوال کے جواب میں صبا صاحب نے کہا:۔

جواب: ان کے بیٹوں میں سے دو انجینئر ہیں، اور ایک طالب علم، تین بیٹیوں میں سے دو لیڈی ڈاکٹر ہیں۔ اور ایک بینکر ہے۔

سوال: آپ اتنے بڑے قومی شاعر ہیں، اور چھوٹے سے مکان میں رہتے ہیں؟

جواب: میں نے اپنی اولاد کو تعلیم دلوائی، اب وہ باعزت زندگی گزار رہے ہیں، یہی میرا سرمایہ ہے اور یہ سرمایہ میرے وطن کی دین ہے، مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ مجھے اگر کوئی فکر ہے تو یہ کہ میری آئندہ نسل کا مستقبل تابناک ہو، وہ اپنی تمام صلاحیتیں اس ملک وقوم کی ترقی کے لئے وقف کردیں۔ اسی میں میری خوشی ہے اور اسی میں میری شاعری کا ثمر ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے وطن کو زندہ وتابندہ رکھے۔

☆☆☆☆☆

ملکہ ترنم نور جہاں

میں لاہور گیا تو میرا بھانجہ معین پیرزادہ (امریکہ) بھی میرے ساتھ تھا، معین کی خواہش تھی کہ میڈم نور جہاں سے ملاقات کی جائے۔ لہٰذا اس نے میڈم کے داماد جناب حسن سردار سے فون پر بات کر کے رات ۸ بجے کا وقت لے لیا، ہم دونوں ٹھیک ۸ بجے گلبرگ لاہور میں واقع ان کی رہائش گاہ پر پہنچے، ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا، تھوڑی ہی دیر بعد میڈم تیار ہو کر تشریف لائیں، بڑے تپاک سے ملیں، اپنی صاحبزادیوں، داماد اور دیگر افراد خانہ سے ہمارا تعارف کرایا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ سے ملاقات کا مقصد آپ سے انٹرویو کرنا بھی ہے۔ ناسازیٔ طبع کے باوجود میڈم نے آمادگی ظاہر کر دی اور پھر ہم نے ان کا مکمل انٹرویو ریکارڈ کر لیا۔

سوال: میڈم! یہ فن گائکی آپ کو ورثے میں ملا، کیا آپ نے اپنی اولاد کے لئے بھی کچھ حصہ چھوڑا، کیا آپ کی صاحبزادیوں نے بھی اس فن کو اپنایا؟

جواب: میں نے اس سلسلے میں کچھ نہیں کیا، نہ ہی ان کو موسیقی کی تعلیم دلوائی۔ میری ایک بیٹی ظل ہما کو گانے کا شوق تھا، میں اگر اسے تعلیم دلواتی تو شروع سے مگر وہ تو خود رو پودا ثابت ہوئی، اور مجھ سے چھپ چھپ کر گانے کا شوق پورا کرنے لگی۔ میری دوسری بیٹی کی آواز بھی بہت اچھی ہے مگر وہ نہیں گاتی بس ان کو اس شعبے میں اس لیے نہیں لانا چاہتی تھی کہ میری خواہش تھی کہ وہ ایک خالص گھریلو زندگی بسر کریں اپنے بچوں کی عمدہ تربیت پر پوری طرح توجہ دے سکیں میں ایک ماں ہو کر یہ کیسے چاہوں گی کہ ان کے گھریلو ماحول میں افراتفری پھیلی رہے۔

سوال: مگر آجکل آپ کی صاحبزادی ظلِ ہما تو باقاعدہ گانا گا رہی ہیں؟

جواب: ظلِ ہما جب کوئین میری کالج لاہور میں پڑھائی کے دوران ہاسٹل میں رہتی تھی تو اس نے وہاں رہ کر گانے کا شوق پورا کیا جو میرے علم میں نہ تھا۔ہاسٹل کے زمانے میں اس کی کئی سہیلیاں بنیں وہ بھی اب بال بچوں والیاں ہیں ان کے ہاں بھی تقاریب میں ظلِ ہما جاتی ہے گانا گاتی ہے اور بہت اچھا گاتی ہے۔ظلِ ہما بہت ذہین ہے سُر کو سمجھتی ہے میں نے اسے کہا کہ اگر تم مجھ سے چھپ چھپا کر گاؤ گی تو مجھے دکھ ہوگا اللہ تعالیٰ جسے اچھا ذہن عطا کرے یہ اس کی نعمت ہے۔بلاٹنگ پیپر کی طرح ہوتا ہے جو ہر فن کو اپنے اندر جذب کرلیتا ہے' آواز اور ذہن اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔

روشن آرا بائی اگر کسی پروگرام کے لئے لاہور آتیں تو شاہ نور میں میرے پاس قیام کرتیں۔ یہ بات میرے لئے باعث فخر ہے کہ مجھے ان کی قربت ملی' اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے۔ ہم ان سے پیار کرتے اور وہ ہم سے پیار کرتیں۔ مجھے وہ جو کچھ سناتیں دوسرے روز میں ان کو وہی کچھ سنا دیتی وہ کہتیں بیٹی تم تو سیاہی چٹ ہو (وہ بلاٹنگ پیپر پیپر کو سیاہی چٹ کہتی تھیں) مجھ سے گانا سنتیں تو بہت خوش ہوتیں ان کا گایا ہوا دوسرے دن میرا ہوجاتا تھا یہ سب اپنے ذہن کی بات ہے اس سے بڑے بڑے کام سرانجام دیے جاسکتے ہیں۔ میرے استاد صاحب کے ہزاروں شاگرد ہیں مگر ان کو کوئی نہیں جانتا۔

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا
کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

سوال: کیا آپ کی صاحبزادیوں میں گانے کی خداداد صلاحیت ہے' آپ یہ نہیں چاہیں گی کہ ان کی سرپرستی کریں یہ فن تو ہر عمر میں سیکھا جاسکتا ہے؟

جواب: میری بیٹیاں اپنے اپنے گھروں میں اپنے بچوں کے ساتھ خوشی خوشی زندگی بسر کررہی ہیں۔ وہ عمدہ کھانے پکاتی ہیں' نمازیں پڑھتی ہیں ان کے شوہر بھی خوش ہیں' میں ان کو کیوں ڈسٹرب کروں۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ اگر وہ گانا گائیں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا مگر اس کے لئے کسی استاد کی تربیت ضروری ہے۔ میں ان کو گانا نہیں سکھاسکتی کیونکہ وہ بہت شائی ہیں۔ ایک روز مجھے میوزیشن نے بتایا کہ وہ گانا گاتی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ گاتی ہیں تو سٹپٹا گئیں وہ مسلسل انکار کرتی رہیں۔ میں نے کہا گانا سیکھنا چاہتی ہو تو سیکھو مگر مجھ سے نہ چھپاؤ۔ میں نے منع کردیا کہ آج کے بعد تم کسی محفل میں گانا نہیں گاؤ گی۔

س: کیا انہوں نے آپ کے اس حکم کی تعمیل کی؟

ج: وہ تو میری ہر بات مانتی ہیں ایک سال تک انہوں نے پھر کسی محفل میں نہ گایا میں نے پھر یوں کیا کہ اپنے استاد صاحب سے درخواست کی کہ وہ ظل ہما کو موسیقی کی تعلیم دیں۔انہوں نے میری درخواست قبول کرلی اور پڑھانا شروع کردیا ظل ہما ان کی بہت عزت کرتی ہے اس نے استاد صاحب سے کہا کہ میرے گھر پر ہی قیام کریں۔میں نے ایک روز استاد

صاحب سے کہا آپ نے تو میرے ہاں آنا ہی چھوڑ دیا میں ہر وقت آپکو یاد کرتی ہوں۔بولے بیٹی!تم نے میری ایسی ڈیوٹی لگادی ہے کہ مجھے اب وقت ہی نہیں ملتا۔میں جب تمہیں بچپن میں تعلیم دیتا تھا تو ۱۸۔۱۸ گھنٹے ریاض کراتا تھا اب اتنی ہمت تو نہیں مگر تم فکر مت کرو میں ظل ہما کو پوری طرح تیار کر دونگا انہوں نے میری بیٹی کو ڈیڑھ سال تک موسیقی کی تعلیم دی اس کے بعد میں نے اس کو اجازت دے دی کہ محفلوں میں گا سکتی ہے۔

سوال: آپ نے کب اور کس عمر میں گانا سیکھا؟

جواب: ہمارے زمانے میں ۶ سال کی عمر میں گانا شروع کرتے تھے مگر میں نے چار سال کی عمر میں آغاز کردیا تھا۔

سوال: موسیقی کی تعلیم کے بعد ظل ہما نے کیا مقام حاصل کیا؟

جواب: وہ میرے گانوں کی ویڈیو کیسٹس سنتی ہے اور روتی ہے کہ امّی میں آپ کی طرح کیوں نہیں گا سکتی میں کہتی ہوں بیٹا!میں نے اس فن کو زندگی کے ۵۵۔۶۰ برس دیے ہیں میں نے بے پناہ محنت کی ہے۔تم جتنے عرصے میں جو کچھ کر سکی ہو بہت اچھا ہے محنت اور لگن جاری رکھو۔اب ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ تم اتنے کم عرصے میں اس فن کو پانی کی طرح پی جاؤ۔میری بیٹی سُر میں ہے وہ سُر کو سمجھتی ہے اللہ نے اس کو آواز دی ہے میں نے اس کو نصیحت کی کہ بیٹا!اس پر مغرور کبھی نہ ہونا اگر اس میں ذہانت نہ ہوتی تو میں کبھی اس کو اجازت نہ دیتی۔اب میرے دل کو سکون ہے وہ بھی

ہے اور میں بھی اور دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو مزید کامیابی عطا کرے۔

سوال: مصر کی امّ کلثوم کو صوت العرب کا خطاب ملا۔آپ کو کونسا خطاب دیا گیا؟

جواب: میری قوم نے مجھے بہت پہلے ملکۂ ترنم کا خطاب دے دیا تھا یہ میرے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے اگرچہ یہ سرکاری نہیں ہے۔میری اپنے وطن سے کوئی ڈیمانڈ نہیں میرے لیے یہی کافی ہے کہ میرے وطن کے لوگ مجھ سے بے پناہ پیار کرتے ہیں میں نے کسی حکومت سے کبھی کچھ نہیں مانگا کہ میرے آخری دنوں میں کام آئے۔ایسا سوچا بھی نہیں آج تک محنت کر رہی ہوں اور کرتی رہوں گی میرے عوام و خواص مجھ سے اتنی زیادہ محبت کرتے ہیں کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی یہ میرے لیے بہت بڑا انعام ہے۔میں بھی اللہ کے فضل سے اپنے وطن اور وطن کے لوگوں سے پیار کرتی ہوں۔

سوال: آج تک آپ کی آواز میں کوئی کمی یا کمزوری نہیں آئی اس کا کیا سبب ہے؟

جواب: میری آواز اب تک ٹھیک ٹھاک ہے اور میں پہلے کی طرح گا رہی ہوں تو یہ سب میرے اللہ کا کرم ہے اور رسول اللہ ﷺ کا صدقہ ہے۔آج بھی جو میں گا رہی ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں ۱۵ برس کی ہوں۔میں نے اپنی اس آواز کے لیے بڑے پاپڑ بیلے ہیں۔پوری زندگی کوئی نشہ نہیں کیا مضر صحت اشیا کا استعمال نہیں کیا آواز کو بچانے کے لئے ہر قسم کا پرہیز

کرتی رہی۔ مجھے اس سلسلے میں بہت محنت کرنا پڑی۔

سوال: ہر گانے والا چاہتا ہے کہ آپ کی طرح گا سکے۔ آج کل ایک خاتون آپ کی طرح گانے کی کوشش کرتی ہیں اور یہ بھی کہتی ہیں کہ میں میڈم کی طرح نہیں گا سکتی۔ آپ اس خاتون کو جانتی ہوں گی۔ ، (میڈم کو بار بار کھانسی اٹھتی رہی اور وہ بار بار ہم سے معذرت کرتی رہیں، اس دوران باہر کوئی مہمان آ گئے تو میڈم نے کہا کہ ان کو اندر بلا لو)۔

جواب: ہم اپنے والد کی نصیحت پر عمل کرتے ہیں کہ کسی پر نکتہ چینی نہ کرو، اپنے فن کی طرف دھیان دو۔ میں اس خاتون کو مشورہ دوں گی کہ وہ میری طرح گانے میں وقت ضائع نہ کریں اپنا ایک الگ مقام حاصل کرنے میں محنت کریں۔ دوسروں کی نقل کرنے میں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ مجھے دیکھیے میں ابھی تک اپنے فن سے مطمئن نہیں ہوں، اگرچہ میں نے پوری زندگی بہت محنت کی ہے اور یہ بھی ہے کہ میں نے دوسروں کی نقل کی کوشش نہیں کی۔ آج میں جو کچھ ہوں، اپنی آواز اور اپنے لہجے کی وجہ سے ہوں، کوئی چیز مستعار نہیں ہے۔ میں ہر گانے والی کی عزت کرتی ہوں، ہر ذرّہ اپنی جگہ آفتاب ہے۔

سوال: آپ کی ملاقات کبھی ام کلثوم، لتا منگیشکر اور آشا بھوسلے سے ہوئی؟

جواب: لتا جی اور آشا جی سے تو ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں، لندن میں تو بار بار یہ ملاقاتیں رہیں۔ لندن میں لتا جی میرے ہاں تھیں۔ جناب آر ڈی برمن ہسپتال میں داخل تھے۔ ہم بیمار پرسی کے لئے ہسپتال گئے۔ ان کے گھر

بھی گئے، آرڈی صاحب میرے بھائی بن گئے، ان کو راکھی باندھی، ماتھے پر چاول لگائے، تمام رسمیں پوری کیں، راکھی وہ خود ہی لائے، مجھے آرڈی بھائی نے راکھی باندھنے کے 50 پاؤنڈ دیئے۔ یہ بات میرے لئے باعث فخر تھی کہ اتنے بڑے آرٹسٹ کی میں بہن بنی۔ انہوں نے میری اور میرے فن کی بے پناہ تعریف کی اتنی زیادہ تعریف کہ اپنی زبان سے بتانا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ کوئی میری تعریف کرے اور میں طشت ازبام کروں، یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

سوال: لتا جی اور آشا جی جتنا آپ کو چاہتی ہیں کیا آپ کو ان سے اتنی ہی محبت ہے؟

جواب: اس سے کہیں زیادہ میں اپنی سگی بہنوں اور بیٹیوں سے زیادہ ان کو چاہتی ہوں۔ میں ان کے لئے دعائیں کرتی ہوں، فن گائیکی میں لتا جی کا بہت بڑا مقام ہے۔

سوال: آپ نے لتا جی اور محمد رفیع کے ساتھ کبھی گانا گیا؟

ج: لتا جی کے ساتھ تو نہیں گایا مگر سنا ہے کہ ایک گانے میں میرے ہمراہ دوسری لڑکیوں کے ساتھ وہ بھی تھیں، مگر مجھے اس بات کا علم نہیں اور نہ ہی مجھے یاد ہے۔ محمد رفیع شروع میں میرے ساتھ نہیں گاتے تھے، شوکت صاحب نے انہیں گھر پر بلایا، میں نے ان کو بہت اچھے کھانے پکا کر کھلائے۔ ان سے جب بھی میرے ساتھ گانے کو کہا، انہوں نے کہا میں باجی کے ساتھ گانے کی کیسے ہمت کروں، میں نے کہا میرے ساتھ گاؤ،

میری عزت ہوگی ، میں نے یہ بھی کہا کہ میں باجی ہوں کوئی ہوا نہیں ہوں، میرے ساتھ گانے میں کیا رکاوٹ ہے۔ آخر وہ بڑی مشکل سے گانے کے لئے تیار ہوئے، مگر عین ریکارڈنگ کے وقت انکار کر گئے، آخر ریکارڈنگ کینسل کرنا پڑی۔ میرے وہ بھائی بنے تھے، میں ان کی بہت عزت کرتی تھی، ان کی حیثیت ہمارے گھر کے ایک فرد جیسی تھی۔ ایک روز میرے ساتھ گانے کو تیار ہوگئے، اور پھر ہم نے جگنو فلم کا گانا ''یہاں بدلہ وفا کا بے وفائی کے سوا کیا ہے'' ریکارڈ کرایا۔

محمد رفیع حالانکہ گانے والے خاندان میں سے نہیں تھے، مگر اللہ تعالیٰ کا ان پر بڑا کرم تھا، بہت اچھا گاتے وہ سُر میں سُر ہوجاتے۔

سوال: اُم کلثوم سے آپ کی کبھی ملاقات ہوئی؟

جواب: میاں سعید صاحب کے داماد، ہمارے ملک کے نامور کرکٹر جناب فضل محمود جو اس وقت پاکستانی کرکٹ ٹیم کے کیپٹن تھے، میچ کھیلنے مصر گئے تو ان کی ملاقات ام کلثوم سے ہوئی۔ ام کلثوم نے فضل محمود سے پوچھا تم نور جہاں کو جانتے ہو، فضل محمود نے کہا ہمارے آپس میں بہت قریبی تعلقات ہیں۔ ام کلثوم نے میری خیریت پوچھی اور کہا کہ نور جہاں کو میں بہت پسند کرتی ہوں، میں جب بھی پاکستان جاؤں گی ، نور جہاں کو ضرور ملوں گی، فضل محمود نے مجھے کہا اری نوری! تمہاری دھوم تو بہت دور دور تک ہے۔

فنکار کہیں کا ہو انہوں نے ایک دوسرے کو بے شک نہ دیکھا ہو، مگر غائبانہ طور پر ان کا قلبی تعلق ضرور رہتا ہے۔ یہ باتیں ہورہی تھیں کہ ایک خاتون

کمرے میں داخل ہوئیں، میڈم نے کہا قاسمی صاحب! یہ میری سگی بہنوں کی طرح ہے۔ آپ ان کو ضرور پہچانتے ہوں گے، یہ رانی ہے، وہی جنرل رانی۔

سوال: میڈم! آپ کو بھی کسی دعوت میں جانا ہے، رات گیارہ بج چکے ہیں، آخر میں اگر آپ کچھ گنگنا دیں تو ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے؟

جواب: مجھے گانے یا گنگنانے میں کوئی تکلف نہیں مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں مسلسل کھانس رہی ہوں، اس وقت میرے لئے مشکل ہوگا۔

سوال: اگر کہیں تو میں گنگنا دوں؟

جواب: میڈم نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ضرور ضرور۔ آپ یقیناً گا سکتے ہوں گے، کیونکہ آپ کی آواز میں بیں Base ہے۔

میڈم نے کہا قاسمی صاحب آپ بھی اپنی صحت کا خیال رکھا کریں، ہم نے میڈم سے اجازت چاہی، ہمیں یہیں سے ڈائریکٹ ایئرپورٹ پہنچ کر کراچی کی فلائٹ پکڑنی تھی۔

جناب حسن سردار، ظل ہما اور میڈم نے ہمیں رخصت کیا۔

☆☆☆☆☆

جراحتِ دل

آج سے تقریباً آٹھ سال پیشتر اکادمی ادبیات پاکستان کی کل پاکستان اہل قلم کانفرنس میں شرکت کے لئے رخت سفر باندھا، کراچی سے لاہور پہنچا تا کہ لاہور میں اپنے برادر خورد عطاء الحق قاسمی کے گھر ایک روز قیام کرکے اسلام آباد روانہ ہوسکوں۔ عزیز دوست ڈاکٹر سعادت سعید ملنے آئے اور ہمیں گھمانے کے لئے اپنے ساتھ لے گئے، وہ جانتے تھے کہ ہم بہت خوش خوراک ہیں، لہٰذا انہوں نے گائے کے پائے ہمیں کھلائے، لاہور کی مٹرگشت کی اور شام کو عطاء الحق کے گھر واپس پہنچے تو طبیعت کچھ بوجھل سی محسوس ہونے لگی، ایک سیون اَپ کی بوتل چڑھالی، مگر طبیعت ہلکی نہ ہوئی۔ عطا مجھے ایک قریبی ڈاکٹر کے پاس لے گئے، اس نے ایک انجکشن لگادیا ،جس سے طبیعت اور زیادہ خراب ہوگئی، سانس رکنے لگی، گھبراہٹ ہونے لگی، میں گریبان کھول کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد طبیعت سنبھل گئی، اور رات کو آرام سے سوگیا سحری کے وقت پھر طبیعت خراب ہوئی اور عطاء الحق مجھے قریبی ہسپتال میں لے گئے، ہسپتال والوں نے کہا کہ ان کو آکسیجن کی ضرورت ہے جو وہاں میسر نہ تھی، عطا مجھے ایک دوسرے ہسپتال میں لے گئے، میں راستے میں بے ہوش ہوگیا، ہسپتال میں فرسٹ ایڈ کے بعد ہوش آیا۔ یہ ہمارے دل ناتواں پر پہلا حملہ تھا۔ 20 روز تک ہسپتال میں رہنا پڑا ، لہٰذا ہم دونوں بھائی کانفرنس میں شرکت نہ کرسکے۔ ڈاکٹروں نے سگرٹ پینے سے منع کردیا، ایک روز میرے کمرے میں کوئی نہ تھا میں خاموشی سے ہسپتال کی تیسری منزل سے سیڑھیوں

سے نیچے آیا ایک فرلانگ دور ایک سگرٹ کی دکان پر پہنچا دو سگریٹ خریدے اور پیتا ہوا واپس ہسپتال پہنچا، تین سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا اور اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ گھنٹی بجا کر نرس کو بلایا اور اسے بتایا کہ طبیعت سخت خراب ہے، ڈاکٹر صاحب کو بلایا جائے۔ تین ڈاکٹر بمع میڈیکل آلات کے پہنچ گئے، اور میری ای سی جی کی، بلڈ پریشر وغیرہ چیک کیا۔ پھر وہ تینوں آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے، مجھے بتایا کہ اس وقت میری طبیعت اتنی نارمل ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے ان کو بتایا کہ میں تین سیڑھیاں چڑھ کر آیا ہوں، دو فرلانگ پیدل چلا ہوں اور دو سگریٹ پھونکے ہیں، یہ سن کر ڈاکٹر ایک دم سنجیدہ ہوگئے اور میں قہقہے لگاتا رہا۔ ان کی تھیوری کچھ اور بتارہی تھی اور میرا پریکٹیکل کچھ اور، ڈاکٹروں نے بتایا کہ میری آرٹریز میں جو زخم تھا وہ ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا اسے کارڈیک انفاکشن کہتے ہیں، بہرحال مجھے ہسپتال سے بے شمار ہدایات کے ساتھ چھٹی دے دی گئی، میں کراچی واپس پہنچا، کچھ روز تک ابلا ہوا کھانا کھاتا رہا، صبح کی سیر بھی کی۔ مگر کچھ دنوں بعد وہی بدپرہیزیاں اور بے اعتدالیاں شروع ہوگئیں، البتہ دوائیں کھاتا رہا، مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

سینے میں درد رہنے لگا، زبان کے نیچے گولی رکھ لی اور سکون مل گیا مگر آخر کب تک بکرے کی ماں خیر منائے گی۔ دل پر اکثر حملے ہوتے، ہم ڈاکٹروں کے پاس جاتے رہے، ہر ڈاکٹر ہمیں سگریٹ سے منع کرتا رہا، ہم نے یہ بھی دیکھا کہ یہ ڈاکٹر خود بھی چین اسموکر تھے۔ لاہور والے ہسپتال میں ہمارے ساتھ ۹ مریض اور بھی داخل ہوئے تھے، ان کو بھی عارضۂ قلب تھا، مگر وہ نو کے نو سگریٹ نہیں پیتے تھے، صرف ہم

اس کے شوقین تھے، نو مریض جو سگریٹ نہیں پیتے تھے، ان کو بھی یہ مرض ہوا اور ہم صرف ایک ایسے تھے جو سگریٹ کے عادی تھے' ہمیں اگر ہوا تو کیا ہوا۔

چرچل نے برناڈ شاہ سے پوچھا تھا کہ آپ کی اچھی صحت اور لمبی عمر کا کیا راز ہے تو برنارڈ شا نے کہا کہ وہ سگریٹ، شراب، سور اور دوسری ایسی چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ چرچل نے کہا، میری عمر آپ سے زیادہ ہے، میری صحت آپ کی صحت سے بہتر ہے، میں یہ ساری چیزیں استعمال کرتا ہوں، ہمارا دل کا مرض بڑھتا گیا اور بدپرہیزیاں بھی اور بے اعتدالیاں بھی۔ وہی سری پائے، نہاری، تکے اور کباب، بریانی، زردہ، قورمہ، شیرمال، پراٹھے، انڈے اور دوسری مرغن غذائیں۔ ساتھ ساتھ مشاعروں کی بھرمار رات رات بھر جاگنا، مشاعرے پڑھنا اور کمپیئرنگ کرنا۔ دوست احباب منع کرتے رہے، مگر ہم ان مشوروں کو قہقہوں میں اڑاتے رہے، سگریٹ کے دھوئیں کی طرح۔ ہم اپنی بیماری کا تذکرہ بھی کرتے تو مذاقاً۔ اس مرض کو سنجیدگی سے نہ لیا۔ ڈاکٹروں کے مشوروں کو کوئی اہمیت نہ دی۔ دیکھنے میں ہم وہی ہٹے کٹے اور قہقہے لگانے والے رہے۔ کچھ لوگ یہ سمجھتے رہے کہ ہم یہ ڈرامہ کررہے ہیں، حالانکہ اندر کا حال ہم ہی جانتے تھے۔ رات دن میں کئی بار سینے میں اتنا شدید درد ہوتا تھا کہ موت نظر آنے لگتی، مگر چند منٹ بعد وہی قہقہے وہی لطیفے، کئی بار ایسا ہوا کہ شدید درد اٹھا۔ گھر والے میرے اردگرد کھڑے ہیں، فون کی گھنٹی بجی۔ فون کرنے والے کو بتایا کہ اپنا نمبر دے دیں قاسمی صاحب آپ کو رنگ بیک کریں گے، درد تھمتے ہی فون کیا جاتا تو وہ شخص حیران رہ جاتا کہ اتنے درد کے بعد یہ شخص خود فون کررہا ہے۔

یہ مٹی یا کوئی پتھر کی سل ہے
مرے سینے میں جو چھوٹا سا دل ہے

درد ہوتا رہا، وقت گزرتا گیا، انہی دنوں لندن، ناروے، دبئی اور قطر کے مشاعروں میں جانا پڑا، سفر طویل تھا، ہر ملک میں میرے میزبان پریشان تھے۔ کہ یہ شخص کہیں راستے ہی میں فوت نہ ہوجائے، مگر یہ مشاعرے میرے لئے تقویت کا باعث بنتے رہے، لندن میں ہمارے بزرگ دوست اور مزاح گو شاعر جناب بلبل کاشمیری ہمیں ونڈسر کاسل دکھانے لے گئے، یہ قلعہ نما عمارت بلندی پر واقع ہے، وہاں تک پیدل جانا پڑتا ہے، چند قدموں کے بعد میں بیٹھ جاتا، زبان کے نیچے گولی رکھتا اور پھر چل پڑتا اس پر بلبل صاحب نے ایک شعر سنایا

درد اٹھتا ہے بیٹھ جاتا ہوں
بیٹھتا ہوں تو درد اٹھتا ہے

اسی طرح اسکاٹ لینڈ میں ڈاکٹر شفیع کوثر کا مہمان ٹھہرا۔ میں نے ایڈنبرا دیکھنے خواہش ظاہر کی جہاں ایک 800 سالہ پرانے قلعے میں سلطان ٹیپو شہید کی تلوار رکھی ہے، یہ قلعہ بھی بلندی پر واقع ہے، درد ہوتا رہا اور میں اوپر کی جانب رواں دواں رہا، سلطان کی تلوار کو بوسہ دیا دل کو آرام ملا۔ کچھ ماہ پہلے ہندوستان جانا ہوا تو شملہ کے مشاعرے میں بھی شرکت کی، مشاعرہ گاہ بہت اونچی جگہ پر واقع تھی۔ میں اور طفیل ہوشیار پوری مرحوم اتنی بلندی پر پیدل نہیں جاسکتے تھے، شملے کے انسپکٹر جنرل پولیس نے خصوصی طور پر ہماری کار کو اوپر جانے کی اجازت دی۔ شملہ سے انبالہ اور انبالہ سے دہلی پھر دہلی سے ممبئی اور ممبئی سے حیدر آباد دکن تک مشاعرے پڑھ آیا۔ مرض بڑھتا گیا، علاج بھی ہوتا رہا۔ بد پرہیزیاں بھی جاری رہیں۔ علاج پہ بہت پیسہ خرچ ہوتا رہا، مرتا کیا نہ کرتا۔

تم ضیا جی قلب کے ہو عارضے میں مبتلا
کیوں تمہاری پھر سے شب بیداریاں بڑھنے لگیں

اخراجات سے تنگ آ کر یہ شعر ہوا ؎

ضیا دل کے مرض سے تو نہ مرتا
طبیبوں کے وہ ہاتھوں مرگیا ہے

کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کار چلاتے چلاتے دل میں شدید درد اٹھا اور میں تیزی سے کار چلاتا ہوا قریبی ہسپتال میں پہنچ جاتا۔ ڈاکٹر پوچھتے مریض کون ہے، جب میں یہ بتاتا کہ میں ہوں تو وہ نہ صرف حیران ہوتے بلکہ پریشان ہوجاتے کہ یہ شخص خود کار چلا کر آیا ہے۔

ڈاکٹر میرے چیک اپ میں مصروف ہوتے اور میں ان سے مسلسل باتیں کرتا۔ وہ مجھے خاموش رہنے کی تلقین کرتے مگر میں کہاں ماننے والا، میں نے ڈاکٹروں سے کئی بار پوچھا کہ کیا میرے قہقہے میری بند آرٹریز نہیں کھول سکتے تو انہوں نے کہا کہ طب کی تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا، مگر قاسمی صاحب! آپ کے قہقہے اتنے خالص اور زوردار ہوتے ہیں کہ ان سے کچھ نہ کچھ امید پیدا ہوسکتی ہے۔

لندن کے سفر میں فلائٹ کے دوران دل میں درد اٹھا، ایئر ہوسٹس کو بتایا تو وہ فوراً آکسیجن کا چھوٹا سا سلنڈر لے آئی۔ تھوڑی دیر بعد طبیعت سنبھل گئی۔ لندن میں کرامویل ہسپتال والوں نے بھی مشورہ دیا کہ جلد از جلد بائی پاس کرالیں۔ ہم نے ایک شعر کہا ؎

اک مسیحا کی یہ رائے تھی جراحت ہوجائے
ہم نے ناسور کو مستور جگر میں رکھا

بعض ڈاکٹروں نے تو اتنا ڈرادیا کہ یا تو آخری حملہ جان لیوا ہوگا یا آپ پر فالج گرے گا۔ ہم یہ باتیں سن کر ہنستے رہے۔ بعض ڈاکٹروں نے ہمیں اشارتاً بتایا کہ ہماری زندگی کے چند روز باقی رہ گئے ہیں، ہم نے کہا ڈاکٹر صاحب ہم انشاء اللہ 25 سال اور جئیں گے، ڈاکٹر ہمیں ڈانٹتے رہے اور ہم ڈانٹ خندہ پیشانی سے سنتے رہے۔ ڈاکٹر ہمیں نصیحت کرتے ہم اس کو شعروں میں ڈھال دیتے جیسے ؎

دل سے اتنا کام لو جتنا کہ اس کے بس میں ہو
ورنہ کچھ دن بعد تو یہ ہانپتا رہ جائے گا

میں جواباً ڈاکٹروں سے اشعار کی زبان میں یوں کہتا رہا ؎

مَیں مریض قلب ہوں زندہ رہوں گا کب تلک
آؤ تم کو آزمائیں کچھ مسیحائی کرو

کبھی موڈ خراب ہوتا تو میں مختلف لہجے میں بات کرتا جیسے کہ ؎

میں سرجن کو اجازت کیسے دے دوں
ہو مشق ناز اس قلب حزیں پر

یا

کرے گا وہ علاج دل ضیا جی
جو تیرا حال دل بھی جانتا ہو

مرض اتنا بڑھتا چلا گیا کہ چلنا پھرنا تو کجا کھانا پینا، منہ ہاتھ دھونا، قہقہہ لگانا، زیادہ دیر باتیں کرنا، دروازے تک چل کر جانا اور گاڑی میں بیٹھنا غرضیکہ چھوٹی چھوٹی حرکات و سکنات بھی ناقابل برداشت تھیں۔ درد کی حالت میں زبان کے نیچے Angised کی گولی رکھنے سے چند سیکنڈ

میں درد ختم ہوجاتا ہے۔ اس گولی کے موجد کا کتنا بڑا احسان ہے انسانیت پر۔ ورنہ لوگ درد کی اذیت سے تڑپ تڑپ کر مرجایا کرتے تھے۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلے کے کہ ایک غیر مسلم انسانیت پر اتنا بڑا احسان کرنے کے بعد بھی جہنم کی آگ میں جلے گا یا جنت میں جائے گا۔

میں اتنی اذیت کے باوجود آپریشن کے لئے آمادہ نہ تھا۔ ڈاکٹر کہتے رہے کہ آپریشن نہیں کراؤ گے تو فوت ہوجاؤ گے، میں کہتا کہ فوتیدگی اچھی مگر آپریشن نہیں کراؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اتنا خوبصورت جسم دیا ہے، نٹ بولٹ کھلوا کر اس کا ستیاناس کیوں کراؤں۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کو کٹا ہوا سینہ اور نس نکلی ہوئی ٹانگ کیسے دکھاؤں گا۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے جسم میں دو پھیپھڑے دو گردے دو آنکھیں دو ہاتھ دو ٹانگیں دو نتھنے دو کان مگر دل صرف ایک رکھا ہے۔ مگر اس کا سپیئر پارٹ ٹانگ میں رکھا ہے، تاکہ اگر کبھی یہ خراب ہوجائے تو ٹانگ کا ٹول بکس کھول کر اس میں لگادیا جائے۔ ڈاکٹر صدیوں تک اس نس کو فالتو سمجھتے رہے۔ سائنس کی اس حیرت انگیز کامیابی پر ہم نے دو شعر کہے ۔

سائنس نہ کہیں کھینچ دے سورج کی طنابیں
اب مجھ کو کس بات پہ حیرت نہیں ہوتی
کرے سائنس اگر دعوے خلاف عقل بھی کوئی
تو مجھ کو ایسے دعووں پر بھی حیرانی نہیں ہوتی

مرض کے دوران دل کے بارے میں کئی شعر ہوئے، چند ایک ملاحظہ فرمائیں۔

اب دل کے عارضے نے کیا ہے اسے نڈھال
ورنہ یہ قاسمی کبھی کڑیل جوان تھا

......☆......

مریض قلب ہے کب روٹھ جائے
بھروسہ کچھ نہیں ہے قاسمی کا

......☆......

زندگی کے دن گزارو عافیت سے اب ضیا
تم مریض قلب ہو لوگو سے مت الجھا کرو

......☆......

بڑے کڑیل جواں دیکھے ہیں میں نے
ضیا جیسا کوئی دیکھا نہیں ہے

......☆......

محبت ہی علاج درد دل ہے
کہا کس نے محبت ترک کردو
دل کا مرض عجیب ہے ہنسنے نہ دے مجھے
لگتا ہے رک ہی جائے گا کچھ دھڑکنوں کے بعد
بہت وہ دیر تک جاگا ہے شاید
ضیا کی پھر طبیعت مضمحل ہے

......☆......

دل کو دھڑکا سا ہمیشہ ہی لگا رہتا ہے
زخم ہر موسم ہجراں میں ہرا رہتا ہے
دل ہی اعضائے رئیسہ میں ہے اک ایسا رئیس
دولت خوں سے لبالب جو بھرا رہتا ہے

......☆......

دل کے بارے میں اشعار ہوئے آپ نے پڑھے تو ایک شعر جناب مضطر خیر آبادی کا بھی دیکھیے ۔

دل جو ڈھونڈا تو کہا ہاتھ جھٹک کر اس نے
کون ہوتے ہو مری زلف سیہ فام کے تم

لوگ ہمیں کہتے رہے کہ آپ سگریٹ چھوڑ دیں اور ہم نے کئی بار چھوڑے مگر جب حضرت تابش دہلوی سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ 70 سال سے سگریٹ پی رہے ہیں، اور ان کو کوئی بیماری نہیں ہوئی، بلکہ 82 سال کی عمر میں بھی وہ تندرست و توانا ہیں۔ میں نے پوچھا کیا آپ نے 12 سال کی عمر میں سگریٹ پینا شروع کر دیا تھا تو انہوں نے فرمایا ہاں! کیونکہ میرے بڑے بھائی مجھ سے سگریٹ منگوایا کرتے تھے، مجھے اس لئے پلاتے تھے کہ میں گھر والوں سے ان کی شکایت نہ کر دوں۔

راتوں کو جاگنا۔ سگریٹ پینا، ورزش نہ کرنا، مرغن غذائیں کھانا، آرام نہ کرنا، ان چیزوں نے درد میں اضافہ کر دیا۔ اب تو اتنا درد ہونے لگا کہ ہم نے آخر آپریشن کرانے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ شہر کے ایک اچھے ہسپتال میں داخل ہو گئے، دوسرے روز آپریشن تھا۔ آپریشن تھیٹر میں سرجن صاحب نے مجھے کہا کہ کوئی شعر سنائیے۔ اس وقت مجھے انیستھیزیا دے چکے تھے۔ میں نے جناب انور مسعود کا قطعہ سنایا ۔

دل کی بیماری کے اک ماہر سے پوچھا میں نے کل
روگ کیوں لگتا ہے یہ انسان ہی کی جان کو
ڈاکٹر صاحب نے فرمایا توقف کے بغیر
''درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو''

آپریشن کے بعد ہوش آنے پر ڈاکٹر صاحب نے مجھے بتایا کہ میں نے پہلے تین مصرعے تو بہت اچھی طرح سنائے، مگر چوتھے مصرعے تک پہنچتے پہنچتے اینستھیزیا مجھ پر اثر کر چکا تھا، مگر چوتھا مصرع بھی لڑکھڑاتی زبان سے سنا ہی دیا۔

آپریشن کے بعد پتہ چلا کہ انجوگرافی کی رپوٹ کے مطابق میری تین آرٹریز بند تھیں، مگر آپریشن کے دوران پتہ چلا کہ تین نہیں چار آرٹریز بند ہیں، جو کہ بدل دی گئیں۔ آپریشن کے بعد چند گھنٹوں میں ڈاکٹر نے بتایا کہ اندر بلیڈنگ شروع ہوگئی ہے، دوبارہ آپریشن ہوگا، جو کئی گھنٹوں تک ہوتا رہا اور میرے احباب آپریشن تھیٹر کے باہر بے چینی سے انتظار کرتے رہے۔ مجھے I.C.U میں منتقل کر دیا گیا، تیسرے روز میں خود چلنے لگا، سیڑھیاں اترا اور چڑھا اور پھر سگریٹ بھی شروع کر دیا، چار پانچ روز بعد سگریٹ پینے کو ملا مزا آ گیا۔

آپریشن کے بعد میں نویں روز گھر آیا۔ نقاہت بہت زیادہ تھی۔ مگر میں نے دبا کر خوراک شروع کی۔ تازہ پھلوں کا رس، مرغی کا سوپ، تکے، کباب، انڈے اور جو کچھ مل سکتا تھا۔ آہستہ آہستہ طبیعت میں بشاشت اور شگفتگی آ رہی ہے۔ مگر ٹانگ اور سینے کے زخم میں ابھی دکھن ہے۔ دل کا درد بالکل ختم ہو چکا ہے، آپریشن کے بعد کے اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

اطبا نے بتایا ہے جناب قاسمی کو یہ
ہوئی ہیں آپ کے دل کی کم از کم چار ویسل بند
نکالی ٹانگ سے اور جوڑ دی ہیں دل کے پہلو میں
لگا ہے خوب کیا کمخواب میں یہ ٹانگ کا پیوند

......☆......

شہر دل سے اب گزر سکتے ہیں سارے مہ جبیں
موسم جاں ان کو آئے گا یقیناً راس اب
کوئی بھی اب روسیہ اس دل میں آسکتا نہیں
بن چکا ہے شہر دل کے پاس بائی پاس اب

......☆......

"ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مناجات"
اس جرم میں ہم ہوگئے پہلے سے جواں زور
ہم زیست کے بارے میں ہیں غالبؔ کے مقلّد
"لے آئے ہیں بازار سے جاکر دل و جاں اور"

ہوا ہے جب سے سینہ چاک میرا
مرے اندر نقاہت آگئی ہے
گلے مجھ سے ملیں وہ ہولے ہولے
جراحت سے نزاکت آگئی ہے

☆☆☆☆☆

کاتب یا کمپوزر کی ستم ظریفیاں

کاتب یا کمپوزر کی غلطیاں زمانے بھر میں مشہور ہیں' ہر کوئی ان کا زخم خوردہ ہے۔ غلطی کرنا تو سمجھ میں آتا ہے مگر جان بوجھ کر بزعم خویش اصلاح کے نام پر غلطی نہیں حماقت کہلاتی ہے۔ میں نے لکھا میرا دل خوشی سے بلیوں اُچھلا۔ کاتب سمجھا شاید مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ اُس نے اس کی یوں "تصحیح" کردی۔ میرا دل خوشی سے بلیوں کی طرح اُچھلا۔ دلاور فگار نے کہا تھا ۔

جانے کس کس کے گنہ ہم کو بھگتنا پڑتے
خیریت گزری کہ تم کاتبِ تقدیر نہ تھے

مشتاق احمد یوسفی صاحب کی گلفشانیاں

نیویارک کے ممتاز شاعر جناب مسرور جاوید کراچی آئے تو معروف شاعرہ ذکیہ غزل نے اپنے مکان پر ان کے اعزاز میں ظہرانے کا اہتمام کیا۔ جناب مشتاق احمد یوسفی' جناب سجاد میر اور پیرزادہ قاسم کے علاوہ دیگر شعرا بھی موجود تھے۔ میں نے یوسفی صاحب کو بتایا کہ دسمبر میں منعقد ہونے والی عالمی طنز و مزاح کانفرنس کے کچھ مندوبین کے لئے ہوائی جہاز کے ٹکٹ خریدے جائیں گے اور کچھ کے لئے ریل گاڑی کے۔ یوسفی صاحب نے فرمایا اور کچھ کے لئے مال گاڑی کے جس کی بلٹی آپ خود چھڑوائیں گے۔

یوسفی صاحب کی مزید گوہر فشانیاں

میں نے یوسفی صاحب کو بتایا کہ ہندوستان میں ایک شاعر ہر مشاعرے میں پرانی قمیص پہن کر جاتا اور غزل پڑھتے ہوئے جوش میں آ کر قمیص پھاڑ دیتا تو

منتظمین مشاعرہ کو اس کے بدلے شاعر کو نئی قمیص دینا پڑتی اس طرح وہ مشاعروں سے اچھی خاصی تعداد میں نئی قمیصیں جمع کر لیتا۔ یوسفی صاحب نے کہا قاسمی صاحب! اگر اُس شاعر کو آپ کی قمیص دی جاتی تو وہ کیسے پہنتا اور اُسے لیکر کیا کرتا۔

یوسفی صاحب نے بتایا

مشتاق احمد یوسفی صاحب نے گفتگو کے دوران ایک واقعہ سنایا کہ وہ اور ان کا صاحبزادہ محلے کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے گئے۔ یوسفی صاحب اس وقت مسجد میں داخل ہوتے تھے جب امام صاحب خطبہ پڑھ چکتے اور نماز شروع ہونے لگتی۔ اس روز امام صاحب نے یوسفی صاحب کو دیکھ کر کہا بعض جہنمی لوگ جمعہ پڑھنے اس وقت مسجد میں داخل ہوتے ہیں جب میں وعظ کر چکتا ہوں۔

میرا داماد مبین پیرزادہ

میرا داماد مبین پیرزادہ میرا سگا بھانجہ بھی ہے' بہت غریب پرور اور رحمدل انسان۔ اُس نے اپنا مستقبل سنوارنے کے لئے آغاز جوانی ہی سے بطور کنٹریکٹر محنت کو اپنا شعار بنالیا تھا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اُس کو کامیابیاں عطا کیں۔ اُس نے دن رات اتنی محنت کی کہ اُس کا شمار معروف کنٹریکٹرز میں ہونے لگا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے مزار کی آرائش و زیبائش کا ٹھیکہ بھی اُس نے حاصل کرلیا جو ۳۲ کروڑ روپے کا تھا۔ اُس نے بڑی تیزی سے اس کا آغاز کردیا اور تقریباً ۳ کروڑ روپے اس پر خرچ بھی کردیے مگر ایک روز اچانک چند فوجی افسران آئے اور زبانی یہ ٹھیکہ ختم کر کے کسی اور کنٹریکٹر کو دے دیا گیا۔ یہ اُن سے پوچھتا رہا کہ اس منسوخی کا سبب کیا ہے۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ مبین نے عوامی مسائل کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھی جس میں حکومت کو بڑے مفید مشورے دیئے۔ ایک مشورہ یہ بھی دیا تھا کہ شہروں کے اندر جگہ جگہ چنگی ناکے ختم کردئے جائیں۔ اس کا یہ مشورہ مان لیا گیا

اور پورے پاکستان میں چنگی ناکے ختم کر کے ہر شہر کے باہر صرف ایک چنگی ناکہ باقی رکھنے کے احکامات جاری ہو گئے۔ یہ سلسلہ بھی جاری رہا اور اس کے ساتھ ساتھ اُس نے بجلی کے پول' پائپ اور بلاکس بنانے کی فیکٹری بھی قائم کر لی اور ایک انتہائی خوبصورت بنگلہ بھی تیار کر لیا جس میں وہ اپنے تین بیٹوں' ایک بیٹی اور بیگم کے ساتھ خوشگوار زندگی گزار رہا ہے۔ وہ کارزار سیاست میں بھی اپنی صلاحیتیں منوانے آیا مگر کاروبار پر برے اثرات پڑتے دیکھ کر اس سے تائب ہو گیا۔ وہ خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہے۔ وہ عزیز و اقربا' احباب اور غریب لوگوں کی مدد کے لئے ہروقت تیار رہتا ہے۔ اتنا نرم دل ہے کہ کسی کی پریشانی دیکھ کر خود بھی پریشان ہو جاتا ہے اور ہر طریقے سے اس کی معاونت کر کے اس کی پریشانیوں کو دور کرتا ہے۔ تمام رشتہ دار اور ملنے والے اس کے گن گاتے ہیں۔ وہ ہاکی اور کرکٹ کا کھلاڑی بھی ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی خوبیاں جمع کر دی ہیں کہ دیکھنے والے رشک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

میرے چاروں داماد بہت اچھے ہیں

میری چاروں بیٹیاں اور تین میں سے دو بیٹے شادی شدہ ہیں۔ سب سے بڑا بیٹا ظفیر الحق قاسمی چار بچوں کا باپ ہے' دوسرا بیٹا فہیم الحق قاسمی ایک بچے کا والد ہے' تیسرا بیٹا سفیر الحق قاسمی غیر شادی شدہ ہے۔ میرے چاروں داماد ماشاء اللہ تعلیم یافتہ اور برسرروزگار ہیں۔ میری چاروں بیٹیاں ایم۔اے ہیں۔ سب سے بڑے داماد مبین پیرزادہ میرے سگے بھانجے بھی ہیں' ان کے چار بچے ہیں۔ مبین ایک معروف کنٹریکٹر اور ایک فیکٹری کے مالک ہیں۔ میرے دوسرے داماد نسیم پرویز کراچی میں ڈائریکٹر ٹیلیفون تھے پھر وہ بچوں سمیت کینیڈا شفٹ ہو گئے جہاں وہ ٹیلیفون ہی کے محکمے میں ذمہ داریاں پوری کر رہے ہیں' ان کے تین بچے ہیں جو اعلیٰ تعلیم حاصل

کرر ہے ہیں۔ تیسرے داماد سید ڈاکٹر سعید احمد ترمذی ہیں جو جامشورہ یونیورسٹی میں سینئر پروفیسر ہیں ان کے تین بچے ہیں۔ چوتھے داماد فاروق بن حبیب ہیں جو چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ ہیں اور ان کے دو بچے ہیں۔ یہ خاندانی لوگ ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مزید خوشحالیاں نصیب کرے۔

میری چھ بہنیں ہیں

میری چھ بہنیں ہیں سب سے بڑی بہن کی عمر ۸۵ سال ہے وہ آج بھی تازہ شعر کہتی ہیں۔ ان کے شوہر میر محمد رفیق اسکول ماسٹر تھے ان کا انتقال ہو چکا ہے ان کے چھ بچے ہیں جو سب شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔ دوسری بہن کی عمر ۷۵ سال ہے ان کے شوہر امین پیرزادہ کا حال ہی میں امریکہ میں انتقال ہوا ہے۔ انکے نو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں جو سب شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔ میری تیسری بہن ۷۰ سال کی ہیں ان کے شوہر سید سلیمان شاہ کا انتقال تین سال پہلے ہوگیا تھا۔ ان کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں جو شادی شدہ ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔ میری چوتھی بہن ۶۸ برس کی ہیں ان کے شوہر میر عبداللہ شاہ کا انتقال ابھی حال ہی میں ہوا ہے۔ ان کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں اور ماشاء اللہ خوشحال ہیں۔ میری پانچویں بہن ۶۴ سال کی ہیں ان کے شوہر شیخ عبدالمجید کا انتقال ۱۰ سال پیشتر ہوگیا تھا ان کا ایک بیٹا اور تین بیٹیاں شادی شدہ ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔ میری چھٹی بہن کی عمر ۵۵ سال ہے ان کے شوہر سید عزیز شاہ ہیں ان کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے جو میری بہو بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ میرے اکلوتے بھائی عطاء الحق قاسمی' میری چھ بہنوں' میرے بیٹے بیٹیوں اور ان کی اولاد کو خوش و خرم رکھے۔

☆☆☆☆☆

باہمت لوگ

میں نے جنرل محمد ضیاء الحق کے لئے ۱۲۰ رشعرا سے منظوم خراج ہائے تحسین لکھوا کر ''ضیائے حق'' کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کئے تو جنرل صاحب نے یہ کتاب دیکھ کر مجھ سے کہا کہ آپ نے میری تعریف کر کے اپنا وقت اور سرمایہ ضائع کیا ہے اگر آپ میرے رسول ﷺ کی مدح کرتے تو مجھے دلی خوشی ہوتی۔ رسول ﷺ کی مدحت واقعی ایک بڑی سعادت ہے اور نعت خصوصاً نعت خوانی کے شعبے میں جنرل محمد ضیاء الحق کی کاوشوں سے خاصی پیشرفت ہوئی ہے۔ ہزاروں شعرا نے نعتیں کہیں اور ہزاروں مجموعے شائع ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے حوالے سے دنیا بھر میں بے شمار زبانوں میں جتنا لکھا گیا اتنا دوسرے کسی مذہبی رہنما یا پیغمبر کے لئے نہ لکھا جاسکا۔

حمد باری تعالیٰ کے شعبہ میں نسبتاً کم لکھا گیا۔ مگر کراچی کے جناب طاہر سلطانی نے اس شعبے کو بھی چار چاند لگادیے۔ یہ دبلا پتلا خوش مزاج انسان بلا کی ہمت رکھتا ہے اور اپنی زندگی حمد باری تعالیٰ کے لئے وقف کر چکا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و حاکمیت کا پرچم لہرا رہا ہے۔ ایسے باہمت لوگوں کو دیکھ کر اپنی کم ہمتی پر افسوس ہوتا ہے۔ یہ لوگ اس دنیا ہی میں اپنے لئے جنت بنا رہے ہیں۔ یہ شریف النفس انسان اللہ تعالیٰ کا عاشق ہے۔ یہ نعت گو شاعر بھی ہے اور نعت خواں بھی مگر حمد خدا کے سلسلے میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے۔ ان کے صاحبزادگان بھی اس سلسلے میں ان سے بھرپور معاونت کرتے ہیں۔ طاہر سلطانی حمد کے سلسلے میں وہ بڑے بڑے کام کر رہے ہیں جو بڑے بڑے اداروں کے بھی بس میں نہیں۔ وہ حمد کے موضوع پر کئی کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ اور سب

شمار مشاعرے کرا چکے ہیں۔ اسی حوالے سے انہوں نے ۱۹۸۸ء میں ''جہانِ حمد'' کے عنوان سے ایک رسالے کا اجرا کیا جس کے نو ضخیم شمارے منظر عام پر آچکے ہیں۔ انہوں نے بطور پبلشر پانچ شعرا کے حمدیہ مجموعے بھی شائع کئے۔ ان کی مطبوعہ کتابوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:۔

خزینۂ حمد:

اس میں ۴۰۴ رشعرا کا حمدیہ کلام جمع کر دیا گیا ہے۔ علاقائی زبانوں میں حمدیہ کلام کا ترجمہ بھی اس میں شامل ہے۔

اذانِ دیر:

اس کتاب میں ۹۴ر ہندو شعرا کا حمدیہ کلام ان کے تعارف کے ساتھ شامل ہے۔

حریمِ ناز میں صدائے اللہ اکبر:

اس مجموعہ میں ۹۹ر شاعرات کا حمدیہ کلام اور ان کے کوائف شامل ہیں۔

یاد رہے کہ ''اذانِ دیر'' اور ''حریمِ ناز میں صدائے اللہ اکبر'' اُردو حمدیہ ادب میں نقشِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حمد کی بہاریں:

اس مجموعہ میں ان ۲۵ شعرا کا حمدیہ کلام شامل کیا گیا ہے جن کے حمدیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ (زیرِ طبع)

طاہر سلطانی نے برصغیر کی اُردو تاریخ میں پہلے ماہانہ طرحی حمدیہ مشاعروں کی داغ بیل ڈالی اس سلسلے کے آٹھ مشاعرے منعقد ہو چکے ہیں۔

میں جب نور احمد میرٹھی (مولف ''بہر زماں بہر زباں'' ساڑھے تین سو غیر مسلم شعرا کی نعتیں) اور جناب طاہر سلطانی جیسے دیندار، مخلص اور محنتی لوگوں سے ملتا ہوں تو میرے اندر ایک روحانی قوت سمٹ کر آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان نیک کاموں میں حکومت ان کی سرپرستی کرتی مگر ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ لوگ اپنی جمع پونجی میں سے اتنا عظیم کام تنہا کر رہے ہیں۔ حکومت کی طرف سے اب تک ان کو کوئی ایوارڈ دیا گیا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی مالی امداد۔

رابطہ:۔ جناب طاہر سلطانی۔ پتہ: 38/26، بی ون ایریا لیاقت آباد کراچی 75900

ای میل:۔jahanehamd@yahoo.com۔فون:۔4922701

☆☆☆☆☆

دولت مند بھکاری

راقم الحروف کا کاروں کے ایک شو روم میں جانا ہوا تو شوروم کا مالک خوش اخلاقی سے پیش آیا کچھ دیر اس سے بڑی اچھی ادبی اور سیاسی گفتگو رہی یہ ایک خوبصورت پڑھا لکھا خوشحال نوجوان تھا۔شوروم سے متصل ایک بنگلے کے گیٹ سے ایک بزرگ نکلے اور اس نوجوان سے کچھ کہہ کر چلے گئے۔راقم الحروف نے اس نوجوان سے پوچھا یہ بزرگ کون ہیں تو اس نے جواب دیا یہ میرے والد صاحب ہیں۔راقم نے پوچھا یہ کیا کام کرتے ہیں تو اس نوجوان نے کہا ہمارے ہوتے ہوئے ان کو کوئی کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔یہ روزانہ صبح گھر سے نکلتے ہیں اور اپنی پانچ شادی شدہ بیٹیوں کے گھروں پر جاتے ہیں اور اپنے نواسے نواسیوں سے کھیلتے ہیں اور اس طرح شام کو میرے گھر پر آجاتے ہیں۔راقم نے کہا نہیں ایسا نہیں ہے یہ اپنی بیٹیوں کے ہاں نہیں جاتے میں ان کو اچھی طرح جانتا ہوں یہ صبح ۹ بجے سے لیکر سہ پہر ۴ بجے تک پی این ایس سی بلڈنگ واقع مولوی تمیز الدین روڈ کے سامنے کھڑے ہوکر تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے ہر آنے جانے والے سے بھیک مانگتے ہیں اس بلڈنگ کے آس پاس اور بھی کئی دفاتر ہیں جن میں ہزاروں لوگ کام کرتے ہیں وہ ان کا بڑھاپا اور نورانی صورت دیکھ کر خوب پیسے دیتے ہیں۔میں نے ان کی انکوائری کی ہے وہاں کے دفاتر میں کام کرنے والے لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی روزانہ آمدنی کم از کم ۵۰۰ روپے ہے۔نوجوان نے میری باتیں سن کر کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا صرف اتنا کہا قاسمی صاحب!میں ایک عزت دار آدمی ہوں یہ بات کسی اور کو نہ بتائیں ورنہ میری سبکی ہوگی اور میرا کاروبار بری طرح متاثر ہوگا۔میں نے اس نوجوان سے پوچھا کہ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ تمہارے والد صاحب ایک بھکاری ہیں اس نے کہا میں نہیں جانتا مگر میں اپنے والد صاحب سے ضرور پوچھوں گا

گا۔دوسرے روز اس نے خود تصدیق کردی۔کچھ روز بعد ان کے ایک پڑوسی نے نہ صرف تصدیق کردی بلکہ یہ بھی بتایا کہ اس بوڑھے کی اولاد اس کی ان حرکتوں سے واقف ہے اور یہ بیٹا اس کا شراکت دار ہے۔اِنَا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن٥

اگر ایک بوڑھا شخص روزانہ ۵۰۰ روپے بھیک مانگ کر کما سکتا ہے تو وہ بھکاری جس کے تمام اہلِ خانہ بھیک مانگتے ہوں، ان کی آمدنی کتنی ہوگی۔ یہ لوگ نہ صرف بھیک مانگتے ہیں، بلکہ خواتین کے پرس بھی چھین لیتے ہیں، اس کے علاوہ دوسری وارداتوں میں ملوث ہوکر خاصی رقم کمالیتے ہیں۔ کچھ روز پہلے میں نے دو برقع پوش خواتین اور دو ہٹے کٹے مردوں کو ایک ٹیکسی سے اترتے دیکھا دونوں خواتین کا لباس اور برقعے نہایت عمدہ اور دلکش تھے مگر دونوں مرد اپنی شکلوں سے جرائم پیشہ نظر آرہے تھے. انہوں نے دونوں عورتوں کو کچھ ہدایات دیں اور مختلف دکانوں کی طرف اشارہ کرکے آگے بڑھ گئے، وہ دور سے ان خواتین کی مسلسل نگرانی کرتے رہے، وہ عورتیں پانچ سات دکانوں پر گئیں اور پھر مارکیٹ کے آخری سرے تک چلی گئیں، جہاں وہ دونوں مرد کھڑے تھے انہوں نے ایک ٹیکسی رکوائی اور اس میں بیٹھ کر چلے گئے۔ راقم اپنی کار کی مرمت کے سلسلے میں اس مارکیٹ میں آیا تھا اور ایک مکینک کی دکان پر بیٹھ کر یہ سارا منظر دیکھتا رہا راقم نے چار پانچ دکانداروں سے جاکر پوچھا کہ کیا وہ دوعورتیں بھیک مانگنے آئی تھیں، تو انہوں نے بتایا ہاں بھیک مانگنے ہی کا بہانہ بناکر آئیں تھیں مگر ان کا مقصد کچھ اور تھا، آپ سمجھ گئے ہوں گے۔

کراچی کے ہر بڑے چوراہے میں برقع پوش خواتین' بچے' بوڑھے اور جعلی اپاہج آپ کو بھیک مانگتے نظر آئیں گے ان کی ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ وہ سڑک پر گھسٹتے گھسٹتے عین گاڑیوں کے سامنے آجاتے ہیں، ڈرائیور اگر ان کو دیکھ نہ پائے تو وہ گاڑی کے نیچے بھی آسکتے ہیں۔ ڈیوٹی پر موجود پولیس اور رینجرز یہ تماشہ دیکھتے رہتے ہیں اور ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ انہی چوراہوں کے آس پاس ہیروئن کا نشہ

کرنے والے درختوں کے نیچے سروں پر چادر تان کر اور سر جوڑ کر ہیروئن کے سوٹے لگا رہے ہوتے ہیں اور انتظامیہ کے لوگ ان کے پاس سے دیکھتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ ان بھکاریوں کو ان کا ٹھیکیدار ایک سوزوکی کے ذریعے مختلف چوراہوں میں پک اینڈ ڈراپ کی ذمہ داریاں ادا کرتا ہے اور شام کو ان سے حساب کتاب کرتا ہے۔

کراچی شہر میں غیر ممالک کے ٹورسٹ آتے رہتے ہیں، وہ بھکاریوں کی اتنی بڑی تعداد دیکھ کر حیران ہوتے ہیں، مگر ہم نہ حیران ہوتے ہیں اور نہ ہی پریشان۔ حالانکہ ان لوگوں کو ختم کرنا کوئی مشکل کام نہیں، جبکہ حکومت اپنی مرضی کے معاملات کو آہنی ہاتھوں سے نمٹنا جانتی ہے۔

☆☆☆☆☆

طنز و مزاح لکھنا پل صراط سے گزرنے کے مترادف ہے

ممتاز طنز و مزاح نگار ضیاء الحق قاسمی سے ملاقات

اختر سعیدی (روزنامہ ''جنگ'' کراچی)

☆☆☆☆☆

جناب ضیاء الحق قاسمی کا تعلق ایک علمی گھرانے سے ہے۔ ان کے والد مولانا بہاء الحق قاسمی اور دادا' مولانا مفتی غلام مصطفٰے قاسمی کا شمار اپنے وقت کے ممتاز علماء میں ہوتا تھا۔ اُن کے چھوٹے بھائی عطاء الحق قاسمی ایک شاعر اور ادیب کی حیثیت سے پوری دنیا میں پہچانے جاتے ہیں۔ یہ وہ پس منظر ہے' جس نے ضیاء الحق قاسمی کو ''سخن آباد'' کی شہریت عطا کی۔

ضیاء الحق قاسمی سنجیدہ شاعری بھی کرتے ہیں' لیکن اُن کی وجہ شہرت مزاح نگاری ہے' وہ کم و بیش ۲۵/ برس سے شاعری کررہے ہیں۔ اُن کی شاعری پر کوئی رائے دینا ہمارا منصب نہیں لیکن اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ ان کی زیادہ تر شاعری مزاح پر مبنی ہے۔ طنز نگاری سے شاید انہوں نے شعوری طور پر گریز کیا ہے۔ کیوں کہ طنز کا تیر' تلوار کی کاٹ سے زیادہ اثر رکھتا ہے۔

ضیاء الحق قاسمی مشاعروں کے اعلیٰ منتظم کی حیثیت سے بھی اپنی نمایاں شناخت رکھتے ہیں۔ تقریباً ۲۰/ برس سے ماہنامہ ظرافت نکال رہے ہیں۔ مشاعروں میں نظامت کے فرائض بھی نہایت خوش دلی سے انجام دیتے ہیں۔ ایک زمانے میں سیاست سے بھی دلچسپی رہی' اور جیل بھی گئے۔

ضیاء الحق قاسمی ۵/ مئی ۱۹۳۵ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ایم اے تک تعلیم حاصل کی۔ مزاحیہ شاعری پر مشتمل ان کا پہلا شعری مجموعہ ''رگِ ظرافت'' کے نام سے ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد آنے والی کتابوں کی ترتیب کچھ اس طرح ہے ''ضیاء پاشیاں'' (فکاہیہ کالم) ۱۹۹۲ء' ''چھیڑ خانیاں'' (۸۰ شخصیات کے منظوم

مزاحیہ خاکے) ۱۹۹۳ء ''ہرے بھرے زخم'' (سنجیدہ شاعری) ۱۹۹۴ء اور ''گل فشانیاں'' (مزاحیہ شاعری) ۱۹۹۶ء۔ انہوں نے ادبی سفر کا آغاز ۱۹۸۴ء میں کیا تھا۔ جناب ضیاء الحق قاسمی سے پچھلے دنوں ہم نے ایک ملاقات کی اِس دوران ہونے والی گفتگو نذرِ قارئین ہے۔

سوال: آپ نے اپنے ادبی سفر کا آغاز کب کیا' کیا اس کا کوئی خاص پس منظر تھا؟

جواب: خدا کے فضل سے میرا تعلق ایک علمی خانوادے سے ہے۔ میرے والد مولانا بہاء الحق قاسمی نے ''تذکرۂ اسلاف'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی' جو ہمارے خاندانی پس منظر کو جاننے کے لئے معاون ثابت ہوسکتی ہے۔ میرے دادا مفتی غلام مصطفےٰ قاسمی اور پر دادا غلام رسول قاسمی تھے' میرے چھوٹے بھائی عطاء الحق قاسمی سے تو پوری اُردو دنیا واقف ہے۔ میری پیدائش سے پہلے میرے والد کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ ایک دن مولانا اشرف علی تھانوی امرتسر ہمارے گھر تشریف لائے تو اباجی نے ان سے درخواست کی کہ آپ میرے گھر میں بیٹے کے لئے دعا کریں' ان کی دعاؤں کے طفیل میں پیدا ہوا۔ میرا نام ضیاء الحق قاسمی مولانا اشرف علی تھانوی ہی نے رکھا تھا۔ میری پیدائش ۱۹۳۵ء کی ہے۔ ایک عجیب و غریب بات یہ ہوئی کہ جس دن میں پیدا ہوا۔ اسی دن کوئٹہ میں زبردست زلزلہ آیا' اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ زلزلہ میرے پیدا ہونے پر آیا یا زلزلہ آنے پر میں پیدا ہوا۔

سوال: آپ کی گفتگو سے علم ہوا کہ آپ کا تعلق علماء کے گھرانے سے ہے' اس حساب سے تو آپ کو بھی مولوی بننا چاہیے تھا' لیکن آپ شاعر بن گئے اور شاعری میں بھی آپ نے مزاح نگاری کا انتخاب کیا' اس سلسلے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: بچپن میرا امرتسر میں گزرا' وہاں میں نے قرآن مجید حفظ کیا' قارئ بنا'

مسجدوں میں اذان دی، امامت بھی کی۔ میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ بچپن میں میری آواز بہت اچھی تھی، اب بھی میں اس سلسلے میں خوش گمان ہوں۔ جہاں تک علم و ادب سے رغبت اور شاعری کا تعلق ہے، یہ بھی میرا خاندانی ورثہ ہے، میری خالائیں، پھوپیاں اور بہنیں بھی شعر کہتی تھیں، بڑی بہن کی عمر ۸۵ ربرس ہے، لیکن وہ آج بھی شاعری کرتی ہیں۔ چھوٹے بھائی عطاء الحق قاسمی کی ادبی جہتوں سے کون واقف نہیں۔ والد صاحب بھی اعلیٰ شعری ذوق رکھتے تھے، حسِ مزاح اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ شاعری تو لڑکپن ہی سے مجھ میں موجود تھی، لیکن کاروباری مصروفیات کے باعث اظہار کے مواقع کم ہی ملتے تھے۔ پھر میں کاروبار ختم کرکے سیاست میں لگ گیا۔ کبھی جیل، کبھی ریل، کبھی ادھر کبھی اُدھر۔ فرصت ملنے کے بعد میں نے حیدر آباد میں طنز و مزاح کے مشاعروں کی بنیاد رکھی۔ اُس زمانے میں شفیق الرحمان پراچہ حیدر آباد میں ڈپٹی کمشنر ہوا کرتے تھے اور زین صاحب کلکٹر کسٹمز، ان دونوں شخصیات کے تعاون سے میں نے ۱۹۸۴ء میں حیدر آباد میں پاک و ہند طنز و مزاح مشاعرے کا اہتمام کیا، جس کی صدارت رئیس امروہوی مرحوم نے کی تھی۔ وہ مشاعرہ، طنز و مزاح کے مشاعروں کی بنیاد ثابت ہوا۔ اس موقع پر میں نے ''ظرافت'' کے نام سے ایک مجلّہ بھی چھاپا تھا، لوگوں نے اس کی بہت تعریف کی اور بعض احباب نے اسے جاری رکھنے کا بھی مشورہ دیا۔ بہر حال کافی دن تک اپنی جیب سے پیسے خرچ کئے اور پرچہ چلاتا رہا۔ لیکن کب تک؟ اور ویسے بھی کاروبار ختم کرنے کے بعد بے روزگاری شروع ہوچکی تھی۔

سوال: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ''ظرافت'' ایک سطحی پرچہ ہے، اس میں طنز و مزاح کے حوالے سے اچھا اور معیاری مواد فراہم نہیں کیا جاتا؟

شعراء کو اپنے نزدیک نہیں آنے دیتے جن کے ہاں گندگی کا شائبہ بھی ہو۔ اگر کوئی ایک آدمی پھکڑ پن کا مظاہرہ کررہا ہے تو اس کی سزا سب کو تو نہ دی جائے۔ میرے جس قطعے پر گندگی یا پھکڑ پن کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اُس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں ۔

قلم دو چار ایسے ہی لگا لیتا ہوں جیبوں میں
مرے احباب میں اس سے مری توقیر بڑھتی ہے
کبھی لکھنے لکھانے کی نوبت ہی نہیں آتی
میں ناڑا ڈال لیتا ہوں ضرورت جب بھی پڑتی ہے

اس قطعے میں کون سا پھکڑ پن ہے' کس گندگی کی طرف اشارہ ہے۔ ناڑے کا استعمال اساتذہ نے بھی اپنی شاعری میں کیا ہے۔ یہ کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ جب مزاح پر گفتگو ہوگی تو آغاز جعفرز ٹلی سے کیا جائے گا۔ وہ شاعر تھا نہ ادیب۔ اُس کی شاعری میں گندگی اور فحاشی کی انتہا ہے۔ پھر سودا اور انشاء کو دیکھیے اتنی فحش نگاری کہ آپ وہ کلام پڑھ نہیں سکتے' سنانا تو دور کی بات ہے اور نقادانِ ادب اس شاعری کو ادبِ عالیہ قرار دیتے ہیں اور ہمارے ہاں ذرا سا ''ذم'' کا پہلو نکل آئے تو ہمیں قابلِ گردن زدنی قرار دیا جاتا ہے۔

سوال: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کراچی میں ادبی سیاست کو فروغ دینے والوں میں آپ کا نام بھی شامل ہے؟

جواب: میں تو ادب کو ادب اور سیاست کو سیاست سمجھتا ہوں' نہ جانے کس تناظر میں یہ الزام مجھ پر لگایا گیا ہے۔ شاید میرا جرم یہ ہے کہ میں گاہے بگاہے کراچی کے لوگوں کو ہنسنے ہنسانے کے مواقع فراہم کرتا رہتا ہوں اور کچھ لوگوں کو میرا یہ انداز گوارا نہیں ہے۔ غلام محمد قاصر کا شعر ہے ۔

کروں گا کیا جو محبت میں ہوگیا ناکام
مجھے تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا

میں مزاحیہ مشاعروں کا اہتمام کرتا ہوں' ان مشاعروں میں ان ہی کو تو بلواؤں گا جو مزاح میں شاعری کررہے ہیں' سنجیدہ شعراء کو میں مزاحیہ مشاعرے میں کیسے بلواسکتا ہوں۔ کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ میں سنجیدہ مشاعرہ کروں اور ان کو بھی بلواؤں۔ مزاحیہ شاعروں کی تعداد کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے اور سنجیدہ شاعر لاکھوں ہیں۔ اس لئے عافیت اسی میں ہے کہ سنجیدہ مشاعرے نہ کراؤں۔ حال ہی میں ہم نے دلاور فگار کی برسی منائی' اُردو ادب کی تاریخ میں غالباً یہ پہلا واقعہ ہے کہ کسی مرحوم شاعر کی برسی سات دن تک منائی جائے۔ ہم نے اس موقع پر ایک ادبی ریفرنس اور سات مزاحیہ مشاعرے کیے' پورے پاکستان سے مزاح نگاروں کو مدعو کیا گیا۔ تمام شعراء کو ہوائی جہاز کے ٹکٹ دیے۔ طعام و قیام کا معقول انتظام کیا اور حسب توفیق نذرانے بھی پیش کیے گئے۔ اس کے خلاف اب تک مختلف اخبارات میں دس کالم شائع ہوچکے ہیں۔ ایک نام نہاد نقاد نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ ضیاء الحق قاسمی اس شہر میں طنز و مزاح کا طاعون پھیلا رہا ہے' اگر اسے نہ روکا گیا تو شہر بھانڈ پن کی اس سازش کا شکار ہوجائے گا۔ ایسے ایسے جملے لکھے گئے کہ پڑھ کر تکلیف ہوتی ہے۔ مخالفین سے ہماری عرض ہے کہ ہم کسی سے کچھ نہیں مانگتے اگر ہنسنا ہنسانا جرم ہے تو ہم یہ جرم کرتے رہیں گے۔ ہم پر پھکڑ پن کا الزام ہے تو سنجیدہ شاعری میں موجود فحش نگاری کو کیا نام دیا جائے؟ میں ابھی آپ کو سنجیدہ شاعروں کے ایسے پچاس اشعار سناسکتا ہوں' جن کو عورتوں اور بچوں کے سامنے نہیں سنایا جاسکتا۔ فاطمہ حسن کہتی ہیں کہ ''وہ تو ملنے کو ملاقات سمجھتا ہی نہیں'' اس کو آپ

کیا کہیں گے، اس سے بڑا پھکڑ پن اور کیا ہوگا۔ پروین شاکر نے کہا تھا کہ۔

ذرا سے جبر سے میں بھی تو ٹوٹ سکتی تھی
مری طرح سے طبیعت کا وہ بھی سخت نہ تھا

یہ شعر دیکھیے۔

میں نے جب بھی کبھی جانے کی اجازت مانگی
اُس نے بڑھ کے مرا اسباب سفر کھول دیا

یہ اشعار سن کر آپ کا دھیان کدھر جائے گا۔ مشرق ہمارے ذہنوں پر سوار ہے، ہماری خواتین کو اس قسم کے ذو معنی شعر نہیں کہنے چاہئیں۔ عنایت علی خان مزاج کے آدمی ہیں، سنجیدہ شاعری بھی اچھی کرتے ہیں، ان کے ہاں آپ کو فحش گوئی ملے گی، اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میرے پورے کلام میں کوئی ذم کا پہلو دکھا دے، اگر اور کوئی الزام بھی ہے تو ہم پر لگا دیں، اگر ہمارے اندر برائیاں ہوتیں تو ہمارے خلاف اتنے اسکینڈل ہوتے کہ ہمارا جینا دوبھر ہو جاتا۔ ہم تو ہر معاملے میں اپنا دامن صاف رکھتے ہیں۔ وہ لوگ الزام تراشیاں کرتے ہیں جو اندر سے کھوکھلے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی ہی میں مرگئے ہیں۔ اس لئے میں ان کی کسی بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔ میں ''پی آر'' کا آدمی ہوں، لیکن میری ''پی آر'' میں ''پیار'' بھی شامل ہے۔

اگر میں آپ سے محبت کروں گا تو آپ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ اور اگر میں سارا دن آپ کی غیبت کروں گا تو آپ مجھے جوتے ماریں گے۔ ضمیر جعفری مرحوم کہا کرتے تھے کہ ''کسی کی غیبت نہ کرو، اگر آپ میں جرات ہے تو آدمی کی خامی کی نشان دہی اس کے سامنے کرو، مجھے کیوں گنہگار کرتے ہو''۔ یہ بغض معاویہ میں سب کچھ ہو رہا ہے۔ میں نے آ...

دن مشتاق احمد یوسفی سے فون پر کہا کہ لوگ مزاح کو صنف ادب تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے' انہوں نے جواب دیا کہ مزاح صنف ادب ہے لیکن اس کے ساتھ برتاؤ صنف نازک والا کیا جارہا ہے۔ مزاح اگر صنف ادب نہ ہوتا تو مشتاق احمد یوسفی کے لئے یہ نہیں کہا جاتا کہ ''ہم عہدِ یوسفی میں زندہ ہیں''۔ اُردو ادب کی خدمت جس خوب صورت انداز میں ہم کررہے ہیں کوئی کرکے تو دکھائے۔ ہم نے ایک مشکل کام اپنے ذمے لیا ہوا ہے۔ 66/برس تو گذار لئے ہیں 166/ برس تو زندہ نہیں رہنا، جتنے دن بھی زندہ رہیں گے ہنس بول کر گزاردیں گے' ہم تو محبت کے آدمی ہیں۔

سوال: آپ کے نزدیک ادب میں طنز و مزاح کی اہمیت کیا ہے؟

جواب: عربی کا مقولہ ہے''المزاح فی الکلام ...... کل ملح فی الطعام '' ''کلام کے اندر مزاح ایسا ہی ہے' جیسے کھانے میں نمک'' بلاشبہ مزاح لکھنا پلِ صراط سے گزرنے کے مترادف ہے۔ میرے نزدیک طنز اور مزاح دو الگ الگ لفظ ہیں' لیکن عموماً دونوں کو ملاکر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ طنز کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ کسی کو کاٹ کھائیں۔ کسی دانش ور نے کہا تھا کہ ''طنز یہ ہے کہ آپ کسی کے جوتے پر اپنا جوتا رکھیں تو اُس کی پالش خراب نہ ہو'' سید ضمیر جعفری نے کہا تھا کہ ''طنز لوگوں کو پالش کرنے کے لئے ہے' مالش کرنے کے لئے نہیں'' ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی کہتے ہیں ''ہنسنا ہنسانا'' حسنات میں شامل ہے'' اگر آپ کے کسی جملے یا فقرے سے کسی کے چہرے پر شگفتگی آتی ہے تو ثواب آپ کے کھاتے میں لکھا گیا۔ مشفق خواجہ کے طنز کا انداز بہت منفرد ہے' وہ جس پر طنز کرتے ہیں' وہ خواہش کرتا ہے کہ اُس پر دوبارہ طنز کیا جائے۔ منظر علی خان مرحوم آلۂ سماعت لگایا کرتے تھے' اُن کے بارے میں مشفق خواجہ

نے لکھا ہے ''جب وہ مشاعرے میں غزل پڑھتے ہیں تو آلہ سماعت نکال دیتے ہیں'' طنز میں شدت نہیں ہونی چاہیے۔

سوال: آپ دلاور فگار اور سید ضمیر جعفری سے بہت زیادہ متاثر دکھائی دیتے ہیں؟

جواب: میں سید ضمیر جعفری کی شاعری سے بھی متاثر ہوں' لیکن نثر میں تو ان کا جواب ہی نہیں ۔ مبالغہ نہیں' حقیقت ہے کہ دلاور فگار اس عہد کے بہت بڑے شاعر تھے' دو صدیاں بھی ان کو نظر انداز نہیں کرسکتیں۔ ایسے شاعر صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں بشری خامیاں بہت ھیں۔ خامیوں سے تو مرزا غالب بھی مبرا نہیں تھے۔ سید ضمیر جعفری انسان بھی بہت اچھے تھے، ان کی زندگی کے اس رخ نے ان کو ہر دل عزیز بنادیا تھا۔ میں نے حیدر آباد میں قیام کے دوران ''بزمِ ضیائے ادب'' کی جانب سے ایک عالی شان تقریب کا اہتمام کیا تھا' جس کی صدارت حضرت رئیس امروہوی نے فرمائی تھی۔ اُس تقریب میں ہم نے سید ضمیر جعفری کو ''بابائے ظرافت'' اور دلاور فگار کو ''شہنشاہِ ظرافت'' کا خطاب دیا تھا۔ اب یہی خطاب ان کے نام کا حصہ بن چلے ہیں ''اب وہ آئینہ صفت لوگ کہاں سے لائیں''۔

سوال: آپ نے شاعری میں کن اساتذہ سے استفادہ کیا؟

جواب: میں باقاعدہ کسی کا شاگرد نہیں ہوں' لیکن حضرت راغب مراد آبادی کو استاد کا درجہ دیتا ہوں۔ جب بھی کبھی عروضی معاملات آڑے آتے ہیں یا اور کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو میں ان ہی سے رجوع کرتا ہوں۔ میں اپنے والد کے بعد سب سے زیادہ احترام ان ہی کا کرتا ہوں۔ انہیں علم عروض میں منفرد مقام حاصل ہے۔ لوگ ان کی بھی ہر بات پر اعتراض کرتے ہیں وہ متنازع نہیں تھے۔ لیکن ان کو متنازع بنادیا گیا۔ راغب صاحب جیسا

حافظہ میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ اس حوالے سے دوسرا نام پروفیسر سحر انصاری کا ہے۔ راغب صاحب کا شاگرد ہونا میرے لئے باعث اعزاز ہے' میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں' جو پورے پورے دیوان کی اصلاح کرانے کے بعد بھی ان کی شاگردی کا اعتراف نہیں کرتے۔ میرا ان سے دن میں چار مرتبہ فون پر رابطہ ہوتا ہے۔ یہ محبت اور خلوص کا رشتہ ہے، ہمارے بڑے بڑے دانشور لڑکیوں کو فون کرتے ہیں۔ ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں صاحب نے فلاں لڑکی کو فون کیا تھا' ارے بھائی! تمہاری دانش وری کہاں گئی؟ اس عزت کو بحال رکھو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے۔ تم کن چکروں میں پڑے ہوئے ہو۔ مطالعہ کرو' اس کے بغیر کچھ نہیں بن سکتے۔ نصابی تعلیم کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ ایم اے اور پی ایچ ڈی کرنے کے بعد مطالعہ چھوڑ دیں تو آپ کا سارا علم دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ میں صاحبانِ علم کی قدر کرتا ہوں' اُن کے قدموں میں بیٹھ کر ان کے جوتوں کی پالش کرنے کو بھی تیار ہوں لیکن میں جاہل لوگوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا' مجھے معلوم ہے کہ کون لوگ جعلی ہیں۔

ایم اے یا پی ایچ ڈی کر لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ ۵۰ ہزار روپے میں ڈگری مل جاتی ہے۔ تابش دہلوی' راغب مراد آبادی' جمیل الدین عالی' مشتاق احمد یوسفی' ڈاکٹر فرمان فتح پوری' ابوالخیر کشفی' ڈاکٹر اسلم فرخی' مشفق خواجہ یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہماری شناخت ہے۔ ان کی قدر میں علم کی بنیاد پر کرتا ہوں۔ یہ فہرست حتمی نہیں ہے' اس میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

ناروے سے ڈنمارک تک کا سمندری سفر

☆☆☆☆☆

تقریباً ایک سال پیشتر ناروے سے ڈنمارک تک بذریعہ سمندری جہاز جانے کا اتفاق ہوا۔ پاکستان سے چلتے وقت ڈنمارک کا ویزا نہیں لیا تھا کیونکہ روانگی کے وقت تک وہاں جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ ناروے پہنچا تو ڈنمارک کے دارالخلافہ کوپن ہیگن سے برادرم ترغیب بلند نقوی کا فون آیا کہ آپ گھر سے نکل ہی پڑے ہیں تو یہاں بھی آجایئے' گھر جیسا ہی آرام ملے گا، انہوں نے کہا میں جہاز کا ٹکٹ بھیج رہا ہوں میں نے کہا .وائی جہاز کا نہیں سمندری جہاز کا بھیجئے۔ میں سمندر کا لطف اٹھانا چاہتا ہوں۔ ناروے کا دارالخلافہ اوسلو اتنا خوبصورت ہے کہ اسے جلدی خیر باد کہنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ پاکستان کے ایک شہر کھاریاں کے لوگوں نے آج سے ۳۰۔۴۰ سال پیشتر یہاں آکر اس شہر کی ترقی اور خوبصورتی میں اپنی دن رات کی محنت سے بے پناہ اضافہ کیا اور آج وہ اسی محنت کا پھل کھا رہے ہیں۔ انہی کی وجہ سے یہاں کی مسجدیں اور دینی مدارس آباد ہیں، یہاں کے کاروبار پر بھی انہی لوگوں کی گرفت ہے۔ کھاریاں کے لوگوں کی اتنی بڑی تعداد دیکھ کر سید ضمیر جعفری نے کہا تھا کہ اب ناروے کا نام کھاروے رکھ دینا چاہیے۔ اس شہر کے اندر سرنگوں کا جال بچھا ہوا ہے ایک محلے سے دوسرے محلے میں جانے کے لئے خوبصورت سرنگیں نکالی گئی ہیں۔ نارویجین لوگ سرنگیں نکالنے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں اور دنیا بھر میں وہ سرنگوں کے ٹھیکے لیتے ہیں۔ ۱۹۰۸ء میں ایک پہاڑ کو اندر ہی اندر سے اس طرح تراشہ اور کاٹا گیا کہ زمین سے اوپر سات منزل تک سڑک نکال لی گئی اسی دو رویہ سڑک کے ذریعے کاریں اوپر تک جاتی ہیں، پہاڑ کے اوپر پہنچ کر پورا شہر نظر آتا ہے۔ یہ منظر اتنا دلکش ہے کہ لفظوں میں اس کا بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ سڑک گولائی میں گھومتی گھومتی اوپر تک جاتی ہے، اس پہاڑ کا نام Spiralen ہے اور یہ

Draman کے علاقے میں واقع ہے۔ پہاڑ کے اوپر ایک خوبصورت ریسٹورینٹ ہے، جس میں ہر چیز لکڑی کی ہے۔ برف باری اور تیز ہوا کی وجہ سے سخت سردی ہورہی تھی۔ ہر طرف برف ہی برف چاندی کی طرح چمک رہی تھی، ہم نے اس ریسٹورینٹ میں کافی پی اور گھر کو لوٹے۔ ہم اتنے بدھو بھی نہیں ہیں کہ گھر کو لوٹتے ہم اپنے دوست جمشید مسرور کے ہاں چلے گئے۔ جمشید مسرور اور ہماری بھابی نے اس کو واقعی گھر بنا رکھا ہے، بقول جناب افتخاب عارف ۔

مرے خدا مجھے اتنا تو معتبر۔۔۔۔۔۔کردے
میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کردے

یہاں پر مقیم تمام پاکستانیوں نے واقعی اپنی محنت و مشقت سے یہاں کے مکانوں کو گھر بنا کر رکھا ہے، ان کی محنت وخلوص کا اعتراف یہاں کی حکومت بھی کرتی ہے۔ جناب افتخار عارف نے کہا تھا ۔

مٹی کے محبت میں ہم آشفتہ سروں نے
وہ قرض اتارے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

یہاں کے بیشتر پاکستانی اس شعر کا عملی نمونہ ہیں۔ انگریز تو ہماری طرح غسل نہیں کرتے وہ تو سن باتھ کے عادی ہیں۔ نہ جانے وہ پانی سے کیوں الرجک ہیں، شاید اس لئے کہ وہاں پانی بہت برستا ہے وہ سورج کے لئے ترستے رہتے ہیں۔ ایک روز میرے قیام کے دوران سورج نکل آیا یقیناً میری خاطر نکلا ہوگا۔ میں نے ایک شعر کہہ دیا ۔

نکلی ہے دھوپ آج بڑی مدتوں کے بعد
سورج کو بھی منا ہی لیا منتوں کے بعد

ناروے اور اوسلو کا ذکر ہو ہی رہا ہے تو آیئے ہم چلتے چلتے آپ کو دو تین ایسے مقامات کی سیر بھی کرادیں جن کے بغیر اوسلو کا ذکر مکمل نہیں ہوتا۔ اوسلو کی نیشنل گیلری

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک بڑا مجسمہ رکھا ہے، اس کے بنانے والے نے کہا تھا کہ ایک موسیٰ خدا نے بنایا اور ایک میں نے۔ میرا موسیٰ خدا کے موسیٰ سے زیادہ بہتر ہے۔ اٹلی کے اس آرٹسٹ کا نام Michelangelo ہے۔ (۱۴۷۵-۱۵۶۴)

اوسلو کا Vigelanol park or Frogner Park یا نیشنل پارک دیکھنے کے قابل ہے۔ اس میں دو سو مجسمے نصب ہیں جو guston vigeland نے بنائے۔ (۱۹۴۳ء۔ ۱۸۶۹ء) اور اسی کے نام سے اس پارک کا نام رکھا گیا۔ ان انسانی مجسموں میں خصوصیت یہ ہے کہ ہر مجسمہ ایک پتھر سے بنا ہے اس میں جوڑ نہیں ہے، دوسرے یہ کہ ہر مجسمہ عریاں ہے۔ غالباً اسی عریانی کے سبب دنیا بھر سے شائقین یہاں کھنچے چلے آتے ہیں۔ خواتین و حضرات ان کو اس طرح تکتے ہیں جیسے یہ کوئی متبرک چیز ہو۔ اسی پارک میں رہنے والی ایک بطخ کے بارے میں وہاں ایک قصہ مشہور ہے۔ یہ بطخ اپنے بچوں کے ساتھ (۴ میل کا فاصلہ طے کرکے) بادشاہ کے محل کے تالاب میں پہنچ جاتی ہے اور پھر وہیں رہتی ہے، مگر اس کے بچے راستے میں سڑک پر مختلف حادثات کے سبب مرجاتے ہیں۔ اوسلو کے اخبارات نے اس کے خلاف اداریے اور آرٹیکل لکھے اور بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ بطخ کے بچوں کی بادشاہ کے محل تک پہنچنے میں مدد کی جائے۔ بادشاہ نے پارک میں اس بطخ کی نگرانی پر چند لوگ مامور کردیے۔ جب بھی بطخ وہاں سے روانہ ہونے لگتی ہے وہاں کی پولیس موٹر سائیکلوں پر سوار بطخ کے بچوں کو بحفاظت بادشاہ کے محل تک پہنچاتی ہے۔ دیکھا یہ قومیں اپنے اندر بہت سی برائیوں کے باوجود کتنی اعلیٰ صفات کی حامل ہیں، وہ انسانوں سے محبت تو کرتے ہیں جانوروں اور پرندوں کو بھی عزیز رکھتے ہیں اور یہ ادا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اسی کے سبب وہ ان کو اس دنیا میں نوازتا ہے۔

اوسلو سے ۱۳۰ کلومیٹر کے فاصلے پر End of the World ہے۔ یعنی یہاں زمین ختم ہوجاتی ہے اور پانی ہی پانی نظر آنے لگتا ہے۔ یہاں ایک نارویجین

لڑکی کو دیکھا جو ایک چھوٹے سے میز پر چھوٹے چھوٹے رنگ دار پتھر رکھ کر بیچ رہی تھی۔ میں نے اس لڑکی سے پوچھا تم اتنی خوبصورت ہو تمہیں تو پھول بیچنے چاہئیں مگر تم پتھر بیچ رہی ہو وہ میری بات سن کر مسکرا دی۔ چند روز پیشتر ڈاکٹر طاہر القادری اپنے گیارہ سو مریدوں کے ساتھ یہاں اللہ ہو کے نعرے لگاتے ہوئے آئے تو چند انگریز خاندان جو ہفتہ کے آخری دن سمندر پر تفریح کے لئے آئے ہوئے تھے نعروں کی گونج سے خائف ہوکر وہاں سے بھاگ اٹھے، مگر یہ بھی سنا گیا کہ جس وقت طاہر القادری صاحب وہاں تقریر کرنے لگے تو سمندر کے تمام جانور پانی سے گردنیں باہر نکال کر بڑے ادب سے ان کی تقریر سنتے رہے اور سر دھنتے رہے۔ اللہ اکبر! اللہ غنی!

اوسلو میں میرا قیام ایسے مکان میں تھا جو سمندر کے کنارے واقع تھا، سامنے سے روزانہ دن میں دوبار وہ دیوہیکل سمندری جہاز بڑی تمکنت سے گزرتا تھا جس کے ذریعے مجھے چند روز میں ڈنمارک کے لئے سفر کرنا تھا، اس جہاز کو دیکھ کر ہی دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اپنا آئندہ سفر اسی جہاز سے کیا جائے۔ آخر ایک روز شام پانچ بجے میرے دوست مجھے اس جہاز میں سوار کرانے کے لئے آئے۔ جہاز میں داخل ہونے کے بعد میں نے اور انہوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر ایک دوسرے کو الوداع کیا۔ میرا سامان میرے ساتھ تھا۔ جہاز کی سیڑھیاں چڑھنے کے بعد میرے سینے میں درد اٹھا زبان کے نیچے درد کی گولی رکھی اور میں پھر سے ٹھیک ہوگیا۔ جہاز میں ہر طرف گورے گوریاں نظر آرہے تھے، میرے سوا کوئی کالا نہ تھا میں کالا نہیں ہوں مگر ان انگریزوں کے مقابلے میں تو کالا ہی کہلاؤں گا، سب انگریز اور میمیں مجھے عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے، ایسا لگتا تھا یہ سب یہاں ہنی مون منانے آئے ہیں اور میں اکیلا ان کی حرکات نوٹ کرنے اس میں سفر کررہا ہوں اس جہاز میں ایک ہزار کیبن ہیں اور ہر کیبن میں دو آدمیوں کے سونے کا انتظام خوبصورت، اٹیچ روم اور چھوٹی سی میز اور کرسی کے ساتھ۔ ہر کیبن میں ایک ایک جوڑا تھا، اپنے اپنے

میں ہم بھی جوڑا تھے، مگر میرا دوسرا ساتھی بھی مرد ہی تھا، وہ نیدر لینڈ کا رہنے والا ایک نوجوان صاحب کردار عیسائی تھا۔ اس کا نام رچرڈ ویڈر تھا۔ میں نے اس سے پوچھا تم اکیلے کیوں سفر کرر ہے ہو کیا تمہاری کوئی گرل فرینڈ نہیں، اس نے کہا میں ایسی حرکات کو گناہ سمجھتا ہوں میں اس کی باتوں سے بور تو ہوا مگر اس کی نیکی اور شرافت سے متاثر ہوا۔ میں ٹہلنے کے لئے کیبن سے باہر آیا اس جہاز کی چھ منزلیں سمندر کے اندر تھیں اور پانچ منزلیں پانی کے اوپر، نیچے سے اوپر شاندار تیز رفتار لفٹیں کام کرتی تھیں، میں نے اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر کئی چکر لگائے۔ جہاز کیا ایک شہر آباد تھا۔ اس کے اندر سومنگ پول، سپر مارکیٹیں، بیوٹی پارلر، سٹیج ڈرامے، ریسٹورینٹ، شراب خانے، غرضیکہ دنیا کی ہر سہولت موجود تھی۔ ہر فلور پر وال ٹو وال کارپٹ، اور ہر چیز اور ہر دیوار چمکتی ہوئی جیسے ہم کسی آئینہ خانہ میں داخل ہو گئے ہیں، اور ہر نظارہ اور ہر چیز مسحور کن۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہاں کوئی بارات اتری ہو اور میں اس میں عبداللہ دیوانہ۔ گوریاں دیکھ دیکھ کر دل مچلتا مگر چونکہ دل میرے قابو میں رہتا ہے اس لئے اسے جلد ہی سمجھالیا۔ عرشے پہ کرسی بچھا کر میں جابیٹھا اور سمندر کا نظارہ کرتا رہا۔ رئیس امروہوی نے کہا تھا ۔

خاموش زندگی جو بسر کرر ہے ہیں ہم
گہرے سمندروں میں سفر کرر ہے ہیں ہم

اتنا بڑا جہاز مگر سمندری طوفان کے سامنے وہ ایک تنکے کی طرح ادھر ادھر اچھل رہا تھا تو ہمیں قتیل شفائی کا شعر ذہن میں کلبلانے لگا ۔

ہم کو جب حکم ملا رقص کا دریاؤں میں
ہم نے خوش ہو کے بھنور باندھ لئے پاؤں میں

جہاز میں سوار ہوتے وقت دوستوں نے ہمیں بتایا تھا کہ جہاز میں طبیعت خراب ہو سکتی ہے۔ لہٰذا جیب میں دوا رکھ لیجئے مگر ہم نے توجہ نہ دی بعد میں پتہ چلا

کہ دوستوں نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ گوریاں دیکھ دیکھ کر طبیعت یقیناً خراب ہوگی مگر ہم نے نہ اپنی طبیعت خراب کی اور نہ خود خراب ہوئے۔ سمندر طوفان پر ہو تو بعض لوگوں کو متلی ہوتی ہے، مگر ہمیں متلی بھی نہ ہوئی ہوسکتا ہے ہمیں دیکھ کر گوریوں کو متلی ہوئی ہو۔ اس روز سمندر بڑا مہربان تھا زیادہ خونخوار ہو جائے تو Titanic کو بھی الٹ دیتا ہے۔ مگر اس روز سمندر نے بڑی دریا دلی سے کام لیا۔ جہاز کے اندر کی رونق قابل دید تھی۔ گورے گوریاں بیئر اور برگر پیتے کھاتے ایک دوسرے کی گردن اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ادھر سے ادھر اس طرح گھوم رہے تھے جیسے کسی جشن میں آئے ہوں، وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر آج کی رات خرمستیوں میں گزارنا چاہتے تھے ، مجھے ہر جوڑا Titanic کا ہیرو اور ہیرئن ہی لگتا تھا اس رومان پرور ماحول میں میں تنہا کر بھی کیا سکتا تھا اوپر نیچے لفٹ کے ذریعے بار بار جاتا آتا اور پھر تھک کے عرشے کی کرسی پر آ بیٹھتا۔ مگر وہاں بھی میوزک کا بے ہنگم شور اور لوگوں کی ہاؤ ہو مجھے کچھ کر گزرنے کے لئے ترغیب دے رہی تھی۔ مرتا کیا نہ کرتا میں کیبن میں لوٹ آیا میرا روم میٹ مجھ سے کہنے لگا میں سونے سے پہلے کچھ دیر تک بائیبل پڑھوں گا پھر لائیٹ بند کر کے سوجاؤں گا آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔ میں نے کہا میں بھی سو رہا ہوں مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ وہ زاہد خشک اپنی عبادت میں مصروف ہوگیا اور میں اپنی حسرتوں پر آنسو بہا کے سوگیا۔ رات بھر خواب میں گوریاں نظر آتی رہیں رقص کرتے ہوئے گاتے ہوئے اور شراب پیتے ہوئے۔ مسٹر رچرڈ نے خواب میں کیا دیکھا، میں صبح اٹھ کر یہ سوال نہ پوچھ سکا البتہ بلبل کاشمیری کا یہ شعر گنگناتا رہا ۔

میکدے میں بوتلوں کے درمیاں مارا گیا
شیخ کو مرنا تو تھا لیکن کہاں مارا گیا

رات بھر خواب میں گوریاں دیکھ دیکھ کر صبح اٹھا تو جسم بری طرح ٹوٹ رہا تھا، ریسٹورینٹ میں جا کر ناشتہ حلال کیا، اگلے روز نو بجے کے قریب ہمارا جہاز کوپن

ہیگن کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ ہر شخص کو باہر نکلنے کی جلدی تھی، باہر نکلے تو ترغیب بلند نقوی، اے ڈی بٹ اور دوسرے دوست میرے استقبال کے لئے کھڑے تھے، نقوی صاحب مسکراتے ہوئے میری جانب لپکے۔

میں نے کہا:

''تم نے پکارا اور ہم چلے آئے''

بٹ صاحب نے کہا ہم گھر جانے کے بجائے کچھ تاریخی مقامات دیکھ لیتے ہیں۔ میں نے ان کی یہ بات فوراً مان لی سب سے پہلے ہم Amalienborg palace دیکھنے گئے جہاں ملکہ عالیہ اتوار کے روز عوام الناس کی شکایات سننے کے لئے کھلی کچہری لگاتی ہیں، مگر مجھے بتایا گیا کہ شکایت کرنے والا کوئی آتا ہی نہیں، وہاں کے لوگوں کو حکومت سے کوئی شکایت ہی نہیں ہوتی ۔عوام الناس کو اتنی سہولتیں اور مراعات حاصل ہیں کہ کسی شکایت کی گنجائش ہی نہیں۔ ملکہ عالیہ کا نام مارگریٹ ٹو ہے اور وہ اپنے عوام میں بہت مقبول ہیں، عوام ان سے بہت محبت کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ صرف اسی ملک میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر ملک میں لوگ بادشاہت پسند کرتے ہیں، ہمارے ہاں کی بدقسمتی یہ ہے کہ ایک طویل عرصے تک ملک فوجی آمریت کے شکنجے میں جکڑا رہا اور آج بھی یہی صورت حال ہے۔ امریکہ، کینیڈا اور یورپین ممالک میں ہمیں ایک بات مشترک نظر آئی وہ یہ کہ سڑکوں پر بھیک مانگنے والے نہیں دکھائی دیتے اور اگر کہیں ایک آدھ مل جائے تو وہ یقیناً اپاہج ہوگا اور کاسہ زمین پر رکھے خاموشی سے بیٹھا رہے گا۔ دوسری بات جو ان ممالک میں کامن ہے وہ ہے شراب نوشی۔ ہم جیسے ممالک کے لوگ چھپ کر پیتے ہیں اور وہ لوگ اسے پینا معیوب نہیں سمجھتے ۔

جو کی روٹی حلال ہوتی ہے

جو کا پانی حرام ہوتا ہے

ہم لوگ جو کا پانی حرام سمجھ کر پی جاتے ہیں اور وہ لوگ حلال سمجھ کر۔

بد مزہ ہے بہت اور کڑوی بھی ہے
شیخ پیتا گیا اور کہتا گیا

میں نے کہیں ایک کالم میں لکھا تھا کہ دنیا کے تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ ان ممالک کے لوگوں میں Civic sence بھی ہے اور Trafic Sence بھی باقی سب Non Sence ہے۔ ان میں جرائم اور اخلاقی بے راہ روی کی کوئی انتہا نہیں دیکھا جائے تو ہم لوگ ان کے مقابلے میں معصوم ہیں۔

ملکہ کا محل دیکھنے کے بعد ہم سمندر کے کنارے اس دیوی کو دیکھنے چلے گئے جو آج بھی اپنے شہزادے کے انتظار میں سخت سردی کی حالت میں اس کا انتظار کررہی ہے وہ شہزادہ اسے یہاں ملنے آیا کرتا تھا، ایک روز شہزادہ یہاں ڈوب گیا، جل پری کو روتا چھوڑ کر۔ جل پری (Mermaid) اور شہزادے کی یہ کہانی Hans christian andeson نے لکھی اور پھر ۱۹۱۲ء میں Edward erihson نے اس جل پری کی یاد میں یہ مجسمہ بنایا اور سمندر کے اندر ایک بڑے پتھر پر اسے نصب کردیا۔ اس رومانوی یادگار کو دیکھنے پوری دنیا کے سیاح یہاں آتے ہیں۔ ایک دفعہ کسی چور نے کانسی سے بنے اس مجسمے کی گردن کاٹ لی اور لے گیا اور آخر کار پکڑا گیا۔ حکومت نے یہ گردن ویلڈنگ کے ذریعے جوڑ دی مگر پھر کچھ عرصے کے بعد کوئی اور چور اسے چرا لے گیا اور وہ بھی پکڑا گیا۔ پھر یہ گردن بڑی مضبوطی کے ساتھ واپس جوڑ دی گئی جو آج تک محفوظ ہے۔ یہ چور اور ڈاکو اگر ہمارے ملک میں یہ حرکت کرتے اور پکڑے جاتے تو دلاور فگار اپنے شعروں میں اسے یوں بیان کرتے ہیں ۔

اس خبر پر تو نہیں مجھ کو تعجب اے فگار
ایک غنڈہ حلقۂ بجنور میں پکڑا گیا
ہاں اگر تھوڑی سی حیرت ہے تو صرف اس بات پر
کیسا غنڈہ تھا کہ وہ اس دور میں پکڑا گیا

میں اس دیوی کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا وہ مسلسل اس طرح آنکھیں جھکائے پانی کو تک رہی ہے جیسے اپنے شہزادے کو ڈھونڈ رہی ہو۔ میں ایک گھنٹے تک اسے دیکھتا رہا اور روتا رہا۔ سخت سردی کے باوجود مجھے اپنا کوئی ہوش نہ تھا، بٹ صاحب نے آگے بڑھ کر میرا کاندھا سہلایا اور چلنے کو کہا مگر یوں لگ رہا تھا جیسے میرے جسم میں جان نہ ہو میں بڑی مشکل سے پانی میں پیر رکھتا ہوا کنارے پر آیا اور یہاں آکر رک گیا کہ اس دیوی کی آخری زیارت کرلوں۔ میں پھر اسے دیکھتا رہا اور میرے دوست میری یہ حالت دیکھ کر ہنستے رہے اور میں دیر تک روتا رہا اور گھر پہنچنے تک میری آنکھیں نمناک رہیں۔ میں نے اس سے پہلے کہیں بھی ایسا حسین اور دردناک منظر نہیں دیکھا تھا جل پری کا حسن پاگل کر دینے والا اور اس کا انداز مسحور کرنے والا ہے۔

تعبیر سے یہ خواب بنا جاتا ہے
یہ پھول تصور میں چنا جاتا ہے
فطرت کے طرب خانے میں عورت ہے وہ گیت
جس گیت کو آنکھوں سے سنا جاتا ہے

(Pirates) بحری قذاقوں کا یہ شہر خوبصورت بھی ہے اور تاریخی بھی۔ بحری قذاقوں کی، بادبانی کشتیاں ان کے حمام اور گلیاں محفوظ کرلی گئی ہیں۔ ان گلیوں میں گھومنے سے یوں لگتا ہے جیسے ہم اسی دور میں پہنچ گئے ہیں۔ اس شہر کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہاں کی پرانی عمارتیں قدیم عہد کے دبدبہ اور جلال کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ چھوٹے بڑے اور خواتین سب سائیکل کی سواری پسند کرتے ہیں، ہر علاقے میں سائیکل موجود ہے آپ اس میں سکہ ڈالیں اور سائیکل لے جائیں۔ جہاں آپ فارغ ہوں اسے وہیں چھوڑ دیں۔ سائیکل کی سواری سے ٹریفک کے نظام میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ پیٹرول کی بچت ہوتی ہے، لوگوں کی صحت قائم رہتی ہے، شہر میں کثافت نہیں پھیلتی اور یہ بہت سستی سواری ہے۔

پھولن دیوی سے دوبدو گفتگو

(دبئی میں زندگی کا آخری انٹرویو)

☆☆☆☆☆

چودہ جون دوہزار ایک کو دبئی کے عالمی مشاعرے میں شرکت کا موقع ملا۔ اس مشاعرے میں بھارت کی مشہور زمانہ خاتون پھولن دیوی سے ملاقات ہوئی۔ راقم نے ان سے انٹرویو کی فرمائش کی جو انہوں نے بخوشی قبول کرلی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ الراس ہوٹل کے کمرہ نمبر چارسو دو میں مقیم ہیں۔ راقم بھی اسی ہوٹل کے کمرہ نمبر تین سو دس میں ٹھہرا ہوا تھا، مگر ایک دوسرے کو اس بات کی خبر نہ تھی۔ دوسرے روز میڈم کو فون کیا تو انہوں نے کہا قاسمی صاحب آجائیے۔ اور ہم جا پہنچے بلکہ جا دھمکے۔ میڈم ہمارے پہنچنے سے پہلے تیار بیٹھی ہمارا انتظار کررہی تھیں۔ وہ ایک خوبصورت قیمتی بنارسی ساڑھی میں بڑے باوقار طریقے سے اپنی بڑی بہن کے بیٹے کے ساتھ صوفے پر براجمان تھیں۔ مسٹر کیلاش ناتھ چورسیا جو میڈم کی سیاسی پارٹی ہی کے ایک رکن ہیں، بھارت سے ان کے ساتھ آئے تھے اور وہ بھی اس کمرے میں موجود تھے۔ میڈم اور مسٹر چورسیا نے ہاتھ جوڑ کر ہمارا استقبال کیا اور ہمیں بیٹھنے کو کہا۔ ہمارا خیال تھا کہ کچھ ابتدائی گفتگو کے بعد اور انٹرویو شروع کرنے سے پہلے میڈم ہمارے لئے کولڈ ڈرنک یا چائے کا آرڈر دیں گی اور ہم چسکیاں لے لے کر انٹرویو شروع کریں گے مگر شاید میڈم بھول گئیں لہٰذا ہم نے چسکیوں کے بجائے چسکے لے لے کر انٹرویو کا آغاز کیا اور پہلا سوال کرڈالا:۔

سوال: آپ اس دنیا میں کب آئیں؟

جواب: دس اگست انیس سو تریسٹھ کو میں شیخ پور گڑھا گاؤں ضلع جلاؤں بھارت میں پیدا ہوئی۔

سوال: اپنے والد اور والدہ کے بارے میں بتایئے؟

جواب: میرے پتا جی دیوی دین مچھوارے (مچھلی پکڑنے والے) تھے۔ ان کی کچھ زمین بھی تھی اور وہ ترکھان کا کام بھی کرتے تھے۔ میری والدہ کا نام ملا دیوی ہے۔ ہماری ذات مچھوارے ہے۔

سوال: آپ کتنے بہن بھائی ہیں؟

جواب: پانچ بہنیں اور ایک بھائی۔

سوال: آپ کونسی زبان بولتے ہیں؟

جواب: بندھیل کھنڈی یا ہندی۔

سوال: آپ کی شادی کب ہوئی؟

جواب: گیارہ سال کی عمر میں میری شادی پتی لال سے ہوئی جس کی عمر چالیس سال تھی۔

سوال: رات کے مشاعرے میں آپ نے بتایا تھا کہ آپ چار سال تک جنگلوں میں رہیں یہ بتائیے کہ آپ کو ایسا کن حالات میں کرنا پڑا؟

جواب: ۱۹۸۰ء میں میری عمر سترہ سال کی تھی ہم ایک جھونپڑی میں رہتے تھے۔ ہمارا ایک چچیرے بھائی سے زمین کے سلسلے میں مقدمہ چل رہا تھا۔ اسی چکر اور عداوت میں مجھے اغوا کرلیا گیا۔ جو ڈاکو مجھے اٹھا کر لے گیا تھا وہ خود بھی مارا گیا۔

سوال: انٹرویو کے دوران پھولن دیوی بار بار پہلو بدلتی تھیں ان سے ہم نے پوچھا کیا آپ کی طبیعت خراب ہے؟

جواب: جی ہاں! آج طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں تو آپ کی وجہ سے تیار ہوکر بیٹھی تھی، ورنہ مسلسل سوتی رہتی۔

سوال: جنگل میں کن لوگوں نے آپ کا ساتھ دیا؟

جواب: بابا مستقیم ایک ڈاکو تھے، انہوں نے میرا ساتھ دیا، مگر وہ بے چارہ بھی مارا گیا۔

ایک اور ڈاکو گھنشام نے مجھے بتایا کہ پولیس والے میرے گھر والوں کو بہت تنگ کر رہے ہیں، ایک برہمن نے بھی میری رہنمائی کی اور مجھے سمجھاتے رہے۔

سوال: کیا آپ نے ڈاکے ڈالے۔ لوگوں کو قتل کیا؟ آپ میں یہ حوصلہ کیسے پیدا ہوا؟

جواب: مجھے اغوا کرنے کے بعد میرے ساتھ بڑی زیادتیاں کی گئیں، مجھے یقین ہوگیا کہ اب میں ان کے چنگل سے بچ نہیں سکتی، تو سب سے پہلے میں نے گالی دینا سیکھا۔ گھڑ سواری سیکھی۔ بندوق چلانے کی مہارت پیدا کی۔ میں نے ڈاکے ڈالے مگر میں نے صرف ان لوگوں کو لوٹا جو غریبوں پر ظلم کرتے تھے، لڑکیوں کو اٹھا کر لے جاتے تھے۔ میں نے ان ٹھاکروں کو للکارا جو شیطان بنے ہوئے تھے۔ ان کی نظروں میں کسی کی عزت نہ تھی وہ غریبوں کو اچھوت سمجھتے تھے۔ اپنی بیویوں پر بھی ظلم کرتے تھے۔ انہوں نے غریبوں کو ہمیشہ اپنا غلام سمجھا۔ میں یہ برداشت نہ کرسکتی تھی کہ کسی غریب مرد یا عورت پر کوئی ٹھاکر ظلم کرے میں نے ان کو ناک چنے چبوادیے۔ وہ میرے نام سے کانپنے لگے۔ میں نے ان کو لوٹا اور غریبوں کو بانٹا۔

سوال: ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ آپ نے دوسری شادی بھی کی تھی؟

جواب: ہاں میں نے ۱۹۹۴ء میں امید سنگھ نامی شخص سے دوسری شادی کی۔

سوال: آپ کے کتنے بچے ہیں؟

جواب: میرا کوئی بچہ نہیں ہے۔

سوال: آپ چاہتی ہیں کہ آپ کے ہاں بچے ہوں؟

جواب: ہاں چاہتی ہوں مگر ڈاکٹروں نے بتایا کہ مجھے بچے نہیں ہوسکتے۔

سوال: آپ کی اور بہنیں بھی تو تھیں، ان کو اغوا کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب: میں بہت گستاخ، منہ پھٹ اور نڈر تھی مجھے ان گستاخیوں کی سزا دی گئی۔ مجھے اغوا کرنے کے بعد مجھ پر کئی کئی بدمعاشوں نے بیک وقت مجرمانہ

حملے کیے۔ ہمارا ایک قصور یہ بھی تھا کہ ہم غریب لوگ جھونپڑی میں رہتے تھے اور ہمارا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا کسی کو پسند نہ تھا۔

سوال: آپ نے بتایا کہ آپ چار سال تک جنگلوں میں رہیں۔ یہ بتائیے کہ جیل میں آپ نے کتنا وقت گزارا؟

جواب: میرے خلاف پچپن مقدمات تھے مجھے گیارہ سال تک جیل میں بند رکھا گیا اور عدالت میں پیش نہ کیا گیا۔ آج کل میں ضمانت پر رہا ہوں۔

سوال: جیل سے آنے کے بعد آپ نے ایک الیکشن لڑا آپ نے اپنے مخالف امیدوار سے پچیس ہزار ووٹ زیادہ لیے۔ دوسرے الیکشن میں ایک لاکھ ووٹ زیادہ لئے۔ کیا عوام میں آپ کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے اگر ایسا ہے تو کیوں؟

جواب: میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں نے خواتین کی عزت و ناموس کی خاطر ظالموں سے جنگ لڑی ہے، میں نے لٹیروں سے عوام کا لوٹا ہوا مال ان کو واپس دلایا۔ لوگ مجھے اپنا نجات دہندہ تصور کرنے لگے تو میری مقبولیت میں اضافہ نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا۔

سوال: آپ کا کس سیاسی پارٹی سے تعلق ہے اور کن لوگوں نے آپ کو زیادہ ووٹ دیئے؟

جواب: میں سماج وادی پارٹی سے وابستہ ہوں۔ ملائم سنگھ یادیو جس کے لیڈر ہیں۔ مجھے بھارت کی چھوٹی قوموں اور مسلمانوں نے ووٹ دیکر کامیاب کرایا۔ میں انسانوں کی خدمت کرتی ہوں۔ ہندو، سکھ، عیسائی، مسلمان سب میرے ووٹر ہیں۔

سوال: اب آپ ایک سیاست دان کے علاوہ ایک سوشل ورکر کے طور پر بھی مشہور ہیں۔ آپ کس تنظیم کے تحت یہ خدمت انجام دے رہی ہیں؟

جواب: میں عالمی تنظیم مہلا سدھار کمیٹی (فلاح خواتین) صدر ہوں۔ جو پوری دنیا میں عورتوں کی بھلائی کے لئے کام کر رہی ہے۔ مجھے اسی تنظیم کے حوالے سے دنیا بھر کے ممالک دعوت دیتے ہیں۔ میں اب تک پچھتر فیصد ممالک کا دورہ کر چکی ہوں۔ جہاں جاتی ہوں وہاں کے لوگ میرا زبردست استقبال کرتے ہیں۔ جاپان والے تو میری بہت پذیرائی کرتے ہیں۔ میں جس ملک میں بھی گئی وہاں کے ریڈیو، اخبارات اور ٹی وی نے میرے انٹرویو کیے جس سے مجھے بہت شہرت ملی۔ بی بی سی' وائس آف امریکہ' اور وائس آف جرمنی پر دنیا کے کروڑوں لوگوں نے مجھے دیکھا اور سنا۔

سوال: آپ اتر پردیش کی M.P.A ہیں، کیا کبھی وزیر بننے کا بھی ارادہ ہے؟

جواب: ہرگز نہیں۔ میں وزیر بنے بغیر ہی لوگوں کی خدمت کر رہی ہوں، میرے اندر ایک وزیر سے زیادہ طاقت ہے۔ وزیر بننے کے بعد میری مصروفیات اور بڑھ جائیں گی اور میں پھر لوگوں کی خدمت نہ کرسکوں گی۔ میری والدہ ملا دیوی میری بے پناہ مصروفیات کے سبب مجھ سے خفا رہتی ہیں۔ وہ دوسرے بہن بھائیوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارتی ہیں میں ان کو زیادہ وقت نہیں دے پاتی۔

سوال: آپ کو اپنے والد سے زیادہ محبت ہے یا والدہ سے؟

جواب: مجھے دونوں سے محبت ہے مگر میں والد سے زیادہ قریب تھی وہ بھی مجھے بہت زیادہ چاہتے تھے، میں پہلے بتا چکی ہوں کہ ان کا نام دیوی دین تھا وہ ۱۹۸۸ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

سوال: آپ کے موجودہ شوہر کا نام امید سنگھ ہے آپ کو پھر بھی بچوں کی امید نہیں؟

جواب: صرف امید نہیں بلکہ میری دلی خواہش ہے کہ میرے ہاں بچے پیدا ہوں مگر ڈاکٹر کہتے ہیں کہ بار بار جسم اور پیٹ پر چوٹیں لگنے سے میرے اندر بچے پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔

سوال: آپ کے چاہنے والے اور تمام ووٹرز یہ چاہتے ہوں گے کہ وہ آپ کے بچوں کو آپ کی گود میں کھیلتے ہوئے دیکھیں؟

جواب: یقیناً وہ ایسا چاہتے ہیں مگر یہ خواہش میں کیسے پوری کرسکتی ہوں۔

قوم تو امید سے ہے رہنما مایوس ہے

سوال: آپ کے شوہر کی عُمر کیا ہے اور وہ کیا کرتے ہیں؟

جواب: وہ کچھ نہیں کرتے میرے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے علاوہ۔ عمر میں میں ان سے دو سال بڑی ہوں۔

سوال: آپ سماجی خدمت کس انداز سے کرتی ہیں؟

جواب: مظلوم لوگ میرے پاس آتے ہیں، میں متعلقہ محکموں اور لوگوں سے رابطہ کرکے ان کے مسائل طے کراتی ہوں، جو لوگ ان غریبوں کو پریشان کرتے ہیں، ان کو جب یہ پتہ چلتا ہے کہ پھولن دیوی ان کے مسئلے میں دلچسپی رکھتی ہیں تو وہ فوراً اس کا حل ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ میں غریب لوگوں کی اخلاقی مدد کے علاوہ مالی امداد بھی فراہم کرتی ہوں۔

سوال: آپ کی زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ جنگلوں میں گزرے چار سال، جیل کے گیارہ سال اور اب سیاسی زندگی، ان کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا اور کہا گیا اس کی تفصیل بتائیے؟

جواب: ایک ممتاز خاتون، مالا سین نے میری زندگی کے بارے میں ایک کتاب لکھی جس کا نام Bandit queen ہے اسی نام سے فلم بھی تیار ہوئی۔ اس فلم نے نمائش کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیے۔ یہ آج بھی بھارت کے سینماؤں میں دکھائی جارہی ہے۔

سوال: کیا آپ نے یہ فلم سینما ہاؤس جاکر دیکھی اور وہاں لوگوں نے آپ کا کیسے استقبال کیا؟

جواب: شائقین سینما میں مجھے دیکھ کر خوش بھی ہوئے اور حیران بھی۔ انہوں نے بڑے جوش وخروش سے میری پذیرائی کی۔

سوال: جو فلمیں آپ پر بنائی گئیں کیا ان کی رائلٹی آپ کو ملی؟

جواب: جی ہاں! مجھے اس سے بہت مالی فائدہ ہوا۔ اسی طرح مجھ پر لکھی گئی کتاب پر بھی مجھے خوب رائلٹی دی گئی۔ مجھے خوشحال کر دیا گیا۔

سوال: آپ نے بھی تو ایک کتاب لکھی ہے اس کے بارے میں کچھ بتائیے؟

جواب: میری کتاب کا نام My life ہے۔ میں بولتی گئی اور ایک انڈین ٹرانسلیٹر ترجمہ کر کے فرانس کی ایک خاتون لکھاری کو لکھاتے گئے۔ اس کتاب کی سات لاکھ کاپیاں فروخت ہوئیں۔ یہ کتاب دوسو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے مکمل ہونے میں ایک سال لگا۔ دنیا کی ستائیس زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔ اس کتاب کی بھی پوری رائلٹی مجھے ملی۔

سوال: آپ کو ملنے والے دوسرے اعزازات کا بھی ذکر ہو جائے؟

جواب: دوسرے اعزازات ملتے ملتے رہ گئے۔ نوبل پرائز ملنے کے لئے بیس ممالک نے میرے نام کی سفارش کی مگر بھارت کی حکومت کی کوتاہی کی وجہ سے یہ انعام رہ گیا۔ آسکر ایوارڈ بھی ملنے والا تھا مگر اس میں بھی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔

سوال: بعض مؤرخین اور ادیبوں نے بھی اپنی تحریروں میں آپ کا ذکر کیا ہے، ذرا اس کے بارے میں بتائیے؟

جواب: امریکہ کے ایک مصنف نے اپنی کتاب میں مجھے بھارت کا رابن ہڈ قرار دیا۔ رابن ہڈ میری طرح غریبوں کا ساتھی اور ہمدرد تھا۔

سوال: دنیا کے پچھتر فیصد ممالک نے آپ کو دعوت دی کیا آپ وہاں ذاتی اخراجات پر گئیں؟

جواب: نہیں ان تمام ممالک نے نہ صرف آمد و رفت کے اخراجات برداشت کیے بلکہ مجھے نقد رقم بھی دی۔ وہاں کے لوگوں نے میری بڑی پذیرائی کی۔

سوال: آپ انگریزی نہیں جانتیں۔ آپ نے پھر بھی اتنے بڑے معرکے کیسے سر کئے؟

جواب: میرے ساتھ میرا سیکریٹری اور ترجمہ کرنے والا ہوتا ہے۔ ان کے توسط سے میری تمام باتیں سمجھ لی جاتی ہیں۔ ویسے میں آج کل انگریزی سیکھ رہی ہوں۔

سوال: آپ کی زندگی واقعات و حادثات سے بھر پور ہے انٹرویو بہت طویل ہوسکتا ہے مگر آپ کی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے آپ کو مزید تکلیف نہیں دے سکتے۔ چلتے چلتے یہ بتا دیجیے کہ اگر کوئی آپ سے رابطہ قائم کرنا چاہے تو آپ اپنا پتہ اور فون نمبر دینا پسند کریں گی؟

جواب: آپ سے باتیں کرنا مجھے بہت اچھا لگا میں اس گفتگو کے دوران اپنی تکلیف بھول گئی۔ جو لوگ مجھ سے رابطہ کرنا چاہیں ان کے لئے میرا پتہ لکھ لیجئے۔

پھولن دیوی ایم بی اے۔ ۴۴، اشوک روڈ، نیو دہلوی، بھارت

فون نمبرز:۔ 3322628-3322429-3358675

☆☆☆☆☆

پھولن دیوی کو گولی مار دی گئی

ڈاکوؤں کی سابقہ ملکہ اور اتر پردیش (بھارت) کی موجودہ ایم۔ پی۔ اے پھولن دیوی کو دہلی میں ۲۵ رجولائی کو نامعلوم افراد نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ جب وہ اسمبلی کے اجلاس سے اٹھ کر لنچ کے لئے اپنے گھر آ رہی تھیں۔

میں نے دبئ میں پھولن دیوی سے ان کا آخری انٹرویو ۱۵ر جون کو کیا تھا۔ جو ۱۱ جولائی کو روزنامہ ''جنگ'' کراچی میں شائع ہوا۔ میں نے اس شمارے کی ایک کاپی اور پھولن دیوی کے نام ایک خط پوسٹ کرنے کے لئے تیار کیا مگر بوجوہ سپرد ڈاک نہ کیا جاسکا جو ان کی ہلاکت کے بعد ۲۷ رجولائی کو ان کے دہلی کے پتے پر پوسٹ کر دیا گیا۔

ڈاکوؤں کے علاقے میں مشاعرۂ طنز و مزاح

☆☆☆☆☆

بلوچستان کے علاقے سوئی میں کئی بار مشاعرۂ طنز و مزاح کا پروگرام بنا مگر ہر بار وہاں کے قبائل کی آپس میں آئے روز کی جنگوں کے سبب یہ ملتوی ہوتا رہا۔ قبائل کی یہ جنگ کئی کئی روز تک جاری رہتی ہے، جس میں میزائل اور راکٹ بڑی بے دردی سے استعمال ہوتے ہیں، اور اس کے نتیجے میں کئی قیمتی جانیں ضائع ہوجاتی ہیں۔ اس علاقے میں ۱۹۲۷ء میں گیس کی تلاش کا کام جاری ہوا اور ۱۹۵۰ء میں باقاعدہ گیس کی سپلائی شروع کی گئی، پاکستان پیٹرولیم لمیٹڈ سوئی گیس فیلڈ کی مالک ہے۔ اور پاکستان بھر میں گیس کی بچپن فیصد ضروریات یہیں سے پوری کی جاتی ہیں۔ گیس فیلڈ کی یہ فیکٹری اور انتظامیہ کے دفاتر وسیع و عریض علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر سہیل قدیر اس کے مینیجر ہیں، یہ پیٹرولیم میں پی ایچ ڈی ہیں، صاحب علم ہیں اور منکسر المزاج شخصیت کے مالک ہیں، یہاں کے رابطہ افسر اور مشاعرے کے منتظم شاعر جناب عباد الرحمٰن نے اس کل پاکستان مشاعرۂ طنز و مزاح کا اہتمام کیا اور انہوں نے ہی ہماری ملاقات ڈاکٹر صاحب سے ان کے دفتر میں ملاقات کرائی، جناب ممتاز عالم ڈپٹی مینجر ہیں، انتہائی خوش اخلاق اور ملنسار۔ ہم نے کراچی سے روانگی سے پیشتر عباد الرحمٰن صاحب سے پوچھ لیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مشاعرے کے دوران ہی کوئی راکٹ مشاعرہ گاہ میں آن گرے اور ہم پیش از وقت اس جہانِ فانی سے چلتے بنیں۔ انہوں نے کہا آپ آجایئے، ہم مشاعرے کی ضمانت تو دے سکتے ہیں مگر زندگی کی ضمانت ہمارے اختیار میں نہیں، اور ویسے بھی آپ کو شہید ظرافت ہونے میں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ آپ نے تو اپنی پوری زندگی اسی صنفِ نازک کی خدمت میں گزاردی ہے، باقی یہاں نہیں تو آگے چل کر سہی۔ انہوں نے بتایا کہ آپ سب لوگ ایک ہوائی جہاز کے ذریعے سوئی پہنچیں گے یہ فوکر جہاز ہوگا۔ میں نے کہا فوکر میں سفر کرنا میرے لئے

مشکل ہے، یہ جہاز بہت چھوٹا ہے اور ہوا کا تیز دباؤ برداشت نہیں کرتا اور ایک جھولے کی طرح ہچکولے لینے لگتا ہے، اس عمر میں میرے لئے یہ ہچکولے نا قابل برداشت ہوں گے۔ راغب صاحب نے مجھے اطمینان دلایا، کہ فکر کی کوئی بات نہیں، یہ محفوظ ترین جہاز ہے اور انہوں نے گلگت کے خطرناک پہاڑی علاقوں میں اسی جہاز سے کئی بار سفر کیا ہے۔ خیر میں بادل نخواستہ اس سفر پر آمادہ ہوگیا۔ جہاز کے ٹکٹ فراست رضوی کے پاس تھے ۔ راغب صاحب' فراست رضوی' نسیم نازش' اختر سعیدی' حیدر حسنین جلیسی' سید آغا' عنایت علی خان' ہرفن لکھنوی' ڈاکٹر انعام الحق جاوید(اسلام آباد) اور میں ایئر پورٹ کراچی پہنچ گئے ۔ جہاز ٹھیک، صبح ساڑھے چھ بجے محو پرواز ہوا۔ موسم بہت مناسب تھا پہلے یہ سکھر کے ہوائی اڈے پر اترا، لاؤنج میں جا کر ہم نے سگریٹ پی پھر یہ بیس منٹ بعد سوئی کی جانب ہمیں لے چلا۔ راستے میں اُسے کہیں بھی اٹھکھیلیا نہیں سوجھیں۔ ایئر ہوسٹس بہت خوش مزاج تھیں کہنے لگیں میں بھی شعر عرض کرتی ہوں، آپ بھی عرض کریں۔ اُس نے ایک شعر سنایا جو کسی بڑے شاعر کا تھا، کہنے لگیں میں نے یہ شعر اس وقت کہا تھا جب میں یونیورسٹی میں ایم ۔ اے کی طالبہ تھی۔ راغب صاحب سے فرمائش ہوئی تو انہوں نے ایک فی البدیہہ شعر کہہ دیا۔ جو ایئر ہوسٹس نے لے لیا۔

ہے میزباں ہوائی جو نائلہ تبسم
سوئی کے راستے میں یکسوئی مل گئی ہے

......☆......

نائلہ یہ شعر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، راغب نے ایک قطعہ اور کہہ دیا ؎

یہ بات علم میں تھی نائلہ تبسم کے
جہازمیں شعرا جارہے ہیں سب سوئی
کہا جناب ضیا نے یہ برمحل راغب
انہیں کراچی سے لائی تلاش یکسوئی

پینتیس منٹ بعد پی آئی اے کا یہ فوکر جہاز سوئی ایئرپورٹ پر اتر چکا تھا۔ عباد الرحمٰن خاں صاحب اپنے ساتھیوں کے ساتھ رن وے پر ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے۔ ایئرپورٹ سے باہر آئے تو بڑی پگڑیوں والے بلوچوں کو دیکھا جو ان کے اسٹاف میں شامل نہیں تھے اور بیشتر کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا۔ ہم کاروں کے ذریعے PPL کے ریسٹ ہاؤس میں پہنچے۔ جہاز میں اچھا ناشتہ مل چکا تھا، مگر یہاں پہنچ کر ایک بار پھر پر تکلف ناشتہ مل گیا۔ پھر چھوڑا کسی نے نہیں یوں لگتا تھا جیسے صبح سے کچھ نہیں کھایا، اس لئے کہ ناشتہ واقعتاً بہت ہی اچھا تھا۔ ہم آرام کرنے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ ایئرکنڈیشنڈ کمروں میں جاتے ہی نیند نے ہمیں آلیا۔ دوپہر میں کھانے کے لئے ہمیں بلا لیا گیا۔ پُرتکلف اور بہت مزیدار کھانے کے بعد ہم دوبارہ آکر سوگئے۔ عبادالرحمٰن خاں صاحب ہم سب کو گیس فیلڈ کا دورہ کرنے لے گئے۔ ہم ان عظیم الشان کمپریسرز اور اس کے کنٹرول روم دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ چیف انجینئر صاحب نے ہمیں بریفنگ دی۔ یہ حضرت بھی بڑے شریف النفس اور سادہ دل شخصیت کے مالک ہیں۔ ہم حیران ہوئے کہ اتنے تعلیم یافتہ لوگ اور انجینئرز اس صحرائے لق و دق میں جس طرح اپنے ملک کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں وہ واقعی حیران کن بھی ہے اور قابل داد بھی یہ لوگ اگر غیر ممالک ہی میں رہتے تو ان کی پذیرائی بھی ہوتی اور مالی فوائد بھی ملتے مگر ان کی حب الوطنی نے ان کو اس بات کی اجازت نہ دی۔ رات ۹ بجے کھانے کے لئے ہم ڈرائینگ روم میں تھے۔ دس بجے رات مشاعرہ کا آغاز ہوا مگر لاؤڈ اسپیکر انتہائی ناقص ہونے کے سبب خاصی مشکلات پیش آئیں۔ میں نے کہاں پارٹیشن سے پیشتر علمائے ہند نے ایک متفقہ فتویٰ دیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ لاؤڈ اسپیکر پر اذان اور نماز مکروہ ہے انھوں نے یہ فتویٰ شاید ایسے ہی لاؤڈ اسپیکر کے لئے دیا تھا۔ عبادالرحمٰن صاحب نے میرا یہ جملہ سن کر ایک مائیک اور منگوایا جس سے کچھ صورت حال بہتر ہوگئی۔ سوئی کی تاریخ کا یہ پہلا طنزیہ و مزاحیہ مشاعرہ تھا۔ اسٹاف کے "تمام افسران اور عملہ بڑی دلچسپی کے

ساتھ چار گھنٹے تک یہ مشاعرہ سنتے رہے۔مشاعرے کی شاندار کامیابی پر سب لوگ بڑے خوش خوش نظر آرہے تھے۔اور آئندہ کے مشاعرے کے لئے ابھی سے تیاریاں شروع کرنے پرغور کر رہے تھے۔رات ساڑھے دو بجے ہم اپنے کمروں میں آکر سوگئے صبح ساڑھے سات بجے ہمیں کراچی کے لئے روانہ ہونا تھا۔ مجھے اور عنایت علی خاں کو کراچی میں ایک تقریب میں شرکت کرنا تھی اور مغرب تک کراچی پہنچنا ضروری تھا۔سوئی سے کشمور تک کا علاقہ ڈاکوؤں کے کنٹرول میں ہوتا ہے۔ جو دن دہاڑے لوٹ لیتے ہیں، لہٰذا پولیس یا فوج کی نگرانی میں لوگ قافلے کی شکل میں یہ سفر طے کرتے ہیں، ایک موبائل قافلے کے آگے آگے اور ایک اس کے پیچھے چلتی ہے۔ہم جب روانگی کی جگہ پہنچے تو کانوائے جاچکا تھا۔ ہمارے ڈرائیور نے انتہائی تیز رفتاری سے کار دوڑائی اور پھر ؎

یارانِ تیز گام نے محمل کو جالیا

ہم قافلے میں شریک ہوگئے۔ قطار در قطار کاریں اور موٹر سائیکل ہمارے ہمراہ تھے، ایسا لگتا تھا جیسے شعرا کا جلوس بڑے طمطراق سے لے جایا جارہا ہے۔ میں نے کہا کاش راستے میں ڈاکو مل جائیں تاکہ ہم خود کو لٹے جانے کا منظر بھی دیکھ سکیں، مگر راستے میں کہیں ڈاکو نہیں ملے، ڈاکوؤں کے پاس جدید اسلحہ اور گاڑیاں ہیں مگر وہ قافلوں پر حملہ نہیں کرتے، البتہ پولیس یا فوج کے بغیر جانے آنے والوں کو وہ لوٹ لیتے ہیں، ؎

کسی نے ملک، کسی نے مشاعرہ لوٹا

راستے میں چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی نظر آئے ڈاکو ان کو نہیں لوٹتے اس لئے کہ سب ان کی اپنی قوم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ہمارا ڈرائیور دیہاتی اور ان پڑھ تھا مجھ سے کہنے لگا رات میں نے آپ کو گانا گاتے دیکھا، آپ کے پاس نہ کوئی طبلہ تھا اور نہ ہی ہارمونیم۔ میں نے کہا بھائی ہم گویے نہیں ہیں شاعر ہیں۔ پوچھنے لگا یہ شاعر کیا ہوتا ہے، میں چپ رہا، آخر اس کی باتوں کا کیا جواب دیتا۔ کشمور پہنچ کر ہمیں اپنی حفاظت میں لیکر آنے والے ہم سے الگ ہوگئے۔ سوئی سے سکھر کا فاصلہ

دوسوبیس کلومیٹر ہے جو ہم نے تین گھنٹوں میں طے کیا۔ سوئی کے علاقے میں جو بھی آتا ہے، لوٹنے کے لئے ہی آتا ہے۔ شاعر مشاعرہ لوٹتا ہے، ڈاکو لوگوں کو لوٹتا ہے، اور شکاری یہاں آکر تلور کا شکار کرتا ہے۔ البتہ اس علاقے میں سوئی گیس ملنے کے بعد یہاں کے مقامی لوگوں کو ملازمتیں بھی ملیں اور خوشحالی بھی آئی۔ بیشتر ملازمین اسی علاقے کے لوگ ہیں۔ ایک ڈرائیور کی تنخواہ بیس ہزار روپے ہے، الاؤنسز اور اوورٹائم ملاکر اسی ہزار روپے تک وہ کمالیتا ہے مگر اس کا گذارہ اس خطیر رقم میں بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی تین یا چار بیویاں ہے اور ۳۰۔۳۵ بچے۔ یہاں کے مقامی لوگ شادیاں بہت کرتے ہیں۔

قناعت نہ کر صرف دو بیویوں پر
شریعت میں دو بیویاں اور بھی ہیں

سکھر سے ہمیں کراچی کی بس گیارہ بجے ملی، مگر انعام الحق جاوید اور اختر سعیدی کو اس میں سیٹ نہ ملی، میں اور عنایت علی خاں اس میں بیٹھ گئے۔ بس کا ایئرکنڈیشن یا تو خراب تھا یا اس کا والیوم بہت کم کررکھا تھا۔ اُس کے شاک ابزاربر کام نہیں کررہے تھے، لہٰذا ہم اپنے وزن کے باوجود ادھر سے ادھر، اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر گرتے پڑتے رہے۔ ہڈیاں چٹخنے لگیں، ایسا لگتا تھا جیسے میرے بائی پاس آپریشن کے ٹانکے ٹوٹ جائیں گے۔ رات نو بجے ہم کراچی پہنچے، ٹیکسی لیکر ہوٹل پرل کانٹی ٹینٹل کی تقریب میں شریک ہوئے۔ راغب صاحب' شہزاد عالم شہزاد' سعید آغا اور حیدر حسنین جلیسی سکھر سے کئی بسیں اور ٹیکسیاں بدل بدل کر صبح ۵ بجے کراچی پہنچے۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید اور اختر سعیدی ۲ بجے والی بس لیکر رات گیارہ بجے کراچی پہنچے۔ فراست رضوی' ان کی بیگم نسیم نازش اور ان کا صاحبزادہ سفر کی اذیتیں نہ سہہ سکے اور وہ راستے ہی میں کسی ہوٹل میں چلے گئے۔ دوسرے روز وہ کراچی پہنچے۔ آخر شعرا کی شام غریباں کا بھی اختتام ہوا۔